قاضی عبدالمجید قریشی مرحوم کی جملہ تالیفات و تصنیفات
بحق قاضی عبدالحمید قریشی مالک سیرت بکڈپو لاہور محفوظ ہیں

درسِ قرآن

پارہ اوّل الٓمّٓ

37

ازقلم

قاضی عبدالمجید قریشی مرحوم

بانی تحریک یوم النبی، سیرت کمیٹی، اخبار ایمان پٹی
مؤلف و مصنف کتب مشہورہ اسلام زندہ باد، اسوۂ ابراہیم،
خطبات جمعہ، پیغامِ قرآن، انسانیت موت کے دروازے پر،
وغیرہ وغیرہ

مطبوعہ بہ اہتمام
قاضی عبدالحمید قریشی برادر حقیقی قاضی صاحب مرحوم
منیجر و مالک سیرت بک ڈپو ۹ میکلوڈ روڈ لاہور

قیمت تین روپے چھ آنے

Marfat.com

V.1

DATA ENTERED

PUNJAB
UNIVERSITY
LIBRARY

Marfat.com

DATA ENTERED

جملہ امراض کی دوا آپ ایک سوکھتے ہوئے درخت کے پتوں پر کتنا بھی پانی چھڑکیں، وہ ہرا نہیں ہوگا، صحیح طریق یہ ہے کہ آپ جڑ کو پانی دیجیے، پھر اس درخت کا ایک ایک ڈال اور ایک ایک پات از خود سرسبز ہو جائے گا۔ قوموں کی حالت بھی یہی ہے، افراد اقوام کے ایک ایک نقص اور ایک ایک کمزوری میں الجھے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ رسول اللہ کی قوم میں ہزاروں بیماریاں تھیں مگر حضور نے سب کے جواب میں انہیں صرف قرآن سکھایا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح سمندر کی بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں، اسی طرح قرآن کی تعلیم عربوں کی سب بیماریوں کو کھا گئی۔ اب آپ بھی مسلمانوں کو قرآن سکھائیں، ان کی تمام بیماریاں ختم ہو جائیں گی۔ سمجھو! قرآن ایک دوا ہے مسلمانوں کے جملہ امراض کی۔

حال اور مستقبل کی حفاظت مسلمانوں کو سیاسی جداگانہ حقوق، صرف اسی وقت تک ملیں گے جب تک کہ وہ ایک جداگانہ قوم ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان، کسی نہ کسی وقت اپنی سیاسی تقدیر پر ضرور فائز ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ اپنی قومی خودی کو قائم رکھیں اور ہُن اور ستھین کی طرح اکثریت کے سیلاب میں تحلیل ہو کر اپنے جماعتی وجود کو ضائع نہ ہونے دیں مسلمانوں کا قومی وجود اُس بنیاد کو بچانے سے برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ جس پر مسلم قومیت کی عمارت کھڑی ہے، یہ بنیاد مسلمانوں کا مذہبی احساس ہے۔ جب تک مسلمانوں میں ایک مستقل مذہب کے پیرو ہونے کا احساس باقی رہے گا، ان کا قومی وجود ضرور اپنی جگہ پر محفوظ اور باقی رہے گا۔ پس اصل کام یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کا اللہ کے قائم اور دائم کلام سے رشتہ جوڑ دیا جائے۔ پھر انشاء اللہ ضرور مسلمانوں کا قومی وجود قائم

Marfat.com

اور جماعتی مستقبل دائم ہو جائیگا۔

قرآن کی عمومی تبلیغ سے غفلت ہر مسجد اور مدرسہ میں چندہ کی اپیل کے وقت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم نے قرآن پاک کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا ہے۔ لیکن اگر آپ اس دعویٰ کا کسی سڑک، بازار یا گاؤں میں کھڑے ہو کر امتحان کریں تو آپ کو قطعی طور پر یہ معلوم ہو گا کہ ایک سو میں ایک مسلمان بھی قرآن کی سب سے پہلی آیت کا ترجمہ نہیں جانتا۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ دینی تعلیم میں لاکھوں روپے سالانہ کے اخراجات کے باوجود ابھی تک قرآن پاک ہماری قوم کے ایک فیصدی اشخاص تک بھی نہیں پہنچا اور قرآن پاک کی تبلیغ عمومی کے تمام دعوے فریب و دیا ہیں یا بالکل افترا پردازی۔ ایک دوسری ناقابل انکار حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن قوم تک پہنچ گیا ہوتا تو وہ اس قدر ذلیل اور کمزور نہ ہوتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ سورج نکلے اور روشنی نہ ہو؟

درس قرآن کی اسکیم تعلیم قرآن کی موجودہ صورت یہ ہے۔ بڑا صاحبان تعلیم و تبلیغ قرآن کے نام پر سال بسال چندہ مانگتے ہیں پھر محض نذر و نیاز کا راستہ صاف رکھنے کے لیے دو چار درویشوں یا نمازیوں کو بٹھا لیا جاتا ہے اور انہیں سالہا سال تک ایسے جھگڑے اور مسائل سکھلائے جاتے ہیں جن کی موجودہ زندگی میں کچھ بھی قیمت نہیں ہے۔ کیا تبلیغ و تعلیم قرآن کا یہی وہ نظام ہے جس سے آپ ۹ کروڑ مسلمانوں کے راہ یاب ہونے کی امیدیں باندھے ہوئے ہیں اب تک جتنے بھی لوگوں نے قرآن پڑھایا، دو دو چار چار افراد کو پڑھایا۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ پوری قوم کو بیک وقت مخاطب کریں اور پوری قوم کو بیک وقت قرآن پڑھائیں۔ اس غرض کے لئے ہم ملت اسلامیہ کے سامنے تین نہایت سادہ اصول پیش کرتے ہیں۔ (۱) کوئی مسلمان ایک پائی بھی چندہ نہ دے (۲) ہر گھر کو قرآنی سکول بنایا جائے اور باپ تمام گھر والوں کو روزانہ ایک آیت کا ترجمہ سکھائے (۳) گھروں میں سنانے کے لئے محض برائے نام قیمت پر بنے بنائے مختصر اور آسان ترین سبق بہم پہنچائے جائیں۔

Marfat.com

طریق عمل | آپ گھر میں ایک وقت مقرر کر دیں۔ جبکہ گھر کا کوئی ممبر غیر حاضر نہ ہو۔ ایک جگہ فرش بچھا کر ہر روز ماں، بہن، بھائی، سب حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں اور آپ صرف چار منٹ میں انہیں روزانہ ایک درس پڑھ کر سنا دیا کریں۔ جس دن باپ نہ ہو، بیٹا مسند ہدایت پر بیٹھے اور ایک درس پڑھ کر سنا دے۔ ہر مسجد، ہر زنانہ اور مردانہ سکول، ہر اسلامی گھر اور ہر کارخانہ اور دکان میں جہاں دس پانچ مسلمان ہوں، روزانہ ایک ایک آیت کا ترجمہ سکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔

اسکیم کی قبولیت | درس قرآن کے سلسلے کو ایسی بے پناہ قبولیت حاصل ہوئی ہے کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اگرچہ جنگ کے ظہور اور کاغذ کی گرانی کے باعث ابھی تک "درس قرآن" کے چار ہی نمبر شائع ہوئے تاہم مستقل خریداروں کی تعداد ۲۵ ہزار تک پہنچ گئی۔ جس شخص نے ایک دفعہ بھی ان درسوں کو پڑھا، وہ عمر بھر کے لیے ان کا مبلغ بن گیا۔ جن گھروں میں صرف دو چار دن بھی یہ درس سنائے گئے، وہاں کا یہ حال ہے کہ جب وقت آتا ہے تو چھوٹے چھوٹے بچے، ماں باپ اور بہن بھائیوں کو گھیر گھیر کر ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور پھر باپ سے اصرار کرتے ہیں "ابا جان! وقت ہو گیا، درس قرآن سنائیے"۔ متعدد مقامات پر ہندو اور سکھ حضرات نے ان درسوں کی امداد سے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کر دیا ہے ایک صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "اس اسکیم سے ہمارا بچہ بچہ مبلغ اور مجاہد بن جائے گا" ایک صاحب نے لکھا ہے کہ "میں نے گھر میں چند ہی روز درس قرآن سنایا تھا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچوں نے اپنے گھر میں وعظ کہنا شروع کر دیا ہے"۔ ایک سیاسی بزرگ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "آپ نے درس قرآن کے اجراء سے قوم کو پھر حکومت اور سیاست کے راستے پر ڈال دیا ہے"۔ متعدد مسلمانوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہم پر اصل میں اب قرآن اترا ہے۔ اس وقت کم سے کم ایک لاکھ آدمی ان درسوں کے ذریعہ سے "قرآن"

Marfat.com

تعلیم حاصل کر رہے ہیں، چینی، گجراتی اور بعض دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمہ اور اشاعت کا انتظام ہو چکا ہے۔

پانچ سالہ اسکیم ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک ہر مسجد اور ہر گھر میں درس قرآن جاری ہو جائے۔ اور یہ پورا ملک ایک قرآنی سکول بن جائے۔ اس غرض کے لئے ہر ایک مسلمان کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ اس کی کتنی طاقت ہے اور وہ کیا کیا خدمت انجام دیگا؟ جب تمام مسلمان اپنی اپنی جگہ اللہ کے لئے اپنا پورا زور لگائیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں میں ہوا اور پانی کی طرح قرآن کی تعلیم عام نہ ہو جائے۔ ہماری کامیابی کا انحصار دو باتوں پر ہے، ایک اس پر کہ ہر مسلمان مبلغ بن جائے اور کام کرے۔ دوم اس پر کہ ہم تعلیم قرآن کی تنظیم کریں۔ اس کے لئے تحریک سیرت مسلمانوں کے سامنے چھ چیزیں پیش کر رہی ہے:-

۱۔ ہر شہر میں سیرت کمیٹی۔ اس میں سب مسلمان شامل ہوں اور مشورہ سے کام کریں۔

۲۔ ہر مسلمان کے لئے مطالعہ ایمان۔ ہر سیرت کمیٹی اپنے شہر میں یہ انتظام کرے کہ اس جگہ جتنے بھی تعلیم یافتہ مسلمان ہیں، سب کے سب [illegible] دن دو لے دے کر اخبار ایمان پڑھیں تاکہ وہ سب اپنے وقتی حالات و خطرات سے آگاہ ہوں اور انہیں اپنے پروگرام کی رفتار معلوم ہوتی رہے۔

۳۔ ہر مسجد میں ایک خطبہ جمعہ۔ سیرت کمیٹی پٹی سے سال کے ۵۲ جمعوں کے لئے وقت کے مطابق ۵۲ اردو وعظ [illegible] چھپے ہیں بھیجے جاتے ہیں، انہیں تاریخ وار جامع مسجدوں میں سنانا چاہیے تاکہ عام مسلمان بھی ہماری تحریک میں شامل ہو جائیں۔

۴۔ ہر گھر میں درس قرآن۔ تاکہ عورتوں اور بچوں تک بھی اصلاح کی آواز پہنچے۔

۵۔ ہر شہر میں بیت المال۔ ہر مقام میں تنظیم صدقات و زکوٰۃ سے غربت اور بے کاری کا علاج

۶۔ ہر مسلمان کیلئے لازمی ورزش اور پریڈ۔ تاکہ ہر مسلمان اپنی حفاظت کے قابل بن سکے۔

یہ مختصر اشارات ہیں۔ تفصیل معلوم کرنے کیلئے سیرت کمیٹی بنانے کے قواعد منگوائیں اور ان پر عمل شروع کر دیں۔

Marfat.com

پہلا سبق تعلیم قرآن

عزیزانِ اسلام! خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج سے ہم قرآن پاک کا ترجمہ سیکھنا شروع کرتے ہیں۔ پہلے آپ یہ سمجھیں کہ ترجمۂ قرآن سیکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو چند دنوں کے لئے اس زمین پر بھیجا ہے، اس کے بعد آپ سب خدا کے دربار میں حاضر ہوں گے اور اس زندگی میں جیسا کچھ عمل آپ نے کیا ہوگا، اس کے مطابق آپ کو بدلہ ملیگا۔ اگر آپ نے زندگی میں نیک کام کئے ہوں گے تو آرام اور اچھی زندگی ملیگی، اگر برے کام کئے ہوں گے تو تکلیف، نقصان اور بُری زندگی حاصل ہوگی۔ چونکہ اللہ پاک اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اس واسطے اس نے اپنے بندوں کو زمین پر بھیج کر بے کار نہیں چھوڑا، جس طرح اُس نے ہمارے جسم کی پرورش کے لئے زمین، پانی، ہوا، سورج، میوے اور غلے پیدا کئے ہیں، اسی طرح اس نے دل اور روح کی پرورش کے لئے ہمیں نیک اصول بھلی باتیں اور اچھی ہدایتیں بتاتی اور سکھاتی ہیں۔ وہ تمام نیک ہدایتیں اور اصول جن پر عمل کرنے سے یہ دنیا بھی اچھی ہو جاتی ہے اور آخرت بھی اچھی ہو جاتی ہے، قرآن پاک میں جمع ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ اس کے بندے قرآن کو بہت زیادہ پڑھا کریں، اس واسطے اس نے اپنی کتاب کا نام قرآن رکھا، قرآن کے معنی ہیں وہ کتاب جو بہت زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ ہم آج کے بعد ہر روز اسی طرح بیٹھا کریں گے اور قرآن کی ایک ایک آیت پڑھ کر ہر روز یہ سمجھا کریں گے کہ ہم بندوں کو ہمارے مالک نے کیا کیا حکم دیئے ہیں تاکہ ہم ان حکموں کو پورا کرسکیں۔

عزیزانِ اسلام! جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر آباد ہوئے تو اُسی وقت خدا تعالیٰ نے انہیں یہ فرما دیا تھا کہ اے آدم! تمہارے پاس میری طرف سے ہدایتیں آیا کریں گی، جو لوگ ان پر عمل کریں گے وہ غم اور نقصان سے پاک ہو جائیں گے۔ خدا کے اس وعدہ کے

Marfat.com

مطابق ہر قوم اور ملک میں ایک لاکھ ۲۴ ہزار نبی آئے جن میں چار نبی بہت مشہور ہیں۔ ایک حضرت داؤد علیہ السلام۔ اُن پر جو خدا کا کلام اُترا اُس کا نام زبور ہے۔ دوسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ اُن کی کتاب کا نام توریت ہے۔ تیسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اُن کی کتاب کا نام انجیل ہے اور چوتھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ تمام دنیا کے ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، آپ کی کتاب کا نام قرآن ہے اور آپ کے ماننے والوں کو مسلمان کہتے ہیں۔ الحمدللہ کہ ہم اور آپ سب مسلمان ہیں۔

اے عزیزانِ اسلام! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج سے چودہ سو برس پہلے مکہ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ چالیس سال کے ہوئے تو خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی مقرر فرمادیا اور اس کے بعد برابر ۲۳ سال تک آپ پر خدا کا کلام یعنی قرآن پاک کی آیتیں اُترتی رہیں اور آپ اُن پر عمل کرتے اور کراتے رہے۔ اُس زمانہ میں مسلمان نہایت ہی کمزور اور غریب تھے مگر قرآن کو سیکھنے اور قرآن پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں اُن کا راج قائم ہوگیا۔ جب نبیٔ خدا کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے آخری حج میں مسلمانوں کو جمع کرکے ارشاد فرمایا، مسلمانو! میں اپنے بعد تم میں یہ اللہ کی کتاب چھوڑے جاتا ہوں، اگر تم اس پر عمل کروگے تو تمہارا راستہ کبھی گم نہیں ہوگا اور یہ بھی فرمایا کہ موجودہ مسلمان، آنے والے مسلمانوں کو میرا یہ پیغام پہنچاتے رہیں۔ اس کے بعد نبیٔ خدا تو دنیا سے رخصت ہوگئے اور جب تک مسلمانوں نے قرآن پر عمل کیا، دنیا میں اُن کا راج قائم رہا مگر جب سینکڑوں سال گذر جانے کے بعد ہم مسلمانوں نے قرآن کے اصولوں کو بھلادیا تو دنیا میں دوسری قوموں کے راج قائم ہوگئے۔

اے عزیزانِ اسلام! خدا کا شکر ہے کہ آج ہم پھر روزانہ ایک قرآنی آیت کے ترجمہ سیکھنے کا کام شروع کرتے ہیں۔ دعا کیجئے، اے اللہ! ہم کو قرآن کا علم اور عمل عطا فرما تاکہ ہم تیرے فرماں بردار بندے بن جائیں۔

Marfat.com

عنوانِ قرآن — ۱۔ الّٰلہمّت — مقصدِ حیات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اے عزیزانِ اسلام! اسلام اور قرآن کا پہلا سبق بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے۔ آپ پہلے اس آیت کے لفظوں کے معنی سمجھ لیں۔ ب کے معنی ساتھ۔ اِسْم کے معنی ہیں نام۔ ہم پوچھا کرتے ہیں، تمہارا نام کیا ہے؟ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں، تمہارا اسم کیا ہے؟ بِسْمِ اللّٰہ کے معنی ہوئے، خدا کے نام سے۔ رحمٰن کے معنی بہت مہربان۔ رحیم کے معنی ہمیشہ رحم کرنے والا۔ ساری بِسْمِ اللّٰہ پڑھنے کا مطلب یہ ہوا، میں خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان ہے اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

عزیزانِ اسلام! بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، قرآن کا عنوان ہے۔ جو کچھ بھی قرآن پاک میں لکھا گیا ہے، وہ سب اسی کی تشریح ہے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق انسانی زندگی کا سارا مقصد یہ تھا کہ انسان، اللہ کے لیے ہو۔ اور اسی راز کا نام بسم اللہ ہے۔ چنانچہ حکم یہ ہے کہ آپ کو جب بھی کوئی کام کرنا ہو، اس کو شروع کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ضرور پڑھیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا۔ آپ جب بھی کوئی کام شروع فرماتے تھے، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر شروع فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جس کام کو خدا کا نام لے کر شروع نہ کیا جائے، وہ بہت بے برکت ہو جاتا ہے۔ چونکہ خدا ہی کی رحمت اور امداد سے اس دنیا کا سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ اس واسطے اسلام نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہر ایک نیک کام شروع کرتے وقت ہم کو یہ اقرار کرتے رہنا چاہیے کہ اس کارخانہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا ہوگا، وہ درحقیقت خدا تعالیٰ ہی کی طاقت، توفیق اور رحمت کا نتیجہ ہے۔

عزیزانِ اسلام! قرآن کا معجزہ یہ ہے کہ اگر آپ اس کی ایک ہی آیت کو پوری طرح

Marfat.com

سمجھ لیں تو وہ آپ کو اپنی مراد تک پہنچا دیتی ہے۔ بعض عالموں کا بیان یہ ہے کہ سارے قرآن کا نچوڑ، الحمد کی سورت ہے اور الحمد کا نچوڑ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے۔ اگر آج آپ نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے سبق کو سمجھ لیا تو آپ کو قرآن کا عطر اور روح پوری طرح معلوم ہو جائیں گے۔ عزیزانِ اسلام! آپ کو بسم اللہ سے دو سبق ملتے ہیں۔ پہلا سبق یہ کہ آپ کی زندگی خدا کے لئے ہو اور آپ اس دنیا کی زندگی میں جو بھی کام کریں، وہ خدا کے لیے کریں، یعنی ہر ایک کام میں آپ کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ میں یہ کام اپنی جان یا اولاد یا دنیوی حاکم کی رضا یا ذاتی فائدے کے لیے نہیں کروں گا بلکہ اپنے خدا کے لیے کروں گا۔ اسی بات کا نام للّٰہیت ہے۔ للّٰہیت کے معنی ہیں، خدا کی خوشنودی کے لئے ہر کام کرنا۔ بسم اللہ کا دوسرا سبق یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی کا ہر ایک کام شروع کرتے وقت خدا کی رحمت کو اپنے سامنے رکھیں۔ جب آپ لکھتے وقت یا پڑھتے وقت، یا کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھیں گے اور رحمٰن اور رحیم کا نام لیں گے تو آپ کو دو باتوں کا یقین ہو جائیگا۔ آپ کو ایک یقین یہ ہوگا کہ میں یہ کام خدا کے لیے کر رہا ہوں۔ اس واسطے خدا کے کام میں کسی قسم کی بدنیتی، برائی، طمع، فریب اور جھوٹ کو شامل نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کو دوسرا یقین یہ ہوگا کہ آپ جس خدا کے نام پر یہ کام کر رہے ہیں، وہ رحمٰن اور رحیم ہے، اس واسطے آپ کو نہ تو ہمت ہارنی چاہئے اور نہ بزدل اور ڈرپوک بن کر پیچھے ہٹنا چاہیے بلکہ رحمٰن ورحیم خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ جب آپ خدا کے لئے کام کریں گے اور خدا کی رحمت کے سہارے پر کام کریں گے تو آپ یقیناً کامیاب ہو جائیں گے۔ بس، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کامیابی کا تعویذ ہے۔ آپ کو چاہئے کہ جب بھی کوئی کام کریں، بسم اللہ الرحمن الرحیم کے دونوں سبقوں کو اچھی طرح یاد کر لیا کریں۔ دعا کرو کہ ہمارا ہر ایک کام خدا کے لیے ہو، خدا کے حکم کے مطابق ہو۔

Marfat.com

۲- ربوبیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عزیزانِ اسلام! قرآن کی پہلی سورت کا نام، فاتحہ ہے۔ سورۃ فاتحہ کے معنی ہیں کھولنے والی سورت۔ چونکہ اس سورت سے قرآن کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان کے بند سینے میں خدا کا راز کھلتا ہے اس واسطے اس سورت کا نام نہایت ہی درست ہے۔

عزیزانِ اسلام! قرآن کا عنوان یا تاج، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور قرآن کا چہرہ یا دیباچہ، الحمد کی سورت ہے۔ جس طرح چہرے کو دیکھ کر انسان کی پوری پوری پہچان ہو جاتی ہے، اسی طرح الحمد کو پڑھ کر ہم قرآن پاک کی تمام تعلیم کو پہچان سکتے ہیں۔

اب میں اسی بات کو کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہر انسان کو اچھی زندگی گذارنے کے لئے تین باتیں معلوم ہونی چاہئیں۔ ایک یہ کہ آپ کا خدا کون ہے؟ کیسا ہے؟ یعنی خدا کی معرفت اور پہچان۔ دوسرے یہ کہ آپ کا انسانی فرض، درجہ اور حیثیت کیا ہے؟ یعنی اپنی ذات کی معرفت اور پہچان۔ تیسرے یہ کہ یہ کائنات اور انسانیت کیا ہے جہاں آپ زندگی بسر کر رہے ہیں؟ اچھے لوگ کون ہیں؟ برے کون ہیں؟ تاکہ آپ اچھوں کے ساتھ مل کر زندگی گزاریں اور بروں سے بچ کر رہیں یعنی کائنات اور انسانیت کی معرفت اور پہچان۔ سارے قرآن میں یہی تین مضمون آتے ہیں، ایک خدا کی پہچان، دوسرے انسان کی اپنی پہچان۔ تیسرے کائنات اور اچھی اور بری جماعتوں کی پہچان۔ سورۃ فاتحہ میں بھی یہی تینوں مضمون موجود ہیں۔ اس سورت کی پہلی تینوں آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کی شان کیا ہے؟ اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے، انسان کا درجہ و مقام کیا ہے؟ اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو کن جماعتوں کے ساتھ چلنا چاہیے اور کن قوموں سے بچنا چاہیے اور یہ انسانیت کیا ہے؟

Marfat.com

عزیزانِ اسلام! سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت یہ ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔
حمد کے معنی تعریف۔ لِلّٰہِ کے معنی اللہ کے لئے۔ رب کے معنی پالنے والا۔ عالمین کے معنی بہت سے جہان۔ ساری آیت کے یہ معنی ہیں ہر قسم کی تعریفیں خدا کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ وہ پہلی بات جس سے قرآن نے بندوں کے ساتھ خدا کی پہچان کرائی، یہ ہے کہ آپ کا خدا رب العالمین ہے یعنی وہ صرف مسلمانوں ہی کا خدا نہیں ہے بلکہ ہندوؤں کا بھی ہے، انگریزوں کا بھی ہے، کافروں اور جانوروں کا بھی ہے، وہ سب انسانوں ہی کا نہیں بلکہ سب جہانوں کا خدا ہے۔ عزیزانِ اسلام! آپ پوچھیں گے خدا کی پہچان سے ہمیں کیا فائدہ؟ آپ یاد رکھئے کہ جو بھی صفت خدا میں موجود ہو، اس کے متعلق آپ ہمیشہ یہ سمجھیں کہ یہ اچھی صفت ہے اور اسی صفت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں۔ یہاں خدا کہتا ہے کہ میں رب العالمین ہوں اور سب جہانوں کو ترقی دے رہا ہوں۔ اس سے آپ یہ سبق لیں کہ سب جہانوں کی ترقی میں آپ کا حصہ بھی ضرور موجود ہے۔ پھر خدا کہتا ہے کہ میں اچھوں، بروں، مسلمانوں، کافروں، جانوروں، حیوانوں سب کو پالتا ہوں۔ اس سے سبق لیکر آپ کو چاہیئے کہ آپ بھی سب کی خدمت کریں، سب سے ہمدردی رکھیں اور خدا کے کسی بندے کو نفرت سے نہ دیکھیں۔ ہاں جس شخص کے عمل برے ہوں، اس کے برے کاموں کی وجہ سے اس کو ناپسند کرنا جائز ہے مگر انسانی ہمدردی اس کے ساتھ بھی کرنی چاہیئے۔ پس خدا کو رب العالمین سمجھ کر اس کی حمد کرنے سے آپ پر دو فرض عاید ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ جتنے بھی جہانوں کی پرورش کر رہا ہے، آپ ان سب میں اپنا حصہ حاصل کریں۔ دوسرے یہ کہ آپ خدا کی تمام مخلوق کو اس کی مخلوق سمجھ سب کے ساتھ ہمدردی، عدل اور احسان کا برتاؤ کریں۔ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ہم کو توفیق بخشے کہ ہم اس کی تمام مخلوق سے نیکی اور ہمدردی کا برتاؤ کریں۔

Marfat.com

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عزیزانِ اسلام! آج پچھلے سبقوں کو دُہرا لیجئے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا سبق یہ ہے کہ آپ کی ساری زندگی اللہ کے لئے ہو اور آپ جو بھی کام کریں، اس کے شروع کرتے وقت زبان سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا کریں اور دل میں یہ سمجھ لیا کریں کہ چونکہ یہ کام آپ اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔ اس واسطے آپ اس کام میں کسی قسم کا دھوکا فریب، جھوٹ اور طمع وغیرہ کی برائی شامل نہیں کریں گے اور خدا کی رحمت پر بھروسہ رکھکر اس کام کو آخر تک پورا کریں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا سبق یہ ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کو سب جہانوں کا پالنے والا سمجھ کر اس کی تعریف کریں اور اس سے اپنے اندر دو باتیں پیدا کریں۔ ایک یہ کہ چاند، سورج، مکھی، مچھر، زمین، سمندر، جو جو چیز دنیا میں خدا نے بنائی ہے، اس میں یقینی طور پر آپ کا حصہ اور نفع موجود ہے، آپ اس کو حاصل کریں۔ دوسرے یہ کہ آپ خدا کے تمام بندوں بلکہ حیوانوں اور جانوروں تک کو اس کی پیدائش سمجھکر اُن سب سے عدل و احسان کا سلوک کریں۔

عزیزانِ اسلام! آپ کو قرآن کی پوری سمجھ اُسی وقت آسکتی ہے جبکہ آپ قرآن کے الفاظ (اصطلاحات) کو سمجھ کر، قرآن کے معنی سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ آج میں تین لفظوں کے معنی بیان کرتا ہوں۔ رَبّ، رَحْمٰن، رَحِیْم۔ رَبّ اُس ذات کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو درجہ بدرجہ یہاں تک پرورش کرے کہ وہ چیز کامل ہو جائے۔ چنانچہ خدا کی پہلی شان یہی ہے کہ جو کچھ بھی اس نے پیدا کیا ہے، اُسے کامل اور مکمل بنانے کے لئے جتنے بھی سامان ضروری تھے، وہ سب کے سب اُس نے پیدا کر دیئے ہیں۔ اور اسی طرح خود آپ کی زندگی کو کامل اور مکمل بنانے کے لئے بھی اس نے سارے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ اب

Marfat.com

اِس کے بعد بھی اگر آپ بُرے، ناقص اور ذلیل ہیں تو یہ آپ کی اپنی کوتاہی ہے۔ خدا کی دوسری شان یہ ہے کہ وہ رحمٰن ہے یعنی بہت زیادہ رحمت کرنے والا۔ اِسی لئے اُس نے آپ کے لئے بغیر کسی معاوضہ کے زمین، سمندر، درخت، سورج، چاند بنادیئے۔ پھر آپ کو ہاتھ پاؤں، آنکھیں اور دماغ دیا تاکہ آپ ان سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ سب اس کی رحمانیت ہے۔ خدا کی تیسری شان یہ ہے کہ وہ رحیم ہے، رحیم اُس ذات کو کہتے ہیں جس کی مہربانی ہمیشہ رہے۔ مثلاً آپ ایک دانہ بوتے ہیں مگر اس سے سو دانہ پیدا ہوجاتا ہے، پس، خدا کی رحیمی یہ ہے کہ وہ محنت کرنے والوں کو اُن کی محنتوں سے بہت زیادہ انعام دیتا ہے۔

اے عزیزان اسلام! آپ نے اپنے خدا کو سمجھا۔ آپ کا خدا رب العالمین ہے یعنی اس نے وہ تمام سامان پیدا کردیئے ہیں جن کی مدد سے آپ پورا کمال حاصل کرسکتے ہیں آپ کا خدا رحمٰن ہے یعنی اس نے آپ کے لئے بلامعاوضہ آپ کی زندگی کا سارا سامان مہیّا کردیا ہے۔ آپ کا خدا رحیم ہے یعنی اس کے ملک میں جتنی آپ محنت کرتے ہیں، آپ کو اس سے ہزار ہزار گنا زیادہ پیداوار دی جاتی ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ آپ خدا کی ان تینوں اچھی صفتوں کا عکس اپنے اندر پیدا کریں۔ آپ رب العالمین کی صفت سے سبق لے کر تمام جہانوں میں اپنا حصہ حاصل کریں، اور اپنی ذات، اپنے اہل خانہ، اہل ملک اور نوع انسان کے لئے اسباب کمال بہم پہنچائیں۔ آپ رحمانیت سے سبق لے کر کائنات کی ہر چیز سے خود رحمت حاصل کریں اور اپنے تعلق داروں کو رحمت پہنچائیں۔ آپ رحیمیت سے سبق لے کر خوب عمل و جہاد کریں اور اس کائنات سے خود بھی زیادہ سے زیادہ نفع اٹھائیں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائیں۔ کامل بندہ وہی ہے جو اپنے خدا کے رنگ میں رنگا جائے

دعا کرو، اے اللہ! ہم کو اچھی صفتوں اور اچھے اخلاق کا مالک بنادے تاکہ ہم سب بندوں کی خدمت کریں، سب سے محبت کریں اور رات اور دن خدمتِ خلق میں مصروف رہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی معرفت ۔ ۴۔ عدالت ۔ بعد موت کی تقدیر

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

عزیزان اسلام! پہلے الفاظ کے معنی یاد کرلیں۔ یوم کے معنی دن۔ دین کے معنی انصاف۔ اس آیت میں خدا کی تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ انصاف کے دن کا مالک ہے یعنی قیامت کے دن کا۔ کمال حاصل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی جتنی پہچان ضروری تھی، وہ ان تینوں میں آگئی ہے۔ اب آپ خدا کی اصلی تعریف اسی وقت کرسکتے ہیں جبکہ آپ ان تینوں آیتوں کا اچھی طرح کھوج لگائیں اور خدا کی صفات کو پہچان لیں خدا کے سوا جو کچھ بھی ہے، وہ عالمین ہے۔ آپ تمام عالمین کا کھوج لگائیں اور ان سے عملی طور اپنا حصہ حاصل کریں، پھر آپ الحمدللہ رب العالمین کہنے کے حق دار ہوں گے۔ رحمت الٰہی کی قسمیں دو ہیں۔ خدا کی ایک رحمت وہ ہے جو ماں، باپ، استاد وغیرہ کے ذریعہ سے ہم کو پہنچتی ہے، خدا کی دوسری رحمت وہ ہے جو زمین، پانی، ہوا، چاند، سورج، کان اور سمندر کے ذریعہ سے ہم کو پہنچتی ہے۔ آپ کو ان سب رحمتوں کا کھوج لگانا ہوگا اور ہر جگہ سے خدا کی رحمت تلاش کرکے اس سے فائدہ اٹھانا ہوگا، پھر آپ الرحمٰن الرحیم کہہ کر خدا کی حمد کے صحیح حقدار ہوں گے۔ آپ کا حصہ صرف دنیا ہی کی رحمت اور ترقی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ آپ کو موت کے بعد کی زندگی اور ترقی کا بھی کھوج لگانا ہوگا اور وہاں بھی اپنا حصہ حاصل کرنا ہوگا، پھر آپ مالک یوم الدین کہہ کر خدا کی تعریف کرنے کے صحیح حق دار ہوں گے۔ اسلام سے پہلے سب لوگ بتوں کی، بادشاہوں کی اور امیروں کی تعریف کرکے فائدے اٹھاتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے یک دم یہ آواز دی، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ لوگو! صرف خدا کی تعریف کرو اور اس کی ربوبیت، رحمت اور عدالت کے کارخانے کو پہچان کر دونوں جہانوں کے سردار بنجاؤ

عزیزانِ اسلام! اب آج کی آیت پر غور کریں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کی ایک شان یہ ہے کہ اُس نے انسان کے ہر کام کے لئے بدلہ دینے کا قاعدہ مقرر کر دیا ہے، جس طرح آگ کے چھونے سے ہاتھ جل جاتا ہے۔ زہر کے کھانے سے انسان مرجاتا ہے، اسی طرح ہر اچھے اور برے کام کے لئے ایک نتیجہ مقرر ہے۔ اگر آپ ہمدردی، سخاوت اور عدل کریں گے تو دنیا اور آخرت میں آپ کو اچھا بدلہ ملیگا۔ یہ اس لئے کہ خدا مالک یوم الدین ہے اور اس کے قانون کے مطابق یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اور موت کے بعد کی زندگی جو انسان کو حاصل ہوگی، وہ ان عملوں کا پھل پانے کی جگہ ہے۔ پس اے عزیزانِ اسلام! آپ اپنی نیکی اور برائی کے متعلق کبھی بھی یہ خیال نہ کریں کہ وہ گم ہو جاتی ہیں اور مٹ جاتی ہیں۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ انسان کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا اور موت کے بعد ہمیشہ ہمیشہ تک اس کا بدلہ ملتا رہتا ہے۔ پس اگر آپ اپنی بھلائی چاہتے ہیں تو آپ اپنے لئے صرف اسی دنیا کے فائدہ کا خیال نہ رکھیں بلکہ اپنی آئندہ زندگی کا بھی خیال رکھیں اور اپنی تمام زندگی کو برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے جمع کرنے میں خرچ کرتے رہیں۔

عزیزانِ اسلام! قرآن نے خدا کی تین صفات (۱) ربوبیت (۲) رحمت (۳) عدالت پیش کر کے بندوں کو خدا کی پہچان کرائی اور ساتھ ہی اس کی بندگی کا حکم دیا ہے تاکہ خدا کے بندے بھی اپنی صفات کے رنگ میں رنگے جائیں۔ آپ خدا کی ربوبیت سے سبق لیں اور گھر کے اندر اپنے اہل و عیال کی خدمت و تربیت کر کے اپنے نظامِ خانہ داری کو درست کریں۔ آپ خدا کی رحمت سے سبق لیں اور ہر ذرۂ عالم سے رحمت کا کھوج نکال کر اور اپنے ہمسایوں اور شہریوں اور ہم وطنوں سے ہمدردی اور محبت کر کے اپنے نظامِ تمدن کو درست کر لیں۔ آپ خدا کی عدالت سے سبق لیں اور ملک میں عدل قائم کر کے اپنے نظامِ سیاست کو درست کریں۔ زمین پر خدا کی خلافت اور نیابت کے معنی یہی ہیں۔

Marfat.com

اپنی پہچان — ## ۵۔ فرائض انسانی — مقاصد خلافت

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

عزیزان اسلام! اِیَّاکَ کے معنی تیری۔ نَعْبُدُ کے معنی ہم عبادت کرتے ہیں۔ نَسْتَعِیْنُ کے معنی ہم مدد چاہتے ہیں۔ نَعْبُدُ میں نون کے معنی ہم۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے معنی ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

عزیزان اسلام! اگر آپ کسی شخص سے ناواقف ہوں اور پھر بھی اس کی تعریف کرتے جائیں تو وہ آپ سے ناراض ہو جائیگا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنی جن صفتوں، صنعتوں اور نعمتوں کے ذریعہ سے اپنی پہچان کرائی ہے۔ اگر آپ اُن کی حقیقت سے ناواقف رہیں اور صرف زبان سے الحمدللہ، الحمدللہ کہتے رہیں تو آپ کی یہ تعریف بھی صرف زبانی جمع خرچ سمجھی جائے گی۔ خدا کی حمد کا اصل مطلب صرف زبان کا ہلانا نہیں ہوتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ آپ خدا کی صفتوں کے رنگ میں رنگے جائیں اور اس کی ربوبیت، رحمت اور عدالت میں اس کے نائب بن کر دکھائیں۔ چونکہ یہ منزل بہت بڑی منزل تھی، اس لئے کہا گیا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ یعنی اس آیت میں انسان کو یہ سمجھایا گیا کہ وہ کسی بادشاہ، سردار یا امیر کی محتاجی یا غلامی کر کے یہ درجہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ صرف خدا کے قانون پر چل کر حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی انسانی شان اور فرض صرف اسی قدر ہے کہ خواہ آپ کو ڈر ہو، تکلیف ہو، غریبی ہو، بیماری ہو، مقدمہ ہو، دشمن اقوام کا خطرہ ہو، آپ کو صرف خدا ہی کے قانون پر چلنا چاہیئے اور خدا ہی سے مدد مانگنی چاہیئے۔ ہندو لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ عیسائی لوگ تین خداؤں کی پوجا کرتے ہیں، کئی جاہل مصیبت کے وقت دیویوں، پیروں، فقیروں یا قبروں اور خانقاہوں سے مرادیں مانگتے ہیں۔ کئی خوشامدی غیر خداؤں کو اپنا آقا بنائے ہوئے ہیں۔ یاد رکھئے کہ یہ سب کچھ انسانی شان کے خلاف ہے

Marfat.com

رسول خدا نے بھی اپنے صحابہ کو سمجھایا تھا چنانچہ جب زہرہ ایرانی جرنیل رستم کے پاس گئے تو رستم نے پوچھا، دین کیا ہے؟ زہرہ نے کہا، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ رستم نے پوچھا، اور کیا؟ زہرہ نے کہا، بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لانا کیونکہ تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں اور سب بھائی بھائی ہیں۔ جب مغیرہ اسی رستم کے پاس گئے۔ تو اس کے ساتھ تخت پر جا بیٹھے۔ مگر ایرانیوں نے انہیں تخت سے اتار دیا۔ آپ نے فرمایا، تم بیوقوف ہو، ہم لوگ تو ایک دوسرے کی عبادت نہیں کرتے، مگر تم نے بعض کو بعض کا خدا بنا رکھا ہے، اب یہ حالت ہمیشہ نہیں رہیگی۔ عزیزان اسلام! اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہر انسان کیلئے آزادی کا چارٹر ہے۔ خدا ہی کی غلامی اور خدا ہی کی امداد طلبی کے معنی یہ ہیں کہ صرف ایک خدا، آپ سے بڑا ہے اور خدا کے علاوہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے، وہ یا تو آپ کے برابر ہے یا آپ سے کم ہے۔ لہذا حکم الٰہی یہ ہوا کہ کوئی انسانی جماعت نہ تو اپنے برابر والے انسانوں کے سامنے بندگی اور احتیاج پیش کرے اور نہ دوسری مخلوق کے سامنے۔ پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا اصل سبق یہ ہوا کہ خدا سب کا بادشاہ۔ انسان آپس میں بھائی بھائی اور حقوق انسانی میں ایک دوسرے کے برابر۔ اور باقی تمام مخلوق، نوع انسان کی خادم۔ یہ ہے انسانیت کا درجہ اور مقام۔ اے عزیزان اسلام! آپ کو سبق تو یہ دیا گیا تھا کہ آپ نوع انسان کو **حکومت ربانی**، **مساوات انسانی** اور **تسخیر جہانی** کا سبق سکھائیں مگر افسوس کہ آپ خود مشرکوں اور تثلیث پرستوں کے غلام بن گئے اور بندوں کی عبادت پر راضی بھی ہو گئے۔ آؤ، ایک دفعہ پھر اپنے فرض کو محسوس کریں اور اپنے درجہ کو پہچانیں۔

عزیزان اسلام! اب تک دو باتیں آ گئیں۔ ایک یہ کہ خدا کی شان کیا ہے؟ دوم یہ کہ بندگان خدا کی شان کیا ہے؟ خدا، عالمین کا رب، رحمت کا سمندر اور عدالت کا چشمہ۔ انسان اُس کا نائب، اسکی صفتوں کا عکس بردار، اس کا غلام اور باقی سب مخلوق کا سردار آؤ، اپنی زندگی میں پھر یہی شان پیدا کریں

Marfat.com

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

عزیزان اسلام! اِھْدِ کے معنی ہدایت دے۔ نون الف نا کے معنی ہم کو۔ صراط کے معنی راستہ۔ مُسْتَقِیْم کے معنی سیدھا۔ بندہ اپنے خدا سے کہتا ہے، اِھْدِنَا، اے خدا! ہم کو ہدایت دے۔ صِرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سیدھے راستے کی۔

عزیزان اسلام! آپ ہر روز نمازوں میں پڑھتے ہیں، اے خدا! ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ اب یہ سمجھئے کہ سیدھا راستہ ہے کیا؟ آپ نے ابھی پڑھا، آپ کا خدا، رب العالمین ہے یعنی تمام جہانوں کو تربیت دے کر ترقی دینے والا۔ آپ بھی تربیت پائیں اور ترقی کریں۔ یہ صراط مستقیم ہے۔ آپ کا خدا رحمت والا ہے اور اس نے پانی میں بجلی، پتھروں میں سونا زمین کے اندر مٹی کا تیل چھپا رکھا ہے، یہ سب اس کی رحمتیں ہیں، آپ ان پر قبضہ کیجئے یہ سیدھا راستہ ہے۔ آپ کا خدا عدل کے دن کا مالک ہے، آپ بھی ہر روز اپنے پرائے کے ساتھ عدل کیجئے اور روزانہ عدل کے دن کے مالک بن جائیے۔ یہ صراط مستقیم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ تربیت، رحمت اور عدالت تینوں اصولوں کا خیال رکھیں اور اس دنیا میں پرہیزگار بن کر زندگی گزاریں۔ یہ پرہیزگاری کی زندگی کیا ہے؟ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ یعنی آپ صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور ہر تکلیف اور مصیبت کے وقت صرف خدا ہی سے امداد چاہیں اور اس کے علاوہ ہر وقت حرکت میں رہیں، ہر وقت تلاش میں رہیں اور ہر وقت یہ دعا کریں کہ اے خدا! ہم کو سیدھا راستہ دکھا یعنی پہلے اِیَّاکَ نَعْبُدُ، خدا کے قانون پر عمل، پھر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، اسی کی امداد پر بھروسہ۔ سب سے آخر دعا، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں پہلے عمل ہے اور عمل کے بالکل ساتھ اور برابر خدا

Marfat.com

سے دعا کرنا ہے۔ لیکن افسوس کہ بہت سے مسلمان، عمل تو کرتے نہیں ہیں، صرف زبان ہلا ہلا کر دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ عمل نہ کرنا اور صرف زبان ہلا ہلا کر دعا کرتے رہنا کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی ہدایت یہ ہے کہ آپ محنت بھی کریں اور اس کے ساتھ رزق کے لئے دعا بھی مانگیں۔ پھر خدا تعالیٰ ضرور آپ کی امداد کرے گا۔

عزیزان اسلام! وہ پہلی دعا جو قرآن نے آپ کو سکھائی ہے، یہ ہے کہ آپ خدا سے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق مانگیں۔ اس کا مطلب یہ کہ ہر وقت حرکت اور طلب و تلاش میں مصروف رہیں۔ آپ کو سمجھنا چاہئے، یہی قرآن جو آپ پڑھ رہے ہیں، سیدھا راستہ ہے۔ جو اصول یہ آپ کو بتاتا ہے، انہی کا نام صراط مستقیم ہے۔ جس طرح کوئی مسافر سیدھی اور صاف سڑک پر چل کر آسانی کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے، اُسی طرح آپ قرآن کی بتلائی ہوئی باتوں پر عمل کریں گے تو آپ بہت جلد اور بڑی آسانی سے اپنی منزل پہ پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تجربہ کر کے بتلا دی ہے۔ جب حضورؐ اس دنیا میں تشریف لائے تھے تو عرب کے لوگ شرک، جہالت، غریبی، نا اتفاقی، زنا اور شراب وغیرہ میں ڈوبے ہوئے تھے اور ایران اور روم کے بادشاہوں نے انہیں اپنا غلام بنا رکھا تھا مگر جب انہوں نے قرآن کے بتلائے ہوئے اصولوں پر عمل کیا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی عزتوں کے مالک بن گئے۔ آج جبکہ مسلمان غیروں کے غلام ہیں اور غیر قوم سے دولت، تعلیم، تجارت میں کمزور ہو گئے ہیں، صرف اس لئے کہ انہوں نے قرآنی اصولوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اگر آپ پھر خدا پرست، ایماندار، سچے، سخی، محنتی، باخلق اور کفایت شعار بن جائیں تو پھر آپ پہلے کی طرح ضرور دنیا اور آخرت کی عزتوں کے مالک بن جائیں گے اور وہ خدا تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کرے گا۔

Marfat.com

دنیا کی پہچان ۔ محفوظ راستہ ۔ اعتدال کی زندگی

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

عزیزان اسلام! صِرَاط کے معنی راستہ۔ اَلَّذِیْنَ کے معنی اُن لوگوں کا۔ اَنْعَمْتَ کے معنی تونے انعام کیا۔ اَنْعَمْتَ کی زبر والی تَ کے معنی تونے۔ عَلَیْھِمْ کے معنی اُن پر۔ غَیْر کے معنی دوسرے۔ مَغْضُوْب اُس کو کہتے ہیں، جس پر خدا کا غضب اُتر چکا ہو، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یہودی۔ وَ کے معنی اور۔ ضَالِّیْن اُن مسافروں کو کہتے ہیں جو چلے تو جا رہے ہیں مگر اصل راستے کو بھول گئے ہیں اور غلط راستہ اختیار کر چکے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی عیسائی۔

عزیزان اسلام! کل کے سبق میں آپ نے دعا کی تھی، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اے خدا! ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ اب آج خدا تعالیٰ نے آپ ہی کی زبان سے یہ بات کہلوائی ہے کہ سیدھا راستہ کونسا ہے؟ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ سیدھا اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پر تونے انعام کیا ہے۔ نہ اُن کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان کو صرف اس لئے طلب، دعا اور حرکت کرنی چاہئے کہ میں سچے لوگوں کی طرح زندگی گزاروں اور ایسے لوگوں کا طریقہ اختیار نہ کروں جن کی بدعملی اور گنہگاری کے باعث خدا تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا۔

عزیزان اسلام! یہ آیت آپ کو بتاتی ہے کہ دنیا میں تین ہی قسم کے لوگ آباد ہیں **مغضوب** یعنی حد سے بڑھنے والے۔ **ضالین** یعنی حد سے گھٹنے والے، **انعام یافتہ** یعنی درمیانی چال چلنے والے۔ مثلاً حد سے بڑھنے والے عیاش، فضول خرچ اور ڈاکو۔ حد سے گھٹنے والے کنجوس، بزدل اور نامرد۔ یا مکار اور فریبی اور یا بالکل سادہ لوح، یا ظالم جو دوسروں کا حق چھینیں اور یا غلام جو اپنا حق بھی دے بیٹھیں۔ آیت کہتی ہے کہ ان

Marfat.com

دونوں جماعتوں کا ساتھ نہ دینا چاہیئے، بلکہ اعمال، اخلاق، عقائد، کاروبار اور ہر چیز میں درمیانی راہ اختیار کرنی چاہیئے، تب انسان ترقی کر سکتا ہے۔

عزیزان اسلام! آپ ہر نماز میں دعا کرتے ہیں کہ آپ کو حد سے بڑھنے یا حد سے گھٹنے والی قوموں کے راستے پر نہیں چلنا چاہیئے مگر آپ کی عملی زندگی کا حال یہ ہے کہ آپ انہی گمراہ قوموں کی ملازمتیں اور نوکریاں کر رہے ہیں، اُنہی کا حکم مان رہے ہیں اور اُن کے راستے پر ہی نہیں بلکہ اُن کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ یہ کتنا اندھیر ہے کہ نماز میں تو ہم ظالموں اور غلاموں کے راستے سے بچنے کی دعائیں مانگتے ہیں مگر نماز کے بعد صبح سے لے کر شام تک انہی ظالم سرداروں، حاکموں یا اُن کے غلاموں کے اشارے پر چل رہے ہیں۔ اے عزیزان اسلام! یہ ہمارے دل اور ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے، چونکہ ہم نے قرآن کے اصولوں کو چھوڑ دیا ہے، اس واسطے غیر قوموں نے دنیا کے بے شمار ملکوں پر قبضہ کر لیا ہے اور اب آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے ملک سے جہاں ہمارا پہلا قبلہ ہے، عربی مسلمانوں کو نکالا جا رہا ہے اور وہاں یہودی قوم کو آباد کیا جا رہا ہے۔ یعنی آپ نے عیسائیوں اور یہودیوں سے بچنے کی دعا کی تھی اور اب آپ پر انہی قوموں کی غلامی چھا رہی ہے نوع انسان کی یہ کمزوریاں اور بربادیاں اسی واسطے ہیں کہ آپ نے قرآن کے سبق کو یاد نہیں رکھا

عزیزان اسلام! سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ختم ہو گیا۔ اس میں آپ کو تین سبق دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات الٰہی میں جہاں جہاں خدا کی ربوبیت، رحمت اور عدالت کام کر رہی ہے، آپ اس کا کھوج نکالیں اور اپنا حصہ حاصل کر کے خدا کی حمد و تعریف کے گیت گائیں۔ دوم یہ کہ آپ صرف خدا کے قانون کے غلام بن کر اور صرف خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے اپنے لئے آزادانہ زندگی کی جگہ پیدا کریں۔ سوم یہ کہ اعتدال کے سیدھے راستے پر چل کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حد سے بڑھنے والی یا حد سے گھٹنے والی قوموں کو پہچانیں اور انسانیت کو ان سے بچائیں۔

Marfat.com

۹۔ سورۂ بقرہ پر نظر عام

قرآن کی دوسری سورت کا نام، سورۂ بقر ہے۔ بقرہ کے معنی ہیں گائے۔ اس سورت میں گائے کا ایک ضروری واقعہ درج ہے۔ اس واسطے اس کا نام سورۂ بقر رکھا گیا ہے یعنی گائے کے بیان والی سورت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۴۰ سال کی عمر میں نبی ہوئے اور ۶۳ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی، اس لحاظ سے ۲۳ سال تک آپ نبی رہے۔ ان ۲۳ سالوں میں ۱۳ سال تک آپ مکہ شریف میں رہے اور اس کے بعد دس سال آپ نے مدینہ شریف میں گذارے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ قرآن پاک کی جو سورتیں پہلے تیرہ سالوں میں اتری ہیں جبکہ آپ مکہ شریف میں آباد تھے، انہیں مکی سورتیں کہا جاتا ہے اور جو سورتیں بعد کے دس سالوں میں اتری ہیں جبکہ آپ مدینہ شریف میں تشریف فرما تھے، انہیں مدنی سورتیں کہا جاتا ہے۔ سورۂ فاتحہ مکی سورت تھی اور اس میں کل سات آیتیں تھیں اور سورۂ بقر، مدنی سورت ہے، اس میں کل ۲۸۶ آیتیں اور ۴۰ رکوع ہیں اس لحاظ سے سورۂ بقر قرآن کی سب سے بڑی سورت ہے۔ اگر مضمون کا لحاظ کیا جائے تو کہنا چاہئے کہ سورۂ فاتحہ کی حیثیت ایسی ہے جیسے کہ کسی کتاب سے پہلے تمہید یا مقدمہ یا دیباچہ لکھا جاتا ہے جس میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس کتاب میں کیا کیا مضمون درج ہونگے اور سورۂ بقر کی حیثیت ایسی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا قرآن کا اصلی پیغام اس سورت سے شروع ہو رہا ہے۔ دنیا میں فصاحت اور اختصار کی یہ پہلی مثال ہے کہ قرآن جیسی عظیم الشان کتاب جس میں ہزار قسم کے مضمون درج ہیں، اس کا دیباچہ سات فقروں میں ہے اور وہ بھی اس طرح کہ گویا پورے کا پورا قرآن انہی سات فقروں میں سمایا ہوا نظر آتا ہے۔ اب سورۂ بقر سے قرآن کا پیغام شروع ہوگا۔ اس میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کی آواز سن کر دنیا کے لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ قرآن کے ماننے

Marfat.com

یعنی مومن۔ انکار کرنے والے یعنی کافر اور ظاہری طور پر ماننے والے اور دلی طور پر انکار کرنے والے یعنی منافق۔ اس کے بعد ۲۱ ویں آیت سے تمام انسانوں کو قرآن کے اصولوں کو صحیح تسلیم کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور حضرت آدمؑ کا قصہ بیان کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسانوں کی زندگی شروع کرتے وقت ہی یہ وعدہ کیا تھا کہ میں وقت وقت پر انسانوں کیلئے ہدایت نامے بھیجتا رہوں گا۔ اب یہ قرآن بھی اسی وعدہ الٰہی کے مطابق اتارا گیا ہے۔ پھر ۴۰ ویں آیت سے یہودی قوم کو قرآنی اصولوں پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ کہ اس قوم میں کیا خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں، جن کی وجہ سے اب یہ قوم خلافت الٰہی کے قابل نہیں رہی۔ پھر ۸۷ ویں آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہلی دفعہ ذکر آیا ہے اور ۱۱۱ ویں آیت میں یہودیوں کے ساتھ عیسائیوں کا نام لے کر آپ سے خطاب شروع کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے .. .. کہ یہ دونوں قومیں کیوں خدا کی طرف سے حاکم بننے کی اہل نہیں رہیں۔ پھر ۱۲۴ ویں آیت سے حضرت ابراہیمؑ کی اصلی تحریک یعنی دین توحید (خدا بادشاہ اور سب انسان بھائی) کا ذکر شروع ہوا ہے، یہ ذکر اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے اصلی خدائی اصولوں کو پیچھے ڈال دیا ہے اس واسطے اب خدا تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ایک نئی قوم پیدا کرے گا جو خدا کے نام پر زمین میں سچے خدائی اصولوں کا راج قائم کرے گی۔ اسی سلسلے میں خانہ کعبہ کا ذکر آیا ہے اور یہاں پہنچ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نئی قوم کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ پھر ۱۵۳ ویں آیت میں اس نئی قوم یعنی خدا کو بادشاہ سمجھنے والوں سے خطاب ہے اور سب سے پہلی بات انہیں یہ کہی گئی ہے کہ ہم تمہارا امتحان کریں گے، اسی کے ساتھ خدا کو بادشاہ سمجھنے والوں کو فتح کی خوشخبری اور تسلی بھی دی گئی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ بھی لکھا گیا ہے۔ یہ وہ کورس، نصاب اور حکمنامہ ہے جو اس نئی قوم کو تیار کرنے کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔ ۱۵۳ ویں سے ۱۸۹ ویں آیات تک ایسے

٨٦٦٨

Marfat.com

احکام ذکر کیے گئے ہیں جن کا تعلق جہاد کی تیاری سے ہے مثلاً وصیت، رمضان اور مالوں میں دیانت دار رہنا تاکہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کی وصیتوں اور جائیدادوں اور یتیموں وغیرہ کے متعلق کسی قسم کے جھگڑے پیدا نہ ہوں۔ جہاد سے پہلے رمضان کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ رمضان، دراصل جہاد ہی کا مہینہ ہے اور روزہ داری قوم کو جہاد کے لئے تیار کرتی ہے۔ ۱۹۰ ویں آیت میں غلامان خدا کو صاف طور پر جہاد کا حکم دے دیا گیا ہے۔ جہاد کے بعد حج کا ذکر ہے اور اس کے بعد عورتوں کے حقوق اور نکاح کے قوانین بتائے گئے ہیں یہ دونوں باتیں وہ ہیں جو جہاد کے بعد پیش آنے والی تھیں، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جب خدا کو بادشاہ ماننے والے مرد لڑائی میں شہید ہوں گے یا جنگی عورتیں قید ہو کر ان کے پاس آئیں گی تو عورتوں کے مسائل ضرور پیدا ہوں گے۔ اسی طرح یہ بھی تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جہاد کی کامیابی کا سب سے پہلا نتیجہ یہی ہوا کہ حج کی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ اسی سلسلے میں خرچ مال کا ذکر بھی ہے اور طالوت اور جالوت کی جنگ کا ذکر بھی ہے اور یہ سب باتیں ایسی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا ایک نئی قوم کو پیدا کر کے اُسے اپنی خلافت دے رہا ہے۔ سورۂ بقر کی آخری آیت یہ ہے، فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ یہ قرآن کی دعوت کا انجام ہے۔ اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن کی تعلیم سے جو قوم پیدا ہوگی، وہ ایسی ہوگی جس کے ذریعہ سے خدا کا قانون کفر پر غالب آجائے گا۔ مختصر یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس سورت میں دنیا کے سامنے اسلام کے کیس کو پیش فرمایا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ ماسوا کو بادشاہ سمجھنے والی اقوام کا، خدا کو بادشاہ سمجھنے والی قوم کے مقابلے میں کیا انجام ہونے والا ہے؟ خدا کیوں نئی قوم کو حکومت دیگا اور کس طرح دے گا؟ آئندہ سبقوں میں ہم قرآن کی ایک ایک آیت کا ترجمہ کر کے یہ بتلائیں گے کہ قرآن نے انقلاب کی یہ آواز کس طرح اٹھائی اور اسے کیونکر کامیاب بنایا؟ خدا تعالیٰ مجھ کو اور آپ کو سب کو تعلیم قرآن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

Marfat.com

۱۰۔ قرآن کی حیثیت

الٓمّٓ ج ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ صلے ج فِیْہِ ج۔ ذٰلِکَ کے معنی یہ۔ لَا کے معنی نہیں۔ رَیْبَ کے معنی شک۔ فِیْہِ کے معنی اس میں۔ فِیْ کے معنی میں۔ اور ہِ کے معنی اس۔ آپ نے سورۃ فاتحہ میں دعا کی تھی، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اے خدا! ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ اس دعا کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا، ذٰلِکَ الْکِتٰبُ، یہ ہے کتاب لَا رَیْبَ فِیْہِ، جس میں کوئی شک نہیں۔

عزیزانِ اسلام! یہ کتاب جو آپ پڑھ رہے ہیں، اس کا نام قرآن ہے۔ قرآن کے لفظ ہی میں ایک معجزہ ہے۔ قرآن کے معنی ہیں، وہ کتاب جو بہت زیادہ پڑھی جاتے۔ لفظ قرآن میں یہ پیش گوئی تھی کہ یہ کتاب دنیا کی سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جائے گی، چنانچہ اسی طرح ہوا۔ قرآن، ہر زمانے میں اس قدر زیادہ پڑھا گیا کہ اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وہ مضمون اور مقصود ہے جس کی قرآن میں تشریح کی گئی ہے۔ سارے قرآن کا آخری مقصود یہ ہے کہ انسان کی زندگی اللہ کے لئے ہو جائے۔ اور بسم اللہ کا مطلب بھی یہی ہے۔

سورۃ فاتحہ، قرآن کا دیباچہ ہے۔ یعنی سات آیتوں میں ایک چھوٹا قرآن جس میں خدا، انسان اور کائنات کی معرفت بیان کی گئی ہے۔ اب دیباچہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔

عزیزانِ اسلام! اس دنیا میں ہر ایک انسان کو اچھے اور سچے اصول معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ان پر عمل کر کے زندگی کو خوشی، آرام اور کامیابی کے ساتھ گزار سکے۔ اب بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی عقل اور سوچ سے ایسے اصول معلوم کرلیں۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ جو اصول ہم اپنی عقل سے معلوم کرتے ہیں، وہ ہمیشہ یقینی نہیں

Marfat.com

ہو سکتے۔ آپ مثال کے طور پر خدا کی ہستی کا، یا شراب پینے اور نہ پینے کا مسئلہ لے لیجئے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہماری عقل میں آتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ نہیں آتا۔ بعض کہتے ہیں کہ شراب پینا فائدہ مند ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہے۔ چونکہ انسانوں کی عقل عقل میں فرق ہوتا ہے اس واسطے ساری عقلیں ہمیشہ ایک اصول پر جمع نہیں ہو سکتیں، اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن، ایک کتاب ہے جسکی ساری باتیں سچی اور پکی اور قطعی ہیں۔ کامیابی کے خواہشمندوں کو چاہیئے کہ وہ تجربہ کر کے قرآن کی اس سچائی کو آزمالیں۔ عزیزان اسلام! کسی نسخے کی سچائی کا امتحان کیا ہے؟ صرف یہ ہے کہ اگر وہ نسخہ برتا جائے تو بیماری دور ہو جائے۔ قرآن کا یقینی ہونا بھی اسی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام کے زمانے میں یہ تجربہ مکمل ہو چکا ہے۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ عربوں کی ایک نسل جو سب سے پیچھے اور سب سے نیچے تھی جب اُن سے قرآن پر عمل کرایا گیا تو وہ چند ہی برسوں میں اخلاق، معاشرت، تعلیم، جنگ اور نظام میں سب دنیا کی معلم بن گئی۔ قرآن کی سچائی کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ تمام دنیا کی قومیں اب ہر طرف سے ناامید ہو کر قرآنی اصولوں کو اختیار کر رہی ہیں۔ توحید، تبلیغ، مساوات، نکاح بیوگان، ممانعت سود و شراب، طلاق، لڑکی کو ورثہ دینا، جوا کی ممانعت، دولت کو ذخیرہ کرنے کی ممانعت، یہ سب ایسے مسائل ہیں، جنہیں اسلام سے سیکھ کر تمام دنیا کے عقلمند قبول کر چکے ہیں اور قبول کر رہے ہیں یہ قرآنی اصولوں کی سچائی کی دلیل ہے جس سے کوئی باخبر آدمی انکار نہیں کر سکتا۔

عزیزان اسلام! آج تمام دنیا قرآنی اصولوں کو اختیار کر کے اپنے دکھوں کو مٹا رہی ہے مگر افسوس کہ آپ قرآن کو بھول کر اپنی مصیبتوں کو بڑھا رہے ہیں حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ رسول خدا نے چند شتربانوں کو یہ قرآن سکھایا تھا اور وہ دنیا کے اُستاد اور رہنما بن گئے تھے آپ پھر اسی عزت کے مالک بن سکتے ہیں بشرطیکہ آپ قرآن پر چلیں۔

Marfat.com

۱۱۔ نزولِ قرآن کا مقصد

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

عزیزانِ اسلام! هُدًى کے معنی ہدایت۔ لِلْمُتَّقِيْنَ کے معنی پرہیزگاروں کے واسطے ل کے معنی واسطے اور مُتَّقِيْنَ کے معنی پرہیزگار۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہے۔ قرآن، پرہیزگاروں کے واسطے ہدایت کا ایک بنا بنایا، سیدھا اور واقعی راستہ ہے۔ اس سے پہلی آیت میں قرآن کی حیثیت بتائی گئی کہ وہ ایک یقینی کتاب ہے اور اب اس آیت میں بتایا کہ قرآن بھیجنے کا مقصد هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہے۔ یعنی یہ قرآن اس لئے اتارا گیا ہے تاکہ یہ پرہیزگار لوگوں کو سیدھے راستے پر چلا کر کامیابی کی منزل پر پہنچا دے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن ایک سیدھی سڑک ہے جو خود خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے تیار کر دی ہے تاکہ وہ اس پر چل کر اپنی منزل پر پہنچ جائیں لیکن ظاہر ہے کہ سڑک کا فائدہ صرف انہی لوگوں کو پہنچ سکتا ہے جو سڑک پر چلنا چاہیں یا منزل پر پہنچنا چاہیں اور اپنے اندر چلنے کی طاقت بھی رکھتے ہوں۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ یہ قرآن، صرف پرہیزگاروں (یعنی چلنے والوں) کے لئے سڑک ہے، یہ نہیں کہ جو شخص نہ چلے، وہ بھی منزل پر پہنچ جائے گا۔

عزیزانِ اسلام! آپ مُتَّقِيْنَ کے معنی سمجھ لیجئے۔ پیغمبر خدا سے پوچھا گیا، تقویٰ کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، اگر تم کسی ایسے جنگل میں سے گزرو جو کانٹوں اور جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہو تو تم کیا کرو گے؟ صحابہ نے فرمایا، اے خدا کے رسول! ہم اپنے کپڑوں کو اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیں گے تاکہ کانٹوں میں نہ اُلجھ جائیں، پیغمبر خدا نے فرمایا، بس یہی تقویٰ ہے۔ اس بیان کے مطابق هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کے معنی یہ ہوئے، قرآن اُن لوگوں کا راستہ ہے جو اس دنیا کے جنگل میں ہر قسم کے کانٹوں یعنی گناہوں وغیرہ سے بچ کر

Marfat.com

اپنی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں - عزیزانِ اسلام! انسان کے پاس دیکھنے والی قوتیں تین ہیں، ایک قوت آنکھوں میں ہے جس کا نام بینائی ہے، اس سے بڑی قوت دماغ میں ہے جس کا نام عقل ہے، اس سے بڑی قوت روح میں ہے جس کا نام تقویٰ ہے جس طرح سورج سے فائدہ اٹھانے کیلئے قوت بینائی کا موجود ہونا ضروری ہے اسی طرح قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لئے دل میں تقویٰ کی قوت کا موجود ہونا ضروری ہے - آپ جانتے ہیں کہ ہر کام کو شروع کرنے کے لئے ابتدا میں کچھ نہ کچھ سامان کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً چلنے کے لئے پاؤں ضروری ہیں - اسی طرح ابتدائی سامان کے طور پر کسی قوم میں تقویٰ ہونا چاہئے - پھر ایسی قوم اگر قرآن کے اصولوں پر چلے تو وہ کامیاب ہو جائے گی - پس، آپ کا فرض ہے کہ سب سے پہلے اپنے اندر، پرہیزگار بننے اور کانٹوں سے بچ کر زندگی گزارنے کا شوق اور احساس پیدا کریں، جب یہ احساس پیدا ہو گیا تو قرآن کی تعلیم آپ کے لئے ایک سیدھی سڑک ثابت ہوگی اور اس سڑک پر چلنے سے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں آپ کو زندگی کی مرادیں حاصل ہو جائیں گی - خواہ آپ کے پاس علم و دولت نہ ہو، خواہ آپ کی تعداد کم ہو - اس لئے کہ سیدھی سڑک پر چلنے والے لوگ اگر تھوڑے غریب اور بے علم بھی ہوں تو وہ منزل پر ضرور پہنچیں گے، ان میں صرف چلنے کی طاقت ہونی چاہئے - تقویٰ اور پرہیزگاری قرآنی سڑک پر چلنے والی طاقت کا نام ہے -

عزیزانِ اسلام! بہت سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر انہیں قرآن سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا؟ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی اندھا سورج سے فائدہ نہیں اٹھاتا قرآن سے صرف پرہیزگار لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں - خدا کے بندو! اپنے اندر تقویٰ کی طاقت پیدا کرو، پھر تمہیں قرآن کی برکتیں ضرور حاصل ہو جائیں گی؟

Marfat.com

شرائط داخلہ قرآنی جماعت ۱۲ متقی کون؟ شرط اول ایمان بالغیب

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ

اَلَّذِیْنَ کے معنی جو لوگ۔ یُؤْمِنُوْنَ کے معنی ایمان لاتے ہیں۔ بِالْغَیْبِ کے معنی غیب پر۔ ب کے معنی ساتھ یا پر۔ آیت کا مطلب یہ ہوا، پرہیزگار وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب کا لفظ عام ہے۔ خدا، روح، فرشتے، بہشت، دوزخ، عذاب قبر وغیرہ باتیں جن کو آپ آنکھ، ناک، کان اور عقل سے دیکھ اور پا نہیں سکتے، غیب میں شامل ہیں۔

عزیزان اسلام! پہلے آپ آیتوں کی ترتیب سمجھ لیں۔ پہلی آیت میں قرآن کی حیثیت بیان کی گئی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قانون کی ایک یقینی اور نہ بدلنے والی کتاب ہے پھر قرآن بھیجنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ احتیاط اور سلامتی کے ساتھ عمر گزار کر منزل کمال تک پہنچنا چاہتے ہیں، قرآن کی کتاب، اُن کے لئے ہدایت کی ایک بنی بنائی سیدھی اور محفوظ سڑک ہے۔ بہرحال قرآن نے اپنی جماعت کا نام متقی (پرہیزگار) رکھا ہے۔ اب آج کی آیت سے متقی کی تشریح شروع ہوئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جو شخص پانچ اصول اختیار کرلے، وہ متقی بن سکتا ہے۔

عزیزان اسلام! اس دنیا میں الگ الگ کاموں کیلئے الگ الگ جماعتیں تیار کی جاتی ہیں۔ اُستاد کہتا ہے کہ پڑھنے کے لئے آؤ۔ اس سے پڑھنے والوں کی جماعت بن جاتی ہے چور اور ڈاکو، لوٹ مار کا نام لے کر اپنا جتھہ تیار کرلیتے ہیں۔ کانگرس والے آزادی وطن کا نام لے کر اپنی جماعت تیار کرتے ہیں۔ مگر قرآن ان میں سے کسی چیز کے نام پر اپنی جماعت تیار نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ، یعنی میں پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ہوں اور میرے ممبر، میری جماعت اور پارٹی صرف وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ ظلم گناہ اور

Marfat.com

بدی سے الگ ہو کر اپنی زندگی بسر کریں۔ بس، قرآن نے جن لوگوں کو اپنی قوم بنایا، اُن کی زندگی کا بنیادی اصول یہ ہونا چاہیے کہ وہ پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہوں۔ اس جڑ کی بات کو طے کر دینے کے بعد، اس پرہیزگار پارٹی سے قرآن نے پہلا مطالبہ یہ کیا ہے کہ وہ غیب پر ایمان لے آئیں۔ آپ پوچھیں گے، قرآن نے یہ مطالبہ کیوں کیا؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ انسانی زندگی کے متعلق، قرآن کا عقیدہ سمجھ لیں۔ قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ نقطۂ موت پر انسان کی زندگی ختم نہیں ہوتی، اس واسطے وہ جو بھی حکم دیتا ہے، یہ سمجھ کر دیتا ہے کہ انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ موت سے پہلے ہے اور دوسرا حصہ موت کے بعد۔ اور انسان کی یہ دونوں زندگیاں کامیاب ہونی چاہئیں۔ اے خدا کے بندو! موجودہ زندگی کے تمام حالات اور تمام واقعات آپ کے سامنے ہیں، مگر موت کے بعد کی زندگی، آپ کے سامنے نہیں ہے اسلیے یہ ضروری تھا کہ آپ کو سب سے پہلے یہ کہا جائے کہ آپ غیب پر ایمان لائیں، تاکہ اس دنیا کی زندگی کے علاوہ وہ دوسری چیزیں جن کا آپ کی زندگی سے تعلق تو ہے مگر جنہیں آپ دیکھ نہیں رہے ہیں، آپ کے خیال میں آ جائیں اور قرآن نے جو دونوں جہانوں کی کامیابی کے سوال کو سامنے رکھ کر آپ کیلئے راہ عمل تجویز کی ہے، آپ اس پر عمل کر سکیں۔ زندگی کے کئی راز ہیں جنہیں انسان کسی طرح حل نہیں کر سکتا، اسی طرح کئی قرآنی حکم بھی ایسے ہیں جن تک ابھی انسان کی عقل نہیں پہنچی۔ اس لیے کہا گیا کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی آئیں گی جن پر آپ کو بن دیکھے ایمان لانا چاہیے۔ ہر حال خدا، ملائکہ، بہشت، دوزخ پر بن دیکھے ایمان لانے کا حکم دے کر قرآن نے وہ اصلی بنیاد قائم کر دی ہے جس کے بعد انسان کا دل کہیں ڈانواں ڈول نہیں ہو سکتا۔ آپ اس بات کو ایک دفعہ پھر سمجھیں۔ آپکے سامنے اصل سوال یہ ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں آپ کی پالیسی کیا ہونی چاہیے؟ قرآن کہتا ہے کہ عالم ظاہر اور عالم غیب دونوں کو اپنے سامنے رکھ کر اپنا راستہ تجویز کرو۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ تمہارا پروگرام اس قدر مکمل بنے گا کہ تم اس زندگی میں اور اس زندگی کے بعد بھی پوری طرح کامیاب ہو جاؤ گے

Marfat.com

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ

وَ کے معنی اور۔ یُقِیْمُوْنَ کے معنی قائم کرتے ہیں۔ صَلٰوۃَ کے معنی نماز۔ قرآن نے اپنی جماعت کے لیے دوسرا اصول یہ تجویز کیا ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ ایمان بالغیب کا مطلب یہ ہے کہ تم کو قرآن کی شکل میں جو غیب سے آواز سنائی گئی ہے، اس پر ایمان لاؤ اور یہ سمجھو کہ قرآن نے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی بھلائی کے خیال کو سامنے رکھکر، تمہارے لیے زندگی کا پروگرام بنایا ہے۔ نماز کا مطلب یہ ہے کہ ممبران اسلام کے دل پاک ہو جائیں اور وہ سب مل کر ایک جسم اور ایک جماعت بن جائیں۔ "نماز قائم کرو" کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے ذریعہ کو اختیار کر کے اپنی جماعت کو منظم کرلو۔

اے بندگان خدا! آپ نماز کا مطلب ایک مثال سے سمجھیں، ایک دولت مند آدمی کے تین بیٹے ہیں۔ ایک بیٹے کے دل میں ہے کہ میں نقد روپیہ پر قبضہ کرلوں اور خوب مزے اڑاؤں دوسرے بیٹے کے دل میں ہے کہ میں کارخانوں کا مالک بن جاؤں اور دوسرے بھائیوں کو کسی مصیبت میں پھنسادوں۔ تیسرے بیٹے کے دل میں ہے کہ سب کچھ میرا ہو جائے اور باقی بھائی میرے رحم پر زندہ رہیں۔ چونکہ تینوں بھائیوں کے دل میں کھوٹ، فریب، خود غرضی اور ظلم کے خیالات بھرے ہوتے ہیں اس واسطے یقینی ہے کہ ان میں لڑائی اور نا اتفاقی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ قریباً تمام دنیا کے انسانوں کا یہی حال ہے چونکہ ہر شخص کے دل میں اپنی جگہ دغا، فریب، خود غرضی، ظلم اور طمع کے خیالات بھرے ہوتے ہیں اس واسطے یہ ساری دنیا دنگہ فساد، نفاق، دکھ درد اور تکلیفوں سے بھر گئی ہے۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ میرے سب بندے اتفاق کر کے ایک برادری بن جائیں۔ اس واسطے وہ دوسرا حکم یہ دیتا ہے کہ سب کے سب لوگ پاک و صاف ہو کر، دن میں پانچ مرتبہ ایک امام کے

Marfat.com

پیچھے، ایک قبلہ کی طرف منہ کر کے ایک قطار میں کھڑے ہو کر، خدا کے سامنے حاضر ہوا کریں اور اپنے بھائی بھائی ہونے کا اقرار کیا کریں۔ اس تدبیر کا مطلب یہ تھا کہ سب ممبروں کے دل میں اپنے خدا کا خیال ہر وقت تازہ رہے اور خدا کی حاضری کا خیال کر کے سب کے دل کھوٹ، میل اور حسد وغیرہ سے پاک ہو جائیں اور دنیا میں خدائی محبت کا ایک طاقتور نظام پیدا ہو جائے، اس کے علاوہ نماز سے اور بھی کئی فائدے پیش نظر تھے۔ مثلاً نماز سے انسان کو جسم اور لباس صاف رکھنے کی ہدایت ہوتی ہے۔ قوم میں محبت و اتفاق پیدا ہوتا ہے، وقت کی پابندی کا سبق ملتا ہے، نماز سے غریب اور امیر کا فرق مٹتا ہے، انسان بے حیائی اور گناہ سے رکتا ہے، نماز سے منہ، ناک، کان، دانت اور ہاتھ پاؤں جہاں گرد و غبار اور جراثیم جم جاتے ہیں، صاف رہتے ہیں، نماز ایک نرم قسم کی بہت اچھی ورزش ہے، نماز سے ایک امام کے پیچھے چلنے کا سبق ملتا ہے۔ نماز کی باقاعدگی قوم کو فوجی زندگی کا سبق سکھاتی ہے۔ پیغمبر خدا کی جماعت نے جو بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں، اُن کا سب سے بڑا سبب نماز تھی۔ نماز نے خدا کے بندوں کو ایک قوم بنا دیا تھا، اُن کی روحوں کو پاک کر دیا تھا، انہیں مہذب بنا دیا تھا، اُن کے دلوں کو خدا کی محبت سے بھر دیا تھا، چونکہ یہ بہت بڑا مسئلہ تھا کہ سب انسانوں کو دغا اور ظلم و فریب سے نکال کر ایک برادری بنایا جائے اس واسطے سب انسانوں کو یہ حکم ہوا کہ سب لوگ محلہ وار دن میں پانچ مرتبہ خدا کے سامنے ہو کر یہ اقرار کیا کرو کہ اے خدا! تو ہمارا بادشاہ ہے اور ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ مختصر یہ کہ نماز کے اصلی مقاصد دو ہیں۔ ایک یہ کہ ہر انسان کا دل پوری طرح پاک ہو جائے اور دوم یہ کہ قوم میں اتفاق ہو جائے۔ یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ قرآن اس کا قائل نہیں کہ فارموں پر دستخط کرنے سے کسی پارٹی کے اندرونی اتفاق ہو سکتا ہے۔ قرآنی اصول یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز باجماعت خوف خدا اور یاد آخرت کے ذریعہ سے دلوں کو غرض اور کھوٹ سے پاک کیا جائے تاکہ وہ متحد ہونے کے قابل ہو جائیں۔

Marfat.com

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

وَ کے معنی اور۔ مِمَّا کے معنی اُس میں سے۔ رَزَقْنَا کے معنی رزق دیا ہم نے۔ رَزَقَ کے معنی رزق دیا اور نَا کے معنی ہم نے۔ هُمْ کے معنی اُن کو۔ يُنْفِقُوْنَ کے معنی وہ خرچ کرتے ہیں۔ نفق خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہوا، قرآن نے جس پرہیزگار قوم کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے، اس کی زندگی کا پہلا اصول یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور موت سے پہلی اور موت سے بعد کی پوری زندگی کے فوائد کو سامنے رکھ کر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ دوسرا اصول یہ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں تاکہ ہر شخص کی پرہیزگاری مکمل ہو جائے، روح بھی پاک ہو جائے اور قومی جتھا اور نظام بھی قائم ہو جائے اب تیسری شرط یہ بتائی کہ انہیں یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ ہم کو جو کچھ بھی خدا نے دیا ہے، ہم اس کا ایک حصہ لازمی طور پر خدا کی راہ میں خرچ کریں گے۔ خدا کے دیئے میں جان، مال اولاد، وقت، علم، عقل، صحت اور تندرستی سب چیزیں شامل ہیں۔ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ صرف اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو کچھ بھی خدا نے آپ کو دیا ہے، اس کا ایک حصہ لازمی طور پر خدا کے لئے (یعنی خدا کے بندوں پر) خرچ کریں۔ مثال کے طور پر اگر آپ وقت خرچ کر کے اپنے بیٹے کو نہلاتے ہیں تو کبھی کسی یتیم کو بھی نہلایئے۔ اگر آپ روپیہ خرچ کر کے اپنا مکان بنواتے ہیں تو یہی روپے، قرآنی اصولوں کے پھیلانے پر خرچ کیجئے۔ اگر آپ جسمانی طاقت خرچ کر کے اپنے دفتر کا کام کرتے ہیں تو وہی طاقت خرچ کر کے ظالموں کو ظلم سے بھی روکئے۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کے ایک حصے کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا اصول، بڑا ہی ضروری اصول ہے، آج انگریزوں، جرمنوں اور جاپانیوں کو جو بڑی بڑی کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں، وہ صرف اس بات کا نتیجہ ہیں کہ وہ اپنی

Marfat.com

جانوں، مالوں اور تندرستیوں کا ایک ایک حصہ، اپنی قوم کی ترقی پر خرچ کرتے ہیں مگر ہم مسلمانوں پر افسوس ہے۔ ہم یہ بات تسلیم تو کرتے ہیں کہ ہماری جان مرجائیگی۔ ہمارا مال اور اولاد موت کے بعد یہیں رہ جائیں گے مگر افسوس کہ ہم یہ جانتے ہوتے بھی یہ چیزیں سچائی کی امداد میں خرچ نہیں کرتے۔

اے خدا کے بندو! آپ کو بڑا دھوکا لگ گیا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو روپیہ آپ سچے اصولوں کی تبلیغ، غریبوں کی امداد، مظلوموں کی دستگیری، یا ظالموں کی روک تھام میں خرچ کریں گے، وہ آپ کے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ جاتا کہاں رہتا ہے؟ اس سے تو دنیا میں بھی آپ کو نفع حاصل ہوتا ہے اور موت کے بعد بھی۔ جو شخص نیک باتوں اور نیک لوگوں کی امداد اور ترقی میں اپنی جان اور مال خرچ کرتے ہیں، وہ چند ہی دنوں میں اصلی عیش و آرام اور اصلی عزت و دولت کے وارث بن جاتے ہیں مگر جو خرچ نہیں کرتے، اُن کی جانیں بھی برباد ہو جاتی ہیں، عزتیں اور دولتیں بھی۔ آپ یاد رکھیے کہ کوئی انسان، اس وقت تک خدا کا سچا غلام نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ خدا کے حکم کی خاطر اپنے جان، مال، وقت اور آرام کو قربان کرنا نہ سیکھے۔ اس دنیا میں ہر قوم کو اسکی قربانی کے مطابق درجہ مل رہا ہے۔ آپ جنگ عظیم کو دیکھیں، ہر قوم نے اپنے فائدے اور خود غرضی کے لئے لاکھوں جوان اور کروڑوں روپے لٹا دیئے۔ یورپ والوں نے اپنے خیال میں ترکوں کا جنازہ نکال دیا تھا مگر غازی مصطفےٰ کمال پاشا مرحوم نے ترکی نوجوانوں کا خون بہا کر اپنی آزادی پھر حاصل کر لی۔ آپ اس حقیقت کو کبھی مت بھولئے کہ جب تک آپ راہ خدا میں قربانی دینا نہ سیکھیں گے، آپ کو کبھی خدا کی قبولیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اے خدا! ہمیں ہمت اور طاقت دے کہ ہم حکم خدا کے مطابق اپنے جان اور مال کی قربانی دے سکیں۔

Marfat.com

شرط داخلہ قرآنی جماعت　　۱۵ متقی کون؟　شرط چہارم اتحاد وحدانیت کا عقیدہ

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ج

وَالَّذِيْنَ کے معنی جو لوگ۔ يُؤْمِنُوْنَ کے معنی ایمان لاتے۔ بِمَآ کے معنی جو کچھ۔ اُنْزِلَ کے معنی نازل کیا گیا یا اترا۔ اِلَيْكَ کے معنی تیری طرف۔ اِلٰى کے معنی طرف اور كَ کے معنی تیری۔ وَمَآ اُنْزِلَ کے معنی اور جو کچھ اترا۔ مِنْ کے معنی سے۔ قَبْلِكَ کے معنی تجھ سے پہلے قَبْل کے معنی پہلے۔ كَ کے معنی تجھ۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ جس پرہیزگار قوم کو پیدا کرنا، اور کامیاب بنانا، قرآن کے سامنے ہے، اس کی زندگی کا چوتھا اصول یہ ہوگا کہ وہ حضرت محمدؐ پر اور آپ سے پہلے تمام نبیوں اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ قرآن کی قوم کا پہلا اصول یہ بتایا گیا کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسرا اصول یہ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے میں سے ایک حصہ خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں۔ اب چوتھا اصول یہ بتایا گیا ہے کہ وہ خدا کے سب نبیوں اور سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم تمام انسانوں کا خالق اور مالک، وہی ایک خدا ہے اور اس کی بڑی بات یہی ہے کہ اس کے تمام بندے بھائی بھائی بن کر اتفاق اور محبت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ خدا نے اپنا یہی راستہ سمجھانے کے لیے ہر ایک قوم اور ملک میں نبی اور رسول بھیجے اور اسی غرض سے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ خدا کے ان تمام نبیوں نے اور خدا کی بھیجی ہوئی تمام آسمانی کتابوں نے، تمام دنیا کے انسانوں کے سامنے ہمیشہ ایک سچائی پیش کی ہے اور وہ یہ کہ سب انسانوں کا خدا ایک ہے اور سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے کی ہمدردی کے حق دار ہیں۔ اگرچہ خدا کے نبی اور کتابیں مختلف وقتوں میں آئیں اور ان کی قومیں اور ملک بھی مختلف تھے مگر ان کی تعلیم کا اصول مختلف نہیں تھا۔ وہ سب ایک خدا کی طرف سے تھے اور ایک ہی پیغام کے لانے والے تھے۔ انہوں

Marfat.com

نے جو بات بھی خدا کے بندوں سے کہی، وہ حق تھی اور خدا کی طرف سے تھی۔ لہٰذا اب قرآن اپنے تمام ماننے والوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہمیشہ یہ اصول اپنے سامنے رکھیں کہ خدا کے تمام نبی بھی حق ہیں اور اُن کی کتابیں بھی حق ہیں۔ اس اصول کو مان لینے سے آپ تمام دنیا کی قوموں اور ملکوں میں اتحاد و اتفاق کرانے کے قابل بن سکتے ہیں۔

اے بندگانِ خدا! قرآن نے دراصل آپ کو یہ اصول سمجھایا ہے کہ جس طرح خدا کے نبی ایک تھے اور آپس میں بھائی بھائی تھے، اُسی طرح اُن کی اُمتوں کی برادری بھی ایک ہونی چاہئے اور وہ اس طرح کہ کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم کے نبی اور آسمانی کتاب کو رد نہ کرے بلکہ سب قومیں اور سب ملک مل کر یہ عقیدہ رکھیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک قوم قوم اور ملک ملک میں جتنے بھی نبی آتے رہے ہیں اور جتنی بھی کتابیں اُن کو دی گئی ہیں، وہ سب حق ہیں۔ آپس کی علیحدگی مٹ جانی چاہئے اور سب لوگوں کو بھائی بھائی بن کر اس آخری ہدایت نامے کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے تمام نبیوں اور تمام کتابوں پر ایمان لانے کا اس لئے حکم دیا ہے تاکہ سب دنیا کے لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہمارا خدا بھی ایک ہے اور خدا کی ہدایت بھی ایک ہے اور خدا کی طرف سے ہدایت دینے والے بھی ایک ہیں۔ لہٰذا ان سب کو ایک خدا، ایک قانون اور پروگرام، ایک رہنمائی اور ایک انسانی برادری کے اصول کو تسلیم کر کے اس دنیا کی زندگی کو خوشی اور آرام سے بسر کرنا چاہئے۔ اے عزیزانِ اسلام! یہ کتنی قیمتی تعلیم ہے، آپ کا فرض ہے کہ آپ تمام دنیا کی قوموں کے سامنے یہ اصول پیش کریں تاکہ قومی جھگڑے اور فساد مٹ جائیں اور انسانی اتفاق کا زمانہ شروع ہو جائے اور سب انسان بھائی بھائی بن جائیں۔

Marfat.com

شرائط داخلہ قرآنی جماعت ۱۶۔ متقی کون؟ شرط پنجم ذمہ واری اعمال کا عقیدہ

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ

وَ کے معنی اور۔ بِالْاٰخِرَةِ کے معنی آخرت پر۔ بِ کے معنی پر یا ساتھ۔ (مثلاً بِالْكِتٰبِ کے معنی کتاب پر۔ بِالرَّسُوْلِ کے معنی رسول پر) هُمْ کے معنی وہ سب۔ يُوْقِنُوْنَ کے معنی یقین کرتے ہیں۔ ساری آیت کے معنی یہ ہوئے۔ وہ پرہیزگار قوم جو قرآن کی تعلیم سے پیدا ہوگی، اس کی زندگی کا پانچواں اصول یہ ہے کہ وہ موت کے بعد آنے والی زندگی پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے چار اصول بیان ہو چکے ہیں۔ اول یہ کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوم یہ کہ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں، سوم یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کے دیئے میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ چہارم یہ کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر اور قرآن سے پہلے کی تمام کتابوں اور نبیوں کو سچا تسلیم کرتے ہیں۔ اب اسی پرہیزگار قوم کی زندگی کا آخری اور پانچواں اصول یہ بتایا کہ وہ اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ انسان کو موت کے بعد جو بھی زندگی ملیگی، وہ اس دنیا کے عملوں کے مطابق ہوگی۔ قرآنی جماعت کے داخلہ کیلئے ایمان آخرت کی شرط اس لئے لگائی گئی تاکہ اس جماعت کا کوئی ممبر کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے قرآنی جماعت یا عام انسانیت میں بگاڑ، دکھ اور خرابی پیدا ہو۔

اسلام کی تعلیم میں دو باتیں بڑی ہی خاص ہیں۔ ایک ذات خداوندی پر ایمان لانا اور دوسرے یوم آخرت یعنی موت کے بعد کی زندگی پر ایمان لانا۔ اگر اسلام کی عمارت سے خدا پر ایمان لانے کا عقیدہ نکال دیا جائے تو اس کی تمام عمارت ہی گر جائے گی۔ اسی طرح اگر یوم آخرت کا عقیدہ نکال دیا جائے تو پھر بھی تمام عمارت گر جائے گی اور یہ سارا سلسلہ بے جان ہو جائے گا۔

اے ایمان والو! وہ خاص بات جس کے لئے مذہب کی ضرورت ہے، صرف یہ ہے کہ

Marfat.com

انسان کی زندگی نقطۂ موت پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جاری رہتی ہے۔ آپ چونکہ اس دنیا کی زندگی کے نقصانات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس واسطے آپ اُن سے اپنا بچاؤ بھی کر سکتے ہیں مگر موت کے بعد کی زندگی کا ہر معاملہ ایسا ہے، جسے آپ نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ عقل سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اس واسطے آپ اپنے ذاتی عقل اور قیاس سے اپنے بچاؤ کا طریقہ بھی معلوم نہیں کر سکتے ہیں۔ بس، اسی ضرورت کیلئے نبیوں سے تعلیم پانا ضروری ہے۔ آپ اپنی موت کے بعد کی زندگی کو صرف ایک ہی طریقے سے کامیاب بنا سکتے ہیں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ سمجھیں اور صرف اسی کے حکموں کی پوری طرح پیروی کریں کیونکہ ان حکموں میں آپ کے لئے دونوں جہانوں کی بھلائی کا خیال رکھا گیا ہے۔ اگر آج آپ خدا کے حکموں پر نہیں چلتے تو موت کے بعد آپ ہمیشہ نقصان میں رہیں گے۔ اس لئے کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ آپ جو بھی عمل اس دنیا میں کرتے ہیں، اس کا ایک ذرہ بھی کہیں ضائع نہیں ہوتا اور اس عمل کی پوری ذمہ داری ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ پر قائم ہو جاتی ہے۔

اے ایمان والو! یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اور موت کے بعد کی زندگی، اس دنیا کے عملوں کا پھل پانے کی جگہ ہے۔ پس جو لوگ یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اُن کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے عملوں کی ذمہ داری کا خیال کریں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے موجودہ دنیا میں بگاڑ اور مشکلات پیدا ہوں، یا موت کے بعد جس کا بُرا بدلہ ملے۔ افسوس کہ ہم لوگ زبان سے تو آخرت کا بہت نام لیتے ہیں مگر ہمارے دلوں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس دنیا میں جتنی بھی نیکیاں جمع کر سکے، جمع کر لے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں رحمت خدا کا حق دار بن جائے۔

Marfat.com

(۱۸) اہل ایمان کی کامیابی

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

تین لفظوں کے معنی یاد کرلیں۔ اُولٰٓئِكَ، هُمْ اور هِمْ تینوں کے معنی وہ سب۔ عَلٰى هُدًى کے معنی ہدایت پر۔ مِنْ رَّبِّهِمْ کے معنی اپنے خدا کی طرف سے۔ مِنْ کے معنی سے اور رَبِّهِمْ کے معنی اُن سب کا رب۔ اور مُفْلِحُونَ کے معنی کامیاب۔ ساری آیت کے معنی یہ ہوئے، یہی لوگ اپنے خدا کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ مراد حاصل کرنے والے ہیں۔

اے ایمان والو! اس آیت کے دو حصے ہیں۔ ایک أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں کی زندگی پانچ اصولوں کی پابند ہے، وہی لوگ ہدایت پر ہیں۔ آپ پہلی آیتوں میں پانچوں اصول معلوم کرچکے ہیں۔ ان میں سے تین اصول ماننے کے [illegible] اور دو کرنے کے ہیں۔ پہلا اعتقادی اصول یہ کہ آپ غیب پر ایمان لائیں اور اس دنیا اور آ[illegible] دنیا دونوں کی بھلائی کا خیال کرکے اپنا وقت گزاریں اور کسی حال میں بھی اپنی موجودہ زندگی یا خدا کی ذات کے متعلق اپنے حق اور حصے کو بھولیں۔ دوسرا اعتقاد یہ کہ آپ خدا کے تمام نبیوں اور کتابوں کی سچائی کو تسلیم کریں اور یہ سمجھیں کہ جس طرح خدا ایک ہے اسی طرح تمام دنیا کے انسانوں کے لئے راہ نجات بھی ایک ہے اور سب کے سب انسانوں کی اصل اور برادری بھی ایک ہی ہے۔ تیسرا اعتقاد یہ کہ آپ خود کو اپنے ہر عمل کا ذمہ دار سمجھیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے موجودہ یا آیندہ زندگی میں کوئی خراب نتیجہ ظاہر ہو۔ ان تین اعتقادی اصولوں کے علاوہ دو عمل ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ نماز کی حکمت کو سمجھ کر نہایت پابندی کے ساتھ نماز قائم کریں اور سب لوگ دن میں پانچ وقت خدا کے دربار میں حاضر ہو کر یہ بیان لکھائیں کہ ہم سب ایک جسم ہیں۔ دوم یہ کہ آپ کو جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے عطا فرمایا ہے، اس کا ایک حصہ لازمی طور پر دوسرے بھائیوں کی امداد میں خرچ کریں یہ
وہ پانچ اصول ہیں جن کے متعلق خدا نے ارشاد فرمایا ہے" اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ
یعنی ہدایت کی بنیاد یہی پانچ باتیں ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
یعنی جو لوگ اوپر کے پانچ اصولوں کو قائم کر کے قرآن پاک پر عمل کریں گے، وہ دونوں جہانوں
میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اے بندگان خدا! اسلام کی تاریخ سے ثابت ہے کہ اب سے ساڑھے تیرہ سو سال
پہلے بالکل ایسا ہی ہوگیا۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے قرآن پیش
فرمایا تو ہر ملک اور ہر قوم کے پچھے آدمی اور چند غریب، بے علم اور اونٹوں کو چرانے والے
بدو آپ کے ساتھ ہو گئے اور انہوں نے پچاس ہی سال کے اندر اندر آدھی دنیا کو ظلم سے
پاک کر کے کروڑوں انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھادی۔ افسوس ہے کہ آج کروڑوں انسان
اور سب سے زیادہ خود مسلمان اب اسی راہ ہدایت سے غافل ہو گئے ہیں۔ ہمارا دعویٰ تو یہ
ہے کہ ہم قرآن کو سچا مانتے ہیں حالانکہ جو کچھ بھی قرآن میں لکھا ہوا ہے، اس کا ہم کو کچھ بھی
علم نہیں ہے۔ جب ہم قرآن کو جانتے ہی نہیں تو ہم سچا کس کو مانتے ہیں؟

اے ایمان والو! اگر آپ دنیا اور آخرت میں پھر بامراد ہونا چاہتے ہیں تو آپ کا پہلا
فرض یہ ہے کہ آپ قرآن کے اصولوں کا علم حاصل کریں اور پھر ان اصولوں پر عمل کریں۔
اس کے بعد آپ میں وہ شان پیدا ہوگی کہ تمام انسان آپ کی عزت کریں گے۔ یہ اللہ کا
وعدہ ہے۔ اس وقت بہت سے مسلمان پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ الٰہی کیوں پورا نہیں ہوتا؟
اس لئے کہ تم فرمان الٰہی کو پورا نہیں کرتے۔ دیکھو جس قرآن نے چند شتر بانوں کو تاجدار بنا دیا
اگر تم ہم کروڑ مسلمان اس پر عمل کرو تو تم کیوں کامیاب نہ ہوگے؟ مختصر بات یہ ہے، شرط
ایمان پوری کردو اور ورثہ اسلام حاصل کرلو۔

Marfat.com

۱۹- کافر کون؟

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَ اَنْذَرْتَ ھُمْ اَمْ لَمْ
بے شک جنہوں نے انکار کیا برابر ہے اُن پر خواہ ڈراوے تو اُن کو یا نہ
تُنْذِرْھُمْ، ڈراوے اُن کو۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

عزیزان اسلام! آپ آیتوں کی پوری ترتیب سمجھ لیں۔ سب سے پہلے بسم اللہ، یہ قرآن کا موضوع ہے۔ پھر سورہ فاتحہ، یہ دیباچہ ہے۔ پھر قرآن کی حیثیت بتائی ہے، ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ یعنی ایسی کتاب جو بغیر شک کے ہو۔ پھر قرآن کا مقصد بتایا ہے، ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی ایسے لوگوں کے لئے ہدایت جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیں۔ اس کے بعد یہ ذکر شروع ہوا ہے کہ قرآن کے اُترنے سے دنیا تین گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے گی۔ ایک گروہ قرآن کو مانے گا اور وہ کامیاب ہو گا۔ دوسرا گروہ قرآن ماننے سے صاف انکار کرے گا اور وہ دنیا اور آخرت میں ناکام رہیگا، تیسرا گروہ دورنگی پالیسی اختیار کرے گا اور ذلیل کیا جائیگا۔ اب سے پہلے جو آئتیں آپ نے پڑھی ہیں، اُن میں سرسری طور پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ پرہیزگار لوگ پانچ شرطیں مان کر قرآنی جماعت بن جائیں گے اور کامیابی حاصل کرینگے۔ ممبروں کے بعد اب آج کی آیت سے غیر ممبروں کا ذکر شروع ہوا ہے، پہلے اُن کا ذکر ہو گا جنہوں نے قرآن ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے اور اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہو گا جو دورنگی برتیں گے۔

عزیزان اسلام! آج کی آیت کا مطلب یہ ہے، جن لوگوں نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے۔ اے نبی! انہیں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ رسول خدا کے دل میں یہ بڑی تڑپ تھی کہ سب لوگ صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ مانیں اور اُسی کے حکم کے مطابق سچائی کی زندگی بسر کریں۔ لیکن وہ ظالم انسان جو خود بادشاہ بنے ہوتے تھے یا وہ غلام یا جاہل عوام جو اُن کے جال میں پھنس چکے تھے، اس اصول کو کیسے مان سکتے

Marfat.com

ہیں؟ مثال اس کی یوں سمجھئے، ابھی ہمارے زمانے میں جرمنی کے ہٹلر کی طرف سے پولینڈ ناروے اور فرانس وغیرہ پر حملہ کر دیا گیا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ہٹلر کو سمجھا بجھا کر واپس پھیر دیتا ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ پیغمبر خدا کے زمانہ میں بھی کفار کی حالت بھی یہی تھی، انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم لوگوں پر اپنی حکومت قائم رکھیں گے اور انہیں ہرگز اجازت نہیں دینگے کہ وہ ہمارا حکم نہ مانیں اور خدا کا حکم مانیں۔ خدا کہتا ہے کہ اب اُن کے اس اعلان جنگ کے بعد انہیں آپ کا ڈرانا اور سمجھانا بے کار ہے، اب تو انہیں طاقت سے مجبور کرنا پڑے گا کہ وہ خدا کے بندوں کو آزاد کر دیں۔

اے بندگان خدا! مومن، کافر اور منافق کے الفاظ سے آج دنیا میں بڑی غلطی لگ گئی ہے، اب یہ سمجھا جاتا ہے، جو شخص مسلمانوں کے گھر پیدا ہو، وہ مومن اور مسلمان ہے اور جو عیسائیوں کے گھر پیدا ہو، وہ عیسائی ہے۔ اس وقت ہم لوگوں نے اپنے مذہب کو بالکل ذات اور نسل بنالیا ہے، حالانکہ قرآن کا بالکل یہ مطلب نہیں ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو شخص گورنر کے گھر پیدا ہو، وہ بھی گورنر ہے۔ جس طرح گورنری عہدہ ہے اور ذات نہیں ہے۔ اسی طرح مسلمان، کافر اور منافق بھی عہدے ہیں، یہ کسی کی ذات نہیں ہیں۔ قرآن کے نزدیک مسلمان وہ ہے جو صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ سمجھے اور اس کے قانون کے سوا کسی دوسرے قانون کا غلام نہ ہو۔ کافر وہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو بادشاہ ماننے اور اسکے قانون کا غلام ہو اور منافق وہ ہے جو زبان سے تو یہ کہے کہ میں خدا کو بادشاہ مانتا ہوں مگر عملی طور پر دوسروں کے قانون کی غلامی کرے، اسلام کسی شخص کی ذات اور نسل کا نام نہیں ہے، اگر آپ صحیح معنوں میں مسلمان بننا چاہتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ آپ صرف ایک خدا کی رعیت بن جائیں اور قرآن کے اصولوں کو اپنی زندگی کا قانون بنالیں، نسلی کافر اور نسلی مسلمان، ہماری من گھڑت باتیں ہیں۔ خدا کے ہاں مسلمان وہ ہے جس کے عمل اسلام کے مطابق ہوں۔

Marfat.com

۱۴۔ انجام انکار و بغاوت

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ
مہر کردی اللہ نے اوپر دلوں اُن کے اور اوپر کانوں اُن کے اور اوپر آنکھوں اُن کے
غِشَاوَةٌ پردہ۔ وَّلَهُمْ اور واسطے اُن کے۔ عَذَابٌ عَظِيْمٌ عذاب بڑا۔ مطلب یہ ہے
اللہ نے کافروں کے دلوں اور کانوں پر مہر کردی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کیلئے بہت عذاب ہوگا۔ دلوں پر مہر سے یہ مراد ہے کہ وہ سچائی کے سب نشان دیکھتے ہیں مگر ذرا اثر نہیں لیتے۔ کانوں پر پردہ کا یہ مطلب ہے کہ وہ سچ باتیں سنتے ہیں مگر قبول نہیں کرتے۔ آنکھوں پر پردہ کا مطلب یہ کہ وہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود سچائی کی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

عزیزان اسلام! تمام انسان شرک اور ظلم کی مصیبتوں سے تڑپ رہے تھے کہ پیغمبر خدا تشریف لاتے اور آپ نے خلق خدا کو قرآن کے حکموں پر چلنے کی دعوت دی۔ اس پر بعض لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے اور ایمانداری کے ساتھ قرآن کے حکموں پر چلنے لگے اور بعض لوگوں نے کھلم کھلا انکار کردیا اور صاف کہہ دیا ہے کہ ہم خدا کے کسی حکم کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، ان لوگوں نے نہ یہ سوچا کہ سچ بات کیا ہے؟ نہ یہ سوچا کہ مخلوق خدا کا فائدہ کس بات میں ہے! نہ یہ سوچا کہ قرآن کی تعلیم کتنی اچھی اور مبارک ہے! وہ صرف ضد، ہٹ دھرمی، دھڑہ بندی، خود غرضی اور غرور کے پیچھے لگ گئے اور یہ کہہ دیا کہ نہ خود ایک خدا کو بادشاہ مانیں گے، نہ خلق خدا کو حکم خدا ماننے دیں گے، نہ ماننے دیں گے۔ یہ باغی جماعت اپنی ضد، دشمنی اور دھڑہ بندی میں اس قدر غرق ہوئی کہ اس نے قرآنی جماعت کو مٹانے کیلئے اپنی جان، مال اور اولاد تک کی بازی لگادی۔ اوپر کی آیت میں انہی لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کی بداعمالی کے باعث ان کی انسانی حالت ہی اب مسخ کردی گئی ہے اور ان کے دل و دماغ اور آنکھیں کان، بالکل حیوان کے دل و دماغ اور آنکھیں کان بن چکے

Marfat.com

ہیں۔ یہ اس طرح کہ ہمارے قانون میں ہر غلطی کے لئے ایک قطعی سزا مقرر ہے، اگر کوئی شخص آگ میں کود جائے تو ہم اسے جلا دیتے ہیں۔ اگر زہر کھا جائے تو ہم اسے ہلاک کر دیتے ہیں اسی طرح جب کوئی شخص یا پارٹی روحانی اور قومی جرم کرتی ہے تو انہیں بھی ہماری طرف سے ویسی ہی مقررہ قومی اور روحانی سزائیں مل جاتی ہیں۔ مثلاً جو شخص یا جماعت خود غرضی نفسانیت، ضد اور دھڑہ بندی کا شکار ہو جائے تو ہم اسے دو سزائیں دیتے ہیں اول یہ کہ ان کی عقل فنا ہو جاتی ہے، کان بند ہو جاتے ہیں اور آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ دنیا اور آخرت میں مصیبتیں بھگتتے ہیں۔

عزیزان اسلام! اوپر کی آیت کے متعلق کئی لوگوں نے کئی قسم کی بیکار بحثیں شروع کر دی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب خدا نے کافروں کے دلوں پر مہر کر دی تو پھر ان کا کیا گناہ ہے؟ حالانکہ اصل واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے، اس آیت میں تو ذکر ہی ان لوگوں کا ہے جنہوں نے قرآن کو سننے اور سمجھنے کے بعد اپنی خود پرستی، ضد، نفسانیت اور دھڑہ بندی سے اندھے ہو کر خود یہ کہہ دیا ہے کہ ہم خدا، رسول اور قرآن کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اب اگر جلتے ہوئے تنور میں کودنے سے کسی شخص کا جسم جل جاتا ہے تو یہ لوگ نفسانیت اور دھڑہ بندی کی بھٹی میں خود ہی کود رہے ہیں، ان کی عقل، دماغ، آنکھیں اور کان کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ کافروں نے خود خدا کے قانون کو ماننے سے انکار کر دیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کے دل، کان اور آنکھیں سب اندھی ہو گئی ہیں اور انہیں دنیا اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہو گا۔

عزیزان اسلام! سچائی سے انکار کرنے کی یہ سزا صرف مکہ کے کافروں تک ہی محدود نہیں، خدا تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں دونوں کے الگ الگ نشان بیان کر دیئے ہیں جس شخص پر جیسی نشانیاں صادق آئیں، وہ اپنے آپ کو اسی جماعت میں سمجھے۔

Marfat.com

منافق کی پہلی نشانی ۱۲۔ **منافق** زبانی جمع خرچ

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

اور بعض لوگ جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر

وَمَا اور نہیں، ھُمْ وہ لوگ، بِمُؤْمِنِیْنَ مومنوں میں۔ نَاس کے معنی لوگ یَقُوْلُ کے معنی کہتے ہیں۔ مَا، لَا یا لَمْ کے معنی نہیں، اٰمَنَّا میں نَا کے معنی ہم۔

عزیزان اسلام! بتایا یہ جارہا ہے کہ قرآن کے اترنے کا لوگوں پر اثر کیا ہوگا۔ پہلے بتایا کہ بعض لوگ نیک نیتی سے قرآن کے حکم کو مانیں گے اور کامیاب ہوں گے۔ پھر بتایا کہ بعض لوگ صاف انکار کریں گے اور ناکام ہوں گے۔ اب آج کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوں گے جو زبان سے کہیں گے، ہم نے خدا اور یوم آخرت کو مانا مگر دل سے وہ ماننے والے نہیں ہوں گے۔

اے صاحبان ایمان! جب پیغمبر اسلام نے لوگوں کو خدا کے قانون کی اطاعت کیلئے فرمایا تو بہت سے لوگوں نے جو اپنے آپ کو بڑا سیاسی مدبر، چالاک اور پالیسی باز سمجھتے تھے زبان سے یہ کہا کہ ہم خدا اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں مگر اپنے دل میں مخالفت پر جمے رہے۔ ان لوگوں نے سوچا یہ کہ اگر مسلمان کامیاب ہو گئے تو ہم کہیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ تھے لیکن اگر ناکام ہوتے تو ہم کافروں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو تہ دل سے تمہارے ساتھ تھے۔ چونکہ یہ جماعت تمام دنیا کے سچوں اور ایمانداروں کے لئے بڑی ہی خطرناک رہی ہے، اس واسطے سارے قرآن میں بڑی تشریح کے ساتھ ان کا پردہ کھولا گیا ہے اور ابھی اسی رکوع میں ایمانداروں کا ذکر چار آیتوں میں ہے۔ کافروں کا ذکر صرف دو آیتوں میں ختم کیا گیا ہے مگر اب منافقوں کا بیان تیرہ آیتوں میں ختم ہوگا۔ اوپر کی آیت میں منافق آدمی کی پہلی نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ زبان سے جمع خرچ کرنا خوب جانتا

Marfat.com

ہے، جب آپ اُن سے ملیں گے، وہ فی الفور یہ کہدیں گے، "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ" ہم اللہ پر ایمان لاتے۔ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ ہم آخرت پر ایمان لاتے، ہم سچے مومن ہیں، ہم تمہارے بھائی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب ان کا زبانی جمع خرچ ہے کہ ایماندار لوگ کبھی اس قسم کے باتونی سبز باغ دکھانے والے لوگوں سے دھوکا نہ کھائیں۔

اے بندگانِ خدا! قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ منافق لوگ، کافروں سے بہت زیادہ بدتر ہیں۔ کافر لوگ، کھلے ہوئے باغی ہیں اور صاف کہہ دیتے ہیں، ہم خدا کے قانون پر نہیں چلتے۔ مگر یہ منافق لوگ، خدا کے بندوں اور ایمانداروں کے چھپے دشمن ہوتے ہیں۔ یہ بغلی سانپ ہیں۔ یہ دوستوں کے لباس میں آتے ہیں اور زبانی جمع خرچ کر کے ایماندار لوگوں کے دلوں میں گھس جاتے ہیں اور پھر چھپا کر اندر ہی اندر سے کافروں وغیرہ سے مل کر انسانی یا اسلامی حقوق کو ذبح کر ڈالتے ہیں۔ آپ ان سے بچئے۔

عزیزانِ اسلام! اس وقت دنیا میں اگر اعتقادی نہیں تو عملی منافق بہت موجود ہیں۔ رسول اللہ کے زمانے کے منافق تو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ مگر اب وہ ہر جگہ چھائے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ مسلمان کہلاتے ہیں مگر خدا کے قانون کی ذرا اطاعت نہیں کرتے، نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ روزہ رکھتے ہیں، بلکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے احکام شرعی کا خوب مذاق اڑاتے ہیں اور ان سب حرکتوں کے باوجود مسلمانوں کے جلسوں، جمعیتوں اور انجمنوں کے چوہدری بھی بنے ہوتے ہیں۔ جلسوں کے اندر مسلمانوں سے بڑی ہمدردی ظاہر کرتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں مگر دراصل نماز، روزہ وغیرہ پر ان کا کچھ بھی عقیدہ نہیں ہے۔ اگر آپ ان کے زبانی جمع خرچ کا ان لوگوں کے اندرونی فعلوں سے مقابلہ کریں تو آپ کو ان کا نفاق صاف نظر آ جائیگا، انہیں قرآن کی روشنی میں پہچان کر ان سے بچنا چاہئے۔

Marfat.com

منافق کی دوسری نشانی ۳۲۔ منافق ایمانداروں سے دھوکا

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يُخْدَعُوْنَ

وہ دھوکا دیتے ہیں اللہ کو اور اُن کو جو ایمان لائے اور نہیں دھوکا دیتے

اِلَّآ مگر۔ اَنْفُسَهُمْ اپنے نفسوں کو۔ وَمَا اور نہیں۔ يَشْعُرُوْنَ، وہ سمجھتے۔

خدع کے معنی دھوکا۔ يُخٰدِعُوْنَ کے معنی وہ دھوکا دیتے ہیں۔ شعور سمجھنے کو کہتے ہیں۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ کے معنی وہ نہیں سمجھتے، مَا کے معنی نہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے، منافق آدمی کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کو اور ایمانداروں کو دھوکا دیں، لیکن دراصل وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں، اور اُن کو اس بات کی سمجھ نہیں ہوتی۔ اس آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو مگر وہ سچوں کا روپ دھار کر پبلک کو دھوکا دے، وہ دراصل پبلک کو نہیں بلکہ خود اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے، اس لئے کہ اس کی فریب کاری کسی نہ کسی وقت کھل جاتی ہے اور اس کے بعد کوئی شخص اس کا اعتبار نہیں کرتا۔

عزیزان اسلام! پیغمبر اسلام کے زمانے میں ایک پارٹی تھی، یہ لوگ ظاہر یہ کرتے تھے کہ ہم خدا کو اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں اور اسی کے قانون پر چلتے ہیں، یہ لوگ نمازیں بھی پڑھتے تھے روزے بھی رکھتے تھے، لیکن دراصل ان کا مقصد پبلک کو دھوکا دینا ہوتا تھا، یہ لوگ مسلمانوں کے اندر داخل ہو کر اور مسلمانوں کے دوست بن کر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا کرتے تھے اور کافروں کی امداد کیا کرتے تھے۔ اوپر کی آیت میں انہی لوگوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ خدا کو یا ایمان دار لوگوں کو دھوکا نہیں دیتے، اصل میں اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور یہ خود ہی ذلیل ہو جائیں گے۔

اے صاحبانِ ایمان! آپ پوچھیں گے کہ جب منافق لوگ سچوں کا لباس پہن لیتے

Marfat.com

ہیں تو پھر اُن کی پہچان کیا ہو؟ آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ایک منافق اور ایک ایماندار میں اصل فرق دونوں کی نیت کا ہے۔ ایماندار شخص اس ظاہری دنیا میں جو کچھ بھی کرتا ہے، خدا کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے مگر منافق آدمی اگرچہ کام تو وہی کرتا ہے مگر کرتا اپنی غرض، شان شیخی اور مفاد کے لئے ہے۔ منافق کی پہچان یہ ہے کہ آپ اسے ہر وقت اپنی غرض کے پیچھے دوڑ لگاتے ہوئے دیکھیں گے۔ جب اسے غرض ہوگی تو وہ نمازیں پڑھے گا، روزے رکھے گا، کانفرنسیں اور جلسے کرے گا، مضمون چھاپے گا، تقریریں کرے گا، چندے دیگا۔ آپ کا دوست بھائی اور خیر خواہ بن جائیگا مگر ان کاموں کو وہ اپنا قومی اور اسلامی فرض سمجھ کر نہیں کرے گا بلکہ صرف اُسی وقت کرے گا جبکہ اُس کی غرض آپڑے مگر ایک ایماندار آدمی یہ سب باتیں ہمیشہ کرے گا، ہمیشہ کرتا رہیگا، خواہ مطلب نکلنے کا وقت ہو یا نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ ان کاموں کو خدائی فرض سمجھتا ہے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں کو دھوکا دیں، ان کے متعلق آپ یہی سمجھیں کہ ان کے اندر ایمان نہیں ہے۔ اگر خدا اور آخرت پران کا ایمان ہوتا تو وہ بڑی آسانی سے یہ سمجھ لیتے کہ خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہم جو دوسروں کو دھوکا دے رہے ہیں، وہ در اصل اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ عزیزان اسلام! اوپر کی آیت میں خدا نے بندوں سے فریب کرنے کو خود خدا سے فریب کرنے کے برابر قرار دیا ہے تاکہ منافقین کو معلوم ہو سکے کہ دھوکا دینا کتنا جرم ہے۔ تالمود میں لکھا ہے کہ "جو شخص منافقت برتتا ہے، وہ دنیا پر غضب لاتا ہے۔ اُس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور جنینے ابھی رحم مادر میں ہیں، وہ بھی اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس کی جگہ جہنم میں ہے۔" متی کی انجیل میں منافقوں کے متعلق کہا گیا ہے "تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور نجاستوں سے بھری ہوئی ہیں۔" دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ہم کو منافقت کے اس مہلک مرض سے محفوظ رکھے۔

Marfat.com

۲۳۔ منافق

منافق کی تیسری نشانی — ہر وقت خود غرضی

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ
بیچ دلوں انکے بیماری ہے پس زیادہ کردی ان کو اللہ نے بیماری اور واسطے انکے
عَذَابٌ اَلِیْمٌ عذاب دردناک۔ بِمَا وجہ یہ کہ۔ کَانُوْا تھے وہ۔ یَکْذِبُوْنَ جھوٹ کہتے

عزیزان اسلام! کل کی آیت میں بتایا گیا کہ خدا کے بندوں کو دھوکا دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا خود خدا کو دھوکا دیا اس کے علاوہ دھوکا دینے کا اصل نقصان بھی خود دھوکا دینے والے ہی کو پہنچتا ہے۔ آپ پوچھیں گے کہ پھر یہ منافق لوگ کیوں دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں اور اپنا نقصان کرتے ہیں؟ آج کی آیت میں خدا تعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیا ہے ارشاد ہوتا ہے، فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یعنی ایسے کام کرنے والوں کے دل میں حسد اور جلن کی بیماری ہوتی ہے۔ چونکہ یہ اپنی بزدلانہ پالیسی، دورنگی چالوں اور منافقانہ سیاسیات کے بھروسے پر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ایمانداروں کی قوت کو توڑ دیں گے اس واسطے جتنی زیادہ ایمان والوں کو ترقی ہوتی ہے، اتنا ہی ان کا حسد اور جلن بڑھتے جاتے ہیں اور اس کا آخری نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ یعنی آخر یہ لوگ دردناک عذاب کی چکی میں پیس دیئے جاتے ہیں۔

اے ایمان والو! آپ کو معلوم ہے کہ نبی ہونے کے بعد پیغمبر خدا ۱۳ برس تک مکے میں رہے، یہاں ایمانداروں کا مقابلہ صرف اُن لوگوں سے تھا، جنہوں نے کھلم کھلا یہ کہہ دیا تھا کہ ہم خدا کو بادشاہ نہیں مانتے اور نہ ہم خدا کے قانون پر چلیں گے۔ مکے کے بعد نبی خدا اور آپ کے ساتھی، مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے، یہاں پہنچتے ہی ایمانداروں کی طاقت قائم ہو گئی، اس واسطے یہاں کے سرداروں نے جو قرآنی جماعت کے آنے سے پہلے مدینہ کے لیڈر سمجھے جاتے تھے اور جو سالہا سال یہودیوں کے ساتھ رہنے کے سبب

Marfat.com

اپنے آپ کو بڑا ہی ہوشیار اور چالاک سمجھتے تھے، منافقت کا لباس پہن لیا اور یہ کوشش شروع کر دی کہ مدینہ میں ایمانداری کے اصول جاری نہ ہوں۔ مکہ کے کافر بھی ان اصولوں کو مٹانا چاہتے تھے، انکاری وہ بھی تھے اور یہ بھی۔ مگر مکہ والوں نے دلیری کے ساتھ اپنی دشمنی اور عناد کو ظاہر کر دیا تھا اور مدینہ میں چونکہ پہلے ہی دن قرآنی اصولوں پر چلنے والوں کی قوت قائم ہو گئی تھی اس واسطے مدینہ کے کفار نے دورنگی پالیسی اختیار کر لی۔ انہیں اصل دکھ یہ تھا کہ قرآنی اصولوں کے پرچار نے مدینہ میں اُن کی لیڈری ختم کر دی تھی، اپنی سرداری اور اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے مدینہ کے "سر اور راؤ بہادر" ظاہرا طور پر مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے لیکن در پردہ یہودیوں اور مکہ کے کافروں کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور صرف اپنی خود غرضی، نفسانیت اور لیڈری کی خاطر خدا ورسولؐ سے جلتے تھے اوپر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے ان کے اسی حسد اور جلن کا ذکر فرمایا ہے جو آگ کی طرح ان کے دلوں کو لگی ہوئی تھی۔ جب منافقین مدینہ یہ دیکھتے تھے کہ مکہ کے ایماندار لوگ ہماری بجائے پبلک لیڈر بنے ہوئے ہیں تو جل بھجکر کوئلہ ہو جاتے ہیں۔ ایماندار پارٹی کو جس قدر کامیابی ہوتی تھی، خود غرض سردار اور شریر پارٹی کے لوگ اسی قدر زیادہ جلتے تھے اور ان کے دل کی بیماری زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آج کی آیت میں خدا تعالیٰ نے منافقوں کی قسمت کا فیصلہ بیان کر دیا ہے۔ وہ فیصلہ یہ ہے کہ منافقت ایک ایسی بیماری ہے جس کا دکھ کبھی کم نہیں ہوتا اور آخری نتیجہ اس کا منافق کی بربادی ہے۔ منافق کی پہلی نشانی یہ بتائی کہ وہ زبانی جمع خرچ بہت کرتا ہے اور دوسری نشانی یہ بتائی کہ وہ جابجا پھرتا ہے اور سب لوگوں کو دھوکا دیتا پھرتا ہے۔ آج یہ بتایا کہ اُس کے دل میں خود غرضی کا، لیڈر بننے کا اور حسد و عناد کا روگ بھی چھپا ہوتا ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر ہر انسان کو حسد، فریب اور خود غرضی کے روگ سے بچائے اور ایماندار بننے کی توفیق دے۔

Marfat.com

منافق کی چوتھی نشانی ۲۴۔ منافق اصلاح کی آڑ لینا

وَ اِذَا قِیْلَ لَ هُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا

اور جب کہا جائے واسطے اُن کے نہ تم فساد کرو اندر زمین کہتے ہیں یقیناً

نَحْنُ ہم۔ مُصْلِحُوْنَ اصلاح کرنے والے۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ دنیا میں فسادات پھیلاؤ، تو آگے سے یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو امن قائم کر رہے ہیں۔

اے ایمان والو! اس آیت میں منافقین کی اس بدترین چال کا پردہ کھولا گیا ہے جس سے دنیا بھر کی ایماندار جماعتوں کو ہمیشہ بہت بڑا نقصان پہنچتا رہتا ہے اور عموماً نیک اور شریف لوگ ہمیشہ نقصان اٹھانے کے باوجود اس چال سے ضرور دھوکا کھا جاتے ہیں۔ آج کی آیت میں خداوند پاک نے منافقوں کے اس آخری ہتھیار کو بھی بالکل چور چور کر دیا ہے۔ اے ایمان والو! آپ کو معلوم ہے کہ منافقوں کا اصلی مطلب صرف ایک ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نیک و شریف اور صاف دل لوگوں میں نفاق اور فساد کی آگ بھڑکا کر اپنا اُلّو سیدھا کریں۔ اس معاملہ میں ان کی سب سے بڑی نامرادی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اصلاح، امن، آزادی، اتفاق وغیرہ کا نام لے کر لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ آپ آج کی حالت دیکھیے، ہمارے کئی بھائی جب ممبری اور عہدوں کے لئے غیر طاقتوں کے پاس قوم فروشی کے لئے جانا چاہتے ہیں، تو وہ سب سے پہلے خود قوم پروری یا اسلام پرستی کا لباس پہن لیتے ہیں اور ساتھ ہی قومی یا ملکی حقوق کی حفاظت کے لئے بہت ہی لمبے چوڑے دعوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم پبلک یا مسلمانوں کے دلی خیر خواہ ہیں، ہم ملک یا اسلام کی قوت اور ترقی کے لئے مرے جا رہے ہیں، ہم دشمنان اسلام کی شرارتوں کا پتہ لگانے کے لئے اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے غیر طاقتوں سے

Marfat.com

ملتے ہیں اور ان سے مل کر مسلمانوں کا فائدہ کراتے ہیں لیکن اصل بات یہ نہیں ہے۔ اصل بات صرف یہ ہے کہ یہ نفاق پرور لوگ اپنی غرض کے بندے ہوتے ہیں، انہیں اسلام یا ملک سے کچھ بھی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ لوگ صرف اپنی غرض کے لئے قابو یافتہ قوموں کے غلام بن جاتے ہیں، ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں، اُن کی مرضی کے مطابق قانون بھی بنواتے ہیں، پروپیگنڈا بھی کرتے ہیں، چندے بھی دیتے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی گردنیں بھی کٹواتے ہیں۔ سچی اور پکی بات صرف اتنی ہے کہ ان لوگوں کی یہ سب فساد انگیزیاں صرف اپنی خود غرضی اور مطلب براری کے لئے ہوتی ہیں مگر قوم میں پہنچ کر یہ لوگ ہمیشہ یہ بیان کرتے کرتے ہیں کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں، قوم کے فائدے کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ لوگ نام تو رکھتے ہیں اتحاد و اتفاق کا، قومی حقوق کی حفاظت کا اور اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا۔ مگر کام یہ کرتے ہیں اسلام کو مٹانے کا۔ دشمنان اسلام کی سلطنتوں کو مضبوط کرنے کا غریب مسلمانوں کے حقوق کو بیچنے اور اپنا الو سیدھا کرنے کا۔ نبی خدا کے زمانہ میں بھی یہی ہوتا تھا۔ جس وقت لیڈران نفاق سے یہ کہا جاتا، لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ اے خدا کے بندو! تم کیوں قوم اور ملک میں فساد پھیلاتے ہو تو وہ فوراً کانوں پہ ہاتھ رکھ دیتے تھے اور بڑے ہی عابد، زاہد، قوم پرور اور اسلام پرست اور محافظ حقوق بن کر اپنی صفائیاں پیش کرتے تھے اور کہتے تھے، اے دوستو! توبہ کرو، اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ، ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خدا کہتا ہے، ایسے ہی لوگ پبلک مفاد اور ایماندار لوگوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ اے ایمان والو! آپ ہندوستان کو دیکھئے، یہاں ملک کے ہر گوشے میں منافقت کا وہی کھیل کھیلا جا رہا ہے جو پیغمبر اسلام کے ساتھ مدینہ میں کھیلا گیا۔ ہزاروں لوگ قوم، ملک، اسلام، امن کے نام پر اپنی اپنی غرضیں پوری کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس اُمت کو منافقت کے فتنے سے بچائے۔

Marfat.com

منافق کی پانچویں نشانی ۲۵۔ منافق ہر ایماندار سے شرارت

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ

سنو بے شک وہ ہی فسادی ہیں لیکن نہیں وہ سمجھتے

پہلی آیت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ منافقوں کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں جب قومی حقوق کو بیچنا ہو تو وہ محافظ حقوق کا چولا پہنتے ہیں۔ جب ملک میں فساد کرانا ہو تو وہ اتفاق و اتحاد کی وعظیں کرتے ہیں۔ جب کسی نیک تحریک کو مٹانا ہو تو وہ خیر خواہ بن کر اس کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ جب کسی شریف آدمی کو خراب کرنا ہو تو اس کے ہمدرد بن کر اسے الٹے مشورے دینے لگتے ہیں۔ پہلے زمانے میں صرف اشخاص منافق ہوتے تھے مگر اب پوری کی پوری قومیں منافق ہیں اور ساری دنیا میں شرارت پھیلا رہی ہیں اور دنیا میں جہاں بھی آپ دیکھیں، فساد پھیلانے کے سوا اُن کا کوئی کام نہیں ہے، کہیں ہندو مسلمانوں میں فساد کہیں عربوں اور یہودیوں میں فساد، کہیں ترکوں اور ارمنوں میں فساد، کہیں امان اللہ خاں اور بچہ سقہ میں فساد، لیکن اس کے باوجود کہتے وہ یہ ہیں، اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ، ہم تو امن اور اصلاح کرنے والے ہیں۔ آیت کہتی ہے، اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ، اے لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ یہ اصلی فسادی ہیں اور اپنی غرض پرستی کے باعث انہیں اپنی ذلت، جھوٹ کمینگی اور بے ضمیری معلوم نہیں ہوتی۔

عزیزان اسلام! آپ یہ دیکھئے کہ منافقین مدینہ، جماعت اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا کیا چالیں کرتے تھے۔ یہ لوگ ظاہراً طور پر مسلمانوں میں ملے ہوتے تھے مگر کفر کی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے کفار مکہ اور یہود مدینہ کو بھی بڑی عزت اور خاطرداری سے ملتے۔ اُن کی طاقت کو بڑھا چڑھا کر دکھاتے، اُن کے کاموں کی ہمت افزائی کرتے، انہیں شہ دینے کیلئے مسلمانوں کی طاقت کا ذکر حقارت کے ساتھ کرتے، اسلامی فتوحات کو چھوٹا کر کے دکھاتے اور

Marfat.com

غریب مسلمانوں سے دل شکنی کا سلوک کرتے۔ دشمنانِ اسلام میں رسول اللہ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے اور انہیں یہ یقین دلاتے کہ ہماری طرح مدینہ کے بے شمار لوگ دلی طور پر تمہارے ساتھ ہیں، تم جب بھی حملہ کروگے تو سب لوگ مل کر مسلمانوں کو مدینہ سے نکال باہر کرینگے۔ یہ لوگ مسلمان بن کر مسلمانوں سے خبریں نکالتے اور کفار تک پہنچاتے۔ اِدھر کی باتیں اُدھر لے جاتے اور اُدھر کی باتیں اِدھر لے آتے اور اس طرح فریقین کی دشمنی کو ہر وقت تازہ رکھتے۔ اگر مسلمانوں میں کوئی معمولی بدمزگی یا کمزوری ہوجاتی تو یہ لوگ اُسے خوب اُچھالتے اور بھڑکاتے۔ رسول خدا پر الزام لگانے سے بھی نہ چوکتے، کبھی دفعہ ملکی اور غیر ملکی یا حسب نسب کی بڑائی کا سوال پیدا کرکے مسلمانوں میں نااتفاقی کرا دیتے۔ یہود مدینہ اور کفار مکہ کی سازشوں میں برابر شریک رہتے۔ مگر جب کبھی یہ باتیں ظاہر ہوجاتیں تو یہ بدبخت اُسی وقت بالکل صاف مکر جاتے تھے، بہانے کرنے لگتے تھے، قسمیں کھا جاتے تھے، اپنی باتوں کی تاویلیں کرنے لگتے تھے اور اپنی صفائی پیش کرکے مسلمانوں کو یقین دلاتے تھے کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، ہم تو جو کچھ بھی کررہے ہیں بس اسلام ہی کے لئے کر رہے ہیں۔ اے ایمان دارو! دیکھو! آج ہندوستان اور دنیائے اسلام میں ہر جگہ منافقین مدینہ ہی کی تاریخ دہرائی جارہی ہے۔ آج ہر جگہ ہم خود اپنی قوم کی جاسوسی کرتے ہیں، غیروں کو خبریں پہنچاتے ہیں۔ غیروں کی طرف سے خود صفائی دیتے ہیں، کفار کو فوجی بھرتی دیتے ہیں۔ غیروں کا آلہ کار بن کر اپنوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ آپ خدا کے لئے ایسے لوگوں سے بچ جایئے۔ پھر آپ کو کبھی شکست نہیں ہوگی۔ آپ کبھی اس کی پروانہ کیا کریں کہ آپ تھوڑے اور غریب ہیں، آپ کی جماعت ایک جسم اور ایک دل ہونی چاہیے، آپ کی جماعت میں جس قدر کم منافق ہوں گے، آپ کی کامیابی اسی قدر زیادہ یقینی ہوجائے گی۔

Marfat.com

منافق کی چھٹی نشانی ۲۶۔ منافق ہر بات میں عذر مصلحت

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا
اور جب کہا جائے واسطے اُن کے ایمان لاؤ جیسے ایمان لاتے لوگ کہیں گے
اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
کیا ہم ایمان لائیں جیسے ایمان لائے بے وقوف سنو بیشک وہ وہی ہیں
السُّفَهَآءُ بے وقوف۔ وَلٰكِنْ مگر۔ لَّا یَعْلَمُوْنَ وہ نہیں جانتے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں نیا لفظ "سُفَهَآءُ" ہے جس کے معنی ہیں بیوقوف یا کم رتبہ اور عامی آدمی۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے، جب عرب کے منافقوں یا لوڈیوں سے کہا جاتا کہ تم کیوں نڈر ہو کر اور کھلے بندوں صرف خدا کو بادشاہ نہیں مانتے۔ جس طرح کہ عام پبلک۔ اسی کو بادشاہ مان رہی ہے اور یک رنگ ہو کر ظاہر و باطن میں اس کے قانون پر چل رہی ہے تو یہ منافق لوگ بڑے ہی معتبر بن کر اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اسے بھائی! ہماری مشکلات اور ہیں، ہماری پوزیشن اور ہے، ہماری مصلحتیں دوسری ہیں، ہم کو سب گردو نواح کے حالات پر نظر رکھنا پڑتی ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو خود اسلام کو نقصان پہنچ جائیگا، اس واسطے ہم عامی اور غیر ذمہ دار لوگوں کی طرح اسلام کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟ ہم تو آہستہ آہستہ کام کریں گے، ہم اسلام کے سب کام درست کر دینگے مگر قاعدے اور ترتیب کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اسے ایماندارو! اچھی طرح سن لو کہ یہ لوگ جو صاف ایمانداری کی راہ پر چلنے کے بارے میں پوزیشن، حالات، مشکلات اور مجبوریوں کے بہانے پیش کر دیتے ہیں اور یک رنگ ایمان والوں کو بیوقوف اور اپنے آپ کو عقلمند اور پالیسی کا مالک سمجھتے ہیں تو یہ خود ہی اصلی اور پکے بیوقوف ہیں اس لئے کہ عقلمند تو وہی ہو سکتا ہے جو ایک دھڑے میں شامل ہو اور دو کشتیوں میں پاؤں رکھے

اے ایمان والو! ہر زمانے کے منافق ایسی ہی بناوٹی اور رنگدار باتیں کیا کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ ہماری چالوں کو سمجھتے نہیں ہیں، اس واسطے وہ اُن منطقی دلیلوں اور فرضی مصلحتوں پر جنہیں ہم پبلک یا اسلامی کاموں میں مردانہ وار شامل نہ ہونے کے جواز میں پیش کرتے ہیں، ضرور یقین لے آئیں گے اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ بھی ہماری بنی رہے گی اور غیر طاقتیں بھی ہمارے خلاف نہیں ہوں گی اور ہم دونوں طرف سے اپنے ذاتی فوائد برابر حاصل کرتے رہیں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ بس یہی بات ان منافق لوگوں کی بیوقوفی اور کمینگی کی دلیل ہے، انہیں اتنی بھی سمجھ نہیں آتی کہ یہ دورخی چالوں سے، دونوں جماعتوں کو کب تک خوش رکھ سکتے ہیں؟ ان کی دوسری بیوقوفی یہ ہے کہ یہ کام تو بزدلی اور خود غرضی کے کرتے ہیں اور قربانی سے دور بھاگتے ہیں مگر سمجھتے یہ ہیں کہ چونکہ عام لوگ ہماری چالوں کو نہیں سمجھتے، اس واسطے اُن کے لیڈر بھی بنے رہیں گے، قربانی بھی نہیں کرینگے اور پبلک اور گورنمنٹ دونوں سے فائدے بھی حاصل کرتے رہیں گے۔ اے ایمان والو! اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا کے دین اور انسانوں کی بھلائی کو جتنا نقصان منافقوں سے پہنچا ہے، کسی اور طریقے سے نہیں پہنچا۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں ایماندار لوگوں کو ڈانواڈول کرنے والے بھی یہی منافق لوگ تھے۔ پھر حضرت صدیق اکبر کے زمانے میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، وہ بھی یہی منافق تھے۔ پھر عہد عثمانی میں خلیفہ رسول کو شہید کرانے کے ذمہ دار بھی یہی تھے۔ پھر انہی ٹوڈیوں نے زمانہ یزید میں امام حسینؓ کو شہید کرایا۔ پھر انہی ٹوڈیوں نے یورپین قوموں کے آلۂ کار بن کر ترکی اور عرب کو برباد کیا اور اب بھی وہ دنیا کے کتے جو پیٹ کے لیے ظالم طاقتوں کے غلام بنے ہوتے ہیں، جو خدا کے قانون کی بجائے غیر سلطنتوں کے قانون کی حفاظت اور خیر خواہی کرتے ہیں، یہ زبان سے خدا کو بادشاہ سمجھتے ہیں لیکن دراصل انہوں نے انسانوں کو خدا اور بادشاہ بنا رکھا ہے

Marfat.com

۲۷۔ منافق

منافق کی ساتویں نشانی — دورنگی اور حیلہ پروری

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا

اور جب ملتے ہیں اُن سے جو ایمان لائے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتے ہیں

اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ

پاس اپنے شیطانوں کے کہتے ہیں ہم ساتھ تمہارے صرف ہم مذاق کرتے ہیں

عزیزانِ اسلام! آیت کا مطلب یہ ہے۔ جب منافق لوگ ایمانداروں سے ملتے تھے تو کہتے تھے، ہم نے بھی صرف خدا کو بادشاہ مان لیا ہے۔ مگر جب خدائی قانون کے باغیوں کے پاس جاتے تھے تو وہاں اپنی صفائی پیش کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں ایمانداروں کو تو ہم یونہی بے وقوف بنا رہے ہیں۔ اس آیت میں منافقوں کی تین نشانیاں اور بتائی گئی ہیں۔ اول یہ کہ وہ دونوں طرف مار کرتے ہیں، جس مجلس میں جاتے ہیں، اُسی کی ہمنوائی کرنے لگتے ہیں۔ دوم یہ کہ بزدل ہوتے ہیں، بے ضمیر ہوتے ہیں، بے اصول ہوتے ہیں، ابھی کچھ کہتے ہیں اور ابھی کچھ اور کہنے لگتے ہیں۔ سوم یہ کہ صفائی پیش کرنا خوب جانتے ہیں اور حیلے بہانے بھی خوب گھڑ لیتے ہیں، کہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو مخالف پارٹی کو صرف بہکاتے تھے، کہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کا دل معلوم کرنے کے لئے ان کی موافقت کی تھی۔ کہیں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا اُن کے متعلق ذرا سا کام پھنسا ہوا تھا۔ یہ عادتیں عرب کے منافقوں کی تھیں مگر افسوس کہ اب یہ ساری عادتیں مسلمانوں میں گھر کر رہی ہیں۔ انگریز، کانگرس، لیگ کے معاملات اور الیکشنوں اور کمیٹیوں کے جھگڑوں میں بے شمار مسلمانوں نے منافق بن کر کام نکالنے کو ہنر سمجھ لیا ہے۔ ایک طرف تو ہم پبلک میں کھڑے ہو کر تقریریں کرتے ہیں اور دوسری طرف خبر دینے کے لئے غیروں کے پاس بھی پہنچ جاتے ہیں۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر انسان کو دورنگی اور حیلہ بازی سے بچائے۔

Marfat.com

۲۸- انجام نفاق

اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَ یَمُدُّ ھُمْ فِیْ طُغْیَانِ ھِمْ
اللہ ہنسی کرتا ہے ساتھ اُن کے اور ڈھیل دیتا ہے اُن کو اندر سرکشی اُنکی
یَعْمَھُوْنَ، وہ بھٹکتے ہیں۔ استہزاء کے معنی ٹھٹھا۔ مدّ بڑھنے کو کہتے ہیں۔ طغیان کے معنی سرکشی۔ یَعْمَھُوْنَ کے معنی، وہ بھٹکتے ہیں۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ منافق لوگوں کی چالاکیوں کا آخری انجام کیا ہوتا ہے؟ آپ یاد رکھیئے کہ اس دنیا کی ہر بات کے لیے خدا کی طرف سے ایک بدلہ مقرر ہے مثلاً جو شخص آگ میں کود ے گا، جل جائیگا۔ جو شخص محنت کرے گا، پھل پائیگا۔ جو شخص یا قوم، خدا کے احکام پر نہ چلے گی، زندگی میں اور موت کے بعد نقصان اٹھائیگی خدا کے اس قانون کا نام، قانون مکافات ہے۔ مکافات کے معنی ہیں بدلہ۔ اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کا جیسا عمل ہوتا ہے، ویسا ہی اس کو بدلہ دیا جاتا ہے۔ ابھی کسی پچھلے سبق میں آپ نے پڑھا تھا کہ جو لوگ ضد، دشمنی اور دھڑہ بندی کے باعث سچی بات کے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، اُن کی عقلیں، آنکھ اور کان سب مردہ ہو جاتے ہیں، اس کے بعد پھر منافقوں کے متعلق کہا گیا کہ ان کے دلوں میں کفر، عناد، حسد اور جلن کی بیماری ہے، لہٰذا ان کی سزا بھی یہی ہے کہ ایمانداروں کی ترقی کے ساتھ ساتھ اُن کی یہ بیماری روز بروز بڑھتی چلی جاتی گی اور وہ ہر وقت کوئلوں پر پڑے تڑپتے رہیں گے پھر کل کے سبق میں یہ کہا گیا تھا کہ منافق لوگ جب مومنوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے صرف خدا کو بادشاہ مانا ہے مگر جب دشمنان اسلام کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہاری راستے پر چلیں گے۔ ہم تو ایمانداروں کو یونہی بیوقوف بناتے تھے۔ اب آج کی آیت میں اُن کے جرموں کی تین سزائیں بتائی گئیں۔ اول یہ کہ ڈوڈی لوگ جو خدائی قانون پر

چلنے والوں کے ساتھ ہنسی کرتے ہیں تو اس کے بدلے میں اُن پر بھی ضرور جگ ہنسائی ہوگی "خدا اُن سے ہنسی کرتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ خدا اُن کو ہنسی کا بدلہ یہ دیگا کہ اس دنیا میں بھی اُن کی ہنسی ہوگی اور قیامت میں بھی۔ دوم یہ کہ خدا اُن کو مہلت اور ڈھیل دیگا اور اس طرح ہنسی ہنسی میں اُن کی سرکشی بڑھتی چلی جائے گی اور یہی بگاڑ زیادہ ہو کر آخر میں ان کو تباہ کردے گا۔ سوم یہ کہ آخر کار وہ چاروں طرف بھٹکتے پھریں گے انہیں کبھی پناہ نہیں ملیگی۔ یعنی قرآن پر عمل کرنے والے فتح مند ہو جائیں گے، قرآن پر نہ چلنے والے مغلوب ہو جائیں گے اور اُس وقت یہ منافق لوگ نہ گھر کے رہیں گے اور نہ گھاٹ کے۔ "یَعْمَهُوْنَ" کا مطلب یہ ہے کہ اُس وقت ڈانواں ڈول منافقوں کو کچھ سجھائی نہ دے گا کہ وہ کیا کریں؟ اور اُن کی یہ حالت دیکھکر اُن کی عقل پر ساری دنیا ہنسی اڑائے گی۔ زبور باب ۵۹ کی ۸ ویں آیت یہ ہے "تو اے خدا، اُن پر ہنسے گا، تو ساری قوموں کو مسخرہ بنا دے گا" اسی طرح امثال باب ۱ کی ۲۶ ویں آیت یہ ہے "ازبسکہ میں نے بلایا، پر تم نے نہ مانا، میں نے اپنا ہاتھ لمبا کیا، پر کوئی متوجہ نہ ہوا تو میں بھی تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا اور جب تم پر دہشت طاری ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا" یہاں اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا نام اسلام ہے، وہ نفاق کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ لوگ یک رنگ ہوں مگر منافقت دورنگی چاہتی ہے۔ اسلام دلیری کے ساتھ صاف صاف کام کرنے کا نام ہے، مگر منافق بزدل ہوتا ہے اور چھپ چھپ کر کام کرتا ہے۔ اسلام سچائی کے ساتھ چلتا ہے مگر منافق پالیسی باز، مکار اور مصلحت پرست ہوتا ہے۔ اسلام سر بسر امن اور قربانی ہے مگر منافقت سر سے قدم تک فساد اور دنیا پرستی اور خود غرضی ہے۔ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ہر انسان کو منافقت سے بچائے اور اپنے بندوں کو منافقوں کی شرارتوں سے محفوظ رکھے اور اپنے قانون پر چلنے کی طاقت دے۔

Marfat.com

۲۹- انجامِ نفاق

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡھُدٰی فَمَا رَبِحَتۡ

یہی ہیں جنہوں نے خریدی گمراہی بدلے ہدایت کے پس نہ پھل لائی

تِّجَارَتُھُمۡ، اُن کی تجارت۔ وَمَا، اور نہ۔ کَانُوۡا، وہ ہوئے۔ مُھۡتَدِیۡنَ منزل پر پہنچنے والے

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں ٹوڈیوں اور منافقوں کو جھوٹے سوداگروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ منافق لوگ اپنے آپ کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوب چلتے پرزے ہیں یا بازی ہیں، ہم قرآن پر چلنے والوں کے بھی خوب لیڈر بنے رہتے ہیں اور قرآن پر نہ چلنے والوں سے بھی خوب میل ملاپ رکھتے ہیں اس واسطے ہماری پوزیشن اور مفاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا؟ اگر خدا کے دین یا قانون پر چلنے والے جیتے تو پھر بھی ہم لیڈر ہوں گے اور اگر خدائی قانون کے نافرمانوں کی فتح ہوئی تو وہ بھی ہمیں کو عزت اور سرداری دیں گے مگر خدا کہتا ہے کہ منافقوں کی یہ تمام راہِ کہانی غلط ہے۔ اگر یہ صرف ایک خدا کے بادشاہ ہونے کا اعلان کرتے تو یک لخت یہ سب انسانوں کی غلامی سے چھوٹ جاتے، ہدایت پاتے اور دنیا و آخرت میں آزاد ہو جاتے۔ مگر یہ ایسا نہیں کر سکے۔ یہ ہدایت کی جنس بیچ رہے ہیں اور گمراہی کا مال خرید رہے ہیں۔ پھر ایسی تجارت سے ان کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟ ہدایت سے مراد، صرف ایک خدا کو بادشاہ ماننا اور پختہ ہو کر اسی کے قانون پر چلنا گمراہی سے مراد ہے، انسانوں کو بادشاہ سمجھنا اور ان کے احکام کی پابندی کرنا۔ جو لوگ خدا کی جگہ اپنے جیسے انسانوں کے غلام ہوں، اُن کے متعلق خدا کا فیصلہ یہ ہے "وَمَا کَانُوۡا مُھۡتَدِیۡنَ" یہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ منافق لوگ بھی کفار کی طرح مسلمانوں سے شکست کھائیں، وہاں منافقوں کی یہ ضروری نشانی بھی بیان کی گئی ہے

Marfat.com

کہ یہ پست ہمت لوگ زندگی کے نیک اعمال اور اعلیٰ مقاصد کو تو ضائع کر دیتے ہیں مگر بری چیزوں کے خریدار بنے رہتے ہیں۔ افسوس کہ اس ظاہر داری اور ٹیپ ٹاپ کے بازار میں، یہ نقصان دینے والی تجارت بھی اب ہم لوگوں میں بہت زیادہ پھیل رہی ہے۔ ہماری نظر میں نیکی کی، سچائی کی، عبادت کی، خلوص کی، راستبازی کی اور علم و ہنر کی کوئی قدر باقی نہیں رہی۔ مگر جلسوں کی، تقریروں کی، ریاکاری اور نمائش کی، ٹی پارٹی کی، خطابات کی، غیروں کی عزت اور قبولیت کی بہت زیادہ قدر اور مانگ ہے۔ قرآن نے انسانوں کو سچائی، صاف گوئی اور خلوص نیت کا سبق دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ہمارا ظاہر و باطن ایک ہونا چاہیئے۔ مگر افسوس کہ ہم نے یہ قرآنی سبق تو بھلا دیا مگر اپنی گوری اور کالی سرکار سے ایک نئی قسم کا سبق سیکھ لیا۔ وہ سبق یہ ہے کہ ہمارے دل میں کچھ اور ہے اور زبان پر کچھ اور ہے۔ ہم ایمان کو بیچ رہے ہیں اور خطابوں اور ممبریوں کو خرید رہے ہیں اور آہ کہ ہم نے قرآن کی اعلیٰ ترین تعلیم کو غیروں کی خوشنودی کے لئے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اے ایمان والو! اچھی طرح سمجھو، اسی چیز کا نام منافقت ہے اور یہی معنی ہیں "اَلَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی" کے۔ اے کاش کہ اب بھی ہماری حالت درست ہو جائے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک بھائی کو اسلام کا خلوص عطا فرمائے اور منافقت کی لعنت سے محفوظ رکھے اور ہم خود غرضی کی ذلت سے بچے رہیں۔ ایمان بیچنا، ضمیر کی آواز کو دبانا، جھوٹ کو جھوٹ سمجھنا اور پھر بھی خود غرضی کے لئے اس کی تائید کرنا یہ سب منافقت کے کام ہیں۔

اے خدا کے بندو! جو لوگ مردار دنیا کے لئے سچے اصولوں کو چھوڑ رہے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی کمائی ہوئی دنیا تو یہیں پڑی رہیگی مگر ایمان فروشی اور بے اصولی کا عذاب اُن سے کبھی دور نہیں ہوگا۔ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔

Marfat.com

۳۰۔ منافق

منافقوں کی مثال — **اندھے کے ہاتھ میں لیمپ**

مَثَلُ هُمْ كَ مَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَ لَمَّآ اَضَاءَتْ
مثال اُنکی ایسی مثال کسی شخص نے بھڑکائی آگ پس جب روشن ہوگیا
مَا حَوْلَ هٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِ نُوْرِهِمْ وَ تَرَكَ هُمْ فِي ظُلُمٰتٍ
جو تھا، گرد اُسکا لے گیا خدا ساتھ نوراُن کا اور چھوڑا اُن کو اندھیرے میں
لَّا يُبْصِرُوْنَ وہ کچھ نہیں دیکھتے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں منافقوں کی حالت ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھائی گئی ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ منافقوں کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے آگ جلائی، جب اس آگ سے سب اردگرد کی چیزیں روشن ہوگئیں تو خدا نے اُسی وقت منافقوں کو اندھا کردیا، اب وہ ہمیشہ کے لئے اندھیرے میں پڑے ہوتے ہیں اور انہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ یہ مثال قرآن کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے۔ ایک منافق شخص یا گروہ کی زندگی کی جتنی بھی حالتیں ہوسکتی ہیں، یہ مثال اُن سب پر پوری اُترتی ہے ہم مثال کے طور پر چند حالتیں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کا نور روشن کیا جس سے انسانی زندگی کے سب مسائل روشن ہوگئے اور سب آس پاس کے لوگ نور اسلام سے فائدہ اٹھانے لگے مگر منافق پارٹی جو ایمان نہیں لائی تھی، اندھی ہوگئی۔ اس واسطے اُن کی حالت یہ تھی کہ اگرچہ نورِ قرآن سے دنیا روشن تھی مگر یہ اندھیرے ہی میں پڑے ہوئے تھے۔

۲۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا جھنڈا اُٹھایا، اسلام ہر طرف پھیل گیا اور اسلام کی کامیابی سے سب اردگرد کے لوگ قسم قسم کے فائدے حاصل کرنے لگے مگر منافقوں نے تو صرف ایک خدا کو بادشاہ ہی نہیں مانا تھا۔ اس واسطے ایماندار لوگ

Marfat.com

تو فائدے اٹھا رہے ہیں اور یہ منافق ہمیشہ کے لئے ذلت کے غاروں میں پڑے ہوئے ہیں اور انہیں کچھ نظر نہیں آتا کہ اب کیا کریں؟

۳۔ منافقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مسلمانوں اور کافروں کو بھڑکا کر ان میں جنگ و جدل کی آگ روشن کرے تاکہ ایمانداروں کو شکست دلوا کر دوبارہ خود لیڈر بن جائے۔ لیکن جب وقت آیا تو ایمانداروں کو فتح ہو گئی۔ اور اب یہ منافق لوگ مایوسی اور ناکامی کے اندھیرے میں گرے پڑے ہیں اور انہیں اپنا کوئی انجام نظر نہیں آتا۔

۴۔ یہی مثال منافقین یورپ پر بھی ٹھیک آتی ہے۔ ان لوگوں نے علم اور سائنس کی ایسی ایسی بجلیاں جلائیں کہ ان سے ساری دنیا روشن ہو گئی، اب اہل مغرب کا ظاہر تو خوب روشن ہے مگر چونکہ باطن کا نور بجھا ہوا ہے۔ اس واسطے اب وہاں کسی شخص کو نہیں سوجھتا کہ ہم اپنی سیاسی اور اقتصادی گتھیوں کو کس طرح سلجھائیں؟ جنگ کے بعد جنگ ہو رہی ہے مگر معاملہ کا صحیح حل پھر بھی نہیں ہوتا۔ اس مثال کا مقصود یہ ہے کہ چونکہ منافق لوگ صرف وقتی اور ظاہری فائدوں پر نظر رکھتے ہیں اور اصل اور حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، اس واسطے وہ ہمیشہ ایسے شخص کی طرح زندہ رہیں گے جس کے ہاتھ میں لیمپ تو ہو مگر آنکھیں اس کی اندھی ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ اندھا آدمی لیمپ سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ چونکہ منافقین کا دل، خلوص ایمان اور راستبازی سے محروم ہے، اس واسطے منافقت، دو رنگی، فریب کاری اور حیلہ پروری کا لیمپ انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ وہ یہاں بھی اندھے ہیں اور آخرت میں بھی اندھے رہیں گے، ان کی صرف آنکھیں روشن ہیں مگر دل اندھا ہے، اس واسطے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

منافقوں کی مثال ۳۱- منافق غرض پرستی کا نتیجہ

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ

بہرے گونگے اندھے (ہیں) پس وہ نہیں لوٹیں گے

اس آیت میں پھر منافقوں کا ذکر ہے۔ یہ لوگ اسلام سے پہلے اپنا حکم چلاتے تھے اور غریبوں سے حیوانات کی طرح خدمتیں لیتے تھے اور انہیں لوٹ کر خود عیش کرتے تھے مگر اسلام نے لوگوں سے یہ کہدیا، بس آئندہ صرف ایک خدا کا حکم مانو۔ اس اعلان سے قوم کے اندر جتنے بھی جابر اور سردار تھے ان کا حکم ٹوٹ گیا اور امیر و غریب سب آپس میں برابر ہو گئے۔ یہ انقلاب ان لوگوں کو بہت برا معلوم ہوا۔ اس واسطے یہ ایک عجیب چال کھیلے، یہ ظاہرا طور پر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے اور در پردہ کافروں سے مل کر اسلام کو مٹانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ مسلمانوں سے یہ اس لئے ملے تاکہ عام لوگ جو مسلمان ہو گئے تھے، ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائیں اور اگر اسلام کی فتح ہو تو وہ فائدہ اٹھا سکیں۔ کفار کے ساتھ یہ اس لئے تھے تاکہ انہیں شہ دے کر اُن کے ہاتھوں اسلام کو برباد کرادیں اور خود اسلام سے ٹکرا کر نقصان اُٹھانے سے بچے رہیں۔ اگرچہ یہ دلی طور پر کفر کے حامی تھے مگر کافروں کے ساتھ بھی جنگ میں شامل ہو کر کوئی نقصان اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اسی طرح یہ ظاہرا طور پر اسلام کے حامی تھے مگر اسلام کی جنگوں میں اسلام کے ساتھ شامل ہو کر بھی نقصان نہیں اٹھاتے تھے۔ یا یوں کہیئے کہ یہ لوگ کفر اور اسلام دونوں کی حمایت کے مدعی تھے مگر اُسی حد تک کہ خود اُن کے ذاتی فائدوں کو نقصان نہ پہنچے۔ آج کی آیت میں ان غرض پرست منافقوں کی حالت ایک عجیب مثال کے ذریعہ سے ظاہر کی گئی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ خود غرض لوگ غرض پرستی کی سڑک پر آخر کار اس طرح چلنے لگتے ہیں جس طرح کوئی اندھا، بہرہ اور گونگا آدمی کسی غلط راستے پر چلا جا رہا ہو۔ چونکہ یہ اندھا ہے اس واسطے خود راستہ نہیں دیکھ

Marfat.com

سکتا۔ چونکہ یہ بہرا ہے اس واسطے کسی راستہ بتانے والے کی آواز بھی نہیں سنتا۔ چونکہ یہ گونگا ہے اس واسطے یہ پوچھ بھی نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ غرض پرستوں اور منافقوں کی حالت بھی ہمیشہ ایسی ہی ہے، یہ لوگ نہ تو خود حق کو دیکھتے ہیں، نہ کسی دوسرے سے حق کا راستہ پوچھتے ہیں اور نہ ہادیانِ حق کی مخلصانہ صداؤں کو سنتے ہیں، وہ اغراض کے پیچھے بالکل اندھے، بہرے اور گونگے بن جاتے ہیں، ایسے لوگ کبھی درست نہیں ہو سکتے

منافقوں کی مثال ۳۲۔ منافق نفاق کی اندرونی مشکلات

١٩- اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ

یا جیسے بارش ہو آسمان سے، بیچ اُسکے اندھیرا اور کڑک اور بجلی ہو

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ

وہ ڈالتے ہیں انگلیاں اپنی، درمیان کانوں کے اپنے، بسبب کڑک کے، ڈر سے موت کے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اِن منافقوں کی مثال ایسی ہے، جیسے آسمان سے بادل برسے اور بارش میں اندھیرا، بجلی اور کڑک بھی ہو۔ بارش سے تو یہ منافق لوگ خوش ہو جاتے ہیں مگر جب بارش کے اندر اندھیرا، بجلی اور کڑک کو بھی ملا ہوا دیکھتے ہیں تو پھر خوف مرگ کے مارے یہ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور خود اسلام ہی سے بھاگ جاتے ہیں، اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے، وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی اِن بھاگنے والوں کو اتنا بھی خیال نہیں آتا کہ یہ موت کے خوف سے بھاگ ہی کہاں سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو خود کافروں کو گھیر رہا ہے

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں منافقوں کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے اور خدا تعالیٰ نے بارش کی مثال دے کر اُن کی کیفیت سمجھائی ہے۔ بارش سے مراد اسلام ہے۔ جس طرح بارش میں سب کیلئے بھلائی ہے، غلہ پیدا ہوتا ہے، دریا چلتے ہیں، کنوؤں اور نہروں میں پانی آتا ہے، اسی طرح اسلام میں بھی تمام انسانوں کی بھلائی ہے۔ اِس سے خدا کی پہچان ہوتی ہے

Marfat.com

انسانوں میں محبت بڑھتی ہے، علم و اخلاق کے چشمے بہتے ہیں، عدل اور انصاف کی نہریں جاری ہیں اور انسان کی ذاتی اور جماعتی زندگی کی کھیتیاں اور چمن ہرے بھرے ہو جاتے ہیں پس جس طرح کوئی شخص نفسِ بارش کا دشمن نہیں ہو سکتا، اسی طرح کوئی صاحب عقل نفسِ اسلام کا بھی دشمن نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی ایک رکاوٹ موجود ہے۔ جس طرح بارش کے اندر بجلی، کڑک اور اندھیرا ملا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح اسلام کے اندر بھی جہاد، ہجرت، امتحان مصیبتیں، قربانیاں اور تکلیفیں ملی ہوئی ہیں۔ پس منافق لوگ، اسلام کے فائدوں کو سمجھنے کے بعد جب اسلام کے اندر آ کر یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں آرام چھوڑنا ہوگا، مال لٹانا ہوگا خون بہانا ہوگا، اولاد کٹانی ہوگی تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال کر اور توبہ کرتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں۔ پس یہ لوگ دراصل اسلام کی دشمنوں اور اسلام کے فائدوں سے نہیں بھاگتے بلکہ اسلام کے امتحانوں سے بھاگتے ہیں۔ اے ایمان والو! یہ آیت بڑی سبق آموز ہے خدا تعالیٰ نے اس آیت میں منافق کی زندگی کی روح نکال کر رکھ دی ہے۔ منافق چونکہ کم عقل نہیں بلکہ مصلحت پرست ہوتا ہے اس واسطے اتنا تو وہ ضرور سمجھتا ہے کہ حق، حق ہے اور دنیا کا اصل فائدہ حق ہی کی پیروی میں ہے مگر اس کے باوجود وہ حق کا ساتھ نہیں دیتا تو صرف اس لئے کہ وہ حق کے امتحانوں اور قربانیوں سے ڈرتا ہے۔ آج ہمارے زمانہ کے منافقوں اور ٹوڈیوں کا حال بھی یہی ہے۔ وہ حق کے فائدوں کو خوب سمجھتے ہیں مگر حق کی قربانیاں دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ یہ بات تو بڑا سمجھتے ہیں کہ بادشاہی اچھی، ملکی آزادی اچھی، حقوق اسلام اچھے، مگر اس کے باوجود بھی جو غیر طاقتوں کے غلام بنے ہوتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جب وہ راہ حق میں قربانی، قید، جیل آرامی، جلاوطنی اور قتل کے بادل کو کڑکتا اور گرجتا ہوا دیکھتے ہیں تو فوراً ہی اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال کر بھاگ جاتے ہیں دیکھو، ایسے ہی لوگ ہماری بے بسی اور ذلت کے ذمہ دار ہیں۔

Marfat.com

۳۳۔ انجام نفاق ناکامی

وَ اللّٰہُ مُحِیۡطٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ ○

اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو

اگرچہ منافق لوگ، ایمانداروں کے ساتھ مل گئے تھے اور ظاہرا طور پر انہوں نے خدائی حکموں پر چلنا شروع کر دیا تھا، پھر بھی اس آیت میں انہیں کافر کہا گیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اصل چیز انسان کا عقیدہ اور نیت ہے۔ جب تک کسی شخص کے عقائد اور نیت اور ایمان درست نہ ہو، صرف ایمانداروں جیسی شکل بنا لینے سے یا مسجد میں جانے اور نمازیں پڑھنے سے کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ منافق لوگ۔ خواہ کس قدر بھی حیلہ سازیاں کریں، اب وہ خدا کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکتے یہ آیت ایک قسم کی پیشگوئی ہے۔

اے ایمان والو! یہاں یہ بات پھر اچھی طرح سمجھ لو کہ مومن، کافر اور منافق، کسی قوم یا نسل کا نام نہیں بلکہ یہ عہدوں کے نام ہیں۔ ایک شخص ہندو کے گھر پیدا ہو اور وہ صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ مان کر صرف اسی کے حکموں کے مطابق عمل کرنا شروع کر دے تو وہ ہندو نہیں بلکہ مسلمان سمجھا جائیگا۔ ایک شخص مسلمان کے گھر پیدا ہو اور وہ کسی انسان کو بادشاہ سمجھ کر اسکے حکموں کی اطاعت شروع کر دے تو وہ کافر ہو گا، منافق وہ ہے جو زبان سے تو یہ کہے کہ میں نے صرف خدا کو بادشاہ مانا اور عمل سے ما سوا کے قانون کی اطاعت کرے۔ موجودہ زمانے کے فرنگی بھی منافقوں میں شامل ہیں۔ جس طرح منافقین مدینہ، مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر طرح طرح کی چالوں، پالیسیوں، فریبوں، قسموں اور عہد ناموں سے مسلمانوں کی جڑ کاٹنے کے درپے تھے، اسی طرح یورپ کے مدبر بھی تمام مشرقیوں اور ہم لوگوں کے خیر خواہ بن کر اندر ہی اندر سب کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ خدا ہر انسان کو ان کے فریبوں سے بچائے۔

Marfat.com

۳۴۔ بجلی والے منافق

۲۰۔ یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ کُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ
قریب ہے بجلی اچک لے آنکھیں اُنکی جب کبھی چمکتی ہے واسطے اُنکے
مَّشَوْا فِیْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ط
چلتے ہیں اُس میں اور جب اندھیرا ہوا اوپر اُن کے کھڑے ہوجاتے ہیں

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ منافق لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب ذرا بجلی چمکتی ہے تو وہ چند قدم چل لیتے ہیں، جب بجلی نہیں چمکتی تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور قریب ہے کہ یہی بجلی اُن کی آنکھوں کو اُچک لے جائے۔ یہ آیت یورپ کے گورے منافقوں کی زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ منافق کی اصل حقیقت صرف ایک چیز ہے۔ "اُس کا ظاہر نہایت ہی خوبصورت ہوتا ہے مگر اس کا اندر بہت کھوٹا اور خوفناک ہوتا ہے"۔ تہذیب یورپ۔ تہذیب فرنگ کا حال بھی بالکل یہی ہے۔ اس کا ظاہر تو بارش کی خوبصورت اور چھوٹی چھوٹی بوندوں کی طرح نہایت بھلا لگتا ہے مگر اس کے اندر ہزارہا قسم کے اندھیرے، ہزارہا قسم کی مہلک بجلیاں اور ہزارہا قسم کے خوفناک اور گرج دار آوازیں بھری ہوئی ہیں، جب یورپ والے اپنی ظاہری چمک دمک کو دیکھتے ہیں تو پھولے نہیں سماتے، مگر جب اپنی تہذیب کی اندرونی خرابیوں، سیاسی اندھیروں، موت کی بجلیوں اور جنگ کی کڑک کو دیکھتے ہیں تو موت کے ڈر سے اپنی اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے ہیں، اب خدا تعالیٰ کے قانون عدل نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اس واسطے اب وہ کہیں نکل کر جا نہیں سکتے، اُن کی موت یقینی ہے اُن کی اندرونی دھڑہ بندیوں، نااتفاقیوں اور سیاسی اُلجھنوں، اُن کے کارخانوں، مزدوروں، قرضوں اور عہدناموں اُن کی عورتوں اور حرامی بچوں وغیرہ، مشکلات کا یہ حال ہے کہ وہ ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتے، اگر کبھی تھوڑی بہت امید کی بجلی چمکتی ہے اور کوئی راستہ کھلتا

Marfat.com

ہے۔ تو یہ لوگ کانفرنسیں کرنے لگ جاتے ہیں مگر جب یہ روشنی اوجھل ہو جاتی ہے تو پھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

اگرچہ بارش کی طرح تہذیب مغرب کا ظاہر، شان و شوکت سے بھرا ہوا ہے، مگر اس کے اندر تاریکی، جنگ اور موت کی خوفناکی کے سوا اور کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ اہل یورپ ایک اندھیرے سے نکلتے ہیں اور دوسرے اندھیرے میں پھر پھنس جاتے ہیں۔ ذرا اُمید کی بجلی چمکتی ہے تو صلح کی کانفرنسیں شروع ہو جاتی ہیں مگر وہیں بیٹھے بیٹھے ایسی مشکل پیش آ جاتی ہے کہ توپیں گرجنے لگ جاتی ہیں۔ یورپ میں جنگ کے بعد جنگ ہو رہی ہے مگر وہاں کی زندگی اور امن کا سوال پھر بھی حل نہیں ہوتا۔ اسلام کا پیغام یہ ہے کہ سب لوگ صرف ایک خدا کو بادشاہ مان کر اس کے مقررہ قانون پر چلو اور اپنا ظاہر اور باطن ایک رکھو، جب تک دنیا میں اس پالیسی پر عمل نہیں کیا جائیگا، نوع انسان کی مصیبتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:- (۳۵)

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَ ذَهَبَ بِسَمْعِ هِمْ وَ اَبْصَارِ هِمْ

اور اگر چاہتا اللہ ضرور لے جاتا کان اُن کے اور آنکھیں اُن کی

اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ۔ عَلٰی اوپر۔ كُلِّ تمام۔ شَیْءٍ چیز کے۔ قَدِیْرٌ قادر ہے۔

مطلب یہ کہ مغربی منافقوں یا مشرقی ٹوڈیوں کی چالوں، حیلوں، بہانہ سازیوں اور پروپیگنڈوں کی پرواہ نہ کرو۔ یہ بات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کہ وہ ان کے کانوں کو ختم کر دیگا۔ اس واسطے وہ کوئی بھلائی کی بات نہیں سن سکیں گے اور نہ مانیں گے، وہ ان کی آنکھوں کو ختم کر دیگا اس واسطے ان کو کوئی نجات کا راستہ نظر نہیں آئیگا۔ ان کی ظاہری طاقتیں بجلیاں اور تیاریاں تو موجود ہونگی مگر ان کی آنکھیں، کان اور دوسری قابلیتیں ختم ہو جائینگی اس واسطے وہ خود ہی لڑ کر فنا ہو جائیں گے[1]

[1] اللہ ہر چیز پر قادر ہے، مطلب یہ کہ وہ انہیں ان کی منافقت کی سزا ضرور دے گا۔

Marfat.com

دوسری بحث

(۱) عام انسانوں کو اسلام کی دعوت (۲) صداقت قرآن کی بحث (۳) انسان کا درجہ اور اُسکے حصول کا طریق

اب تک قرآن کے ۲۰ جملے پورے ہوتے۔ اب ۲۱ ویں آیت سے نئی بحث شروع ہوگی تمام پہلے بیانات پر ایک نظر ڈالنی چاہیے۔

کتاب کا نام قرآن جس کے معنی ہیں وہ کتاب جو زیادہ پڑھی جائے، بسم اللہ الرحمن الرحیم، وہ موضوع یا عنوان ہے جس پر تمام قرآن میں بحث کی گئی ہے۔ الحمد، سات جملوں میں پورے قرآن کا دیباچہ ہے۔ سورۃ بقرہ سے قرآن کی تفصیل بحث شروع ہوتی ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی حیثیت کیا ہے؟ ایک یقینی کتاب۔ پھر نزول قرآن کا مقصد بتایا گیا ہے، ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ پرہیزگاری کے اصولوں پر نوع انسان کو ایک قوم بنانا۔ پھر یہ بتایا گیا ہے، قرآن کے نزول سے لوگوں کے تین گروہ بن جائیں گے۔ پرہیزگار لوگ پانچ شرطیں مان کر قرآنی جماعت میں شامل ہو جائیں گے بعض لوگ خدا کے قانون کو ماننے سے انکار کر دیں گے اور مقابلہ کریں گے اور ناکام ہونگے تیسری جماعت دورنگی پالیسی اختیار کرے گی اور ذلیل ہوگی۔ یہ پچھلی آیات کا خلاصہ تھا اب ۲۱ ویں آیت سے تمام انسانوں کو خدا کے قانون پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے اور (۱) خدا کے احسانات (۲) قانون خدا کی صداقت (۳) اطاعت الٰہی کے دنیوی اور آخروی فوائد (۴) ماسوا طاقتوں کی غلامی اور اطاعت کے نقصانات ظاہر کر کے نوع انسان کے لئے قانون الٰہی پر چلنے کی ضرورت ثابت کی گئی ہے۔ پھر ۲۹ ویں آیت کو تمہید بنا کر آغاز زندگی، مقام انسانیت اور پیدائش آدم کا ذکر کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اُس وقت خدا نے جو حضرت آدمؑ سے وقت وقت پر اپنا ہدایت نامہ بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، یہ قرآن اسی وعدہ الٰہی کی تکمیل ہے مختصر یہ کہ ۲۱ ویں آیت سے ۳۹ ویں آیت تک تمام نوعِ انسان سے خطاب ہے اور اُنسے راہ حق پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے۔ پھر ۴۰ ویں آیت سے بنی اسرائیل سے خطاب شروع ہوتا ہے۔ یہاں قرآن کی تیسری بحث شروع ہوگی

Marfat.com

مثبت پہلو ۳۵۔ دعوت اسلام عبادت کرو

۲۱۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ
اے لوگو عبادت کرو خدا اپنے کی جس نے پیدا کیا تم کو اور اُن کو جو (تھے)
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ
پہلے تمہارے تاکہ تم پرہیزگار ہو جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین بچھونا اور آسمان
بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ
کوٹھا اور اُتارا بلندی سے پانی پس نکالے اُس سے کچھ
الثَّمَرٰتِ پھل ۔ رِزْقًا روزی ۔ لَّكُمْ ج تمہارے لیے۔

اے خدا کے بندو! خدا کی تمام ہدایت کا مطلب صرف دو لفظ ہیں۔ "اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ" یعنی اپنے رب کی عبادت کرو اور دوسرے "فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا" یعنی کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ قرآن کی بولی میں اسی ایک چیز کا نام حق ہے، اسی کا نام دین فطرت ہے، اسی کا نام اسلام ہے۔ اسی کا چھوٹے سے چھوٹا نام "توحید" ہے اور توحید کے اسی حق کو جب عملی طور پر ادا کیا جاتا ہے تو اسی کا نام عبادت ہے، اب آپ اس آیت کے ترجمہ سے عبادت کا مطلب سمجھیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے، "اے لوگو! خدا کی عبادت کرو، جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہ خدا جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا، جس نے اوپر سے پانی اتارا اور اس سے تمہارے لئے پھلوں کی روزی پیدا کی"۔ اس آیت سے تین باتیں بالکل صاف ہیں، ایک یہ کہ اس آیت میں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کہہ کر سب انسانوں کو پکارا گیا ہے۔ دوم یہ کہ عام خطاب کے بعد مطالبہ یہ کیا گیا ہے، اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، اپنے رب کی عبادت کرو جس نے سب انسانوں اور اُن کے سامان زندگی کو پیدا کیا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ کا

Marfat.com

صاف مطلب یہ ہوا کہ مقصود انسانیت بلکہ مقصودِ خلقت، عبادت ہے۔ سوم یہ کہ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ کے بعد فرمایا، لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقصودِ عبادت، تقویٰ یعنی پرہیزگاری ہے۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مقصود انسانیت اور مقصود خلقت، عبادت ہے اور مقصودِ عبادت، تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوگا کہ عبادت کے کیا معنی؟ یہ بات بھی خود آیت ہی کی اندر شیشے کی طرح صاف کردی گئی ہے۔ پہلے کہا، خدا کی عبادت کرو، پھر بتایا کس خدا کی؟ اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ جس نے تم کو اور تمہارے پہلوں کو پیدا کیا، یہ عبادت کا ایک پہلو تھا کہ خدا کے اُن تعلقات کا حق ادا کرو جو نوعِ انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ...... یعنی عبادت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ خدا کے ان تعلقات کا حق ادا کرو جو زمین، آسمان، بارش اور پیداوار، زمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ (۱) خدا (۲) انسانیت (۳) کائناتِ ارض وسما کے تعلقات کو صحیح طور پر ادا کرنے کا نام عبادت ہے۔ یا یوں کہیے کہ ایک انسان کے ساتھ خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت میں خدا کی باقی مخلوق کے ساتھ جتنے بھی رشتے قائم ہوگئے ہیں، اُن سب کا حق ادا کرنا عبادت ہے۔ آپ بندۂ خدا ہونے کی حیثیت سے خدا کی تعریف کریں، مالک کا نام جپیں، یہ عبادت ہے۔ آپ بندۂ خدا ہونے کی حیثیت سے نبی، رسول، والدین، استاد، ہمسایہ اور دوسرے بندگانِ خدا سے نیک سلوک کریں، یہ عبادت ہے۔ آپ خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے، زمین، پہاڑ، سمندر، پانی، آگ کے اندر سے وہ خزانے نکالیں جنہیں خدا ہی نے آپ کے لیے ان چیزوں کے اندر جمع فرمایا، یہ بھی عبادت ہے۔ مختصر یہ کہ آپ خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت میں، اس بات پر غور کریں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی تاریں کہاں کہاں جوڑ رکھی ہیں، مثلاً خدا کی ذات کے ساتھ

Marfat.com

ماں باپ کے ساتھ، اپنے قریبیوں اور ہمسایوں کے ساتھ، زمین، سورج، چاند، ہوا، پانی اور روشنی کے ساتھ، اپنے ملک اور وطن کے ساتھ، اِس زمین و آسمان کے اُن قدرتی خزانوں کے ساتھ جنہیں خدا تعالیٰ نے آپ ہی کے لئے چاند، سورج، زمین اور آسمان آگ اور پانی کے اندر جمع فرما رکھا ہے، اولاد، تجارت اور کھیتی باڑی کے ساتھ، بس ان سب رشتوں اور زاویوں کی حکم خدا کے مطابق حفاظت کرنا اور خدا کا غلام بن کر ان سب کے حقوق کا لحاظ رکھنا عبادت ہے۔ اے خدا کے بندو! اچھی طرح سمجھ لو کہ اسلام کا یہی پیغام ہے اور رازِ حیات بھی یہی ہے کہ آپ خدا کے بندے ہوتے تمام رشتوں کی خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت میں، اور حکم خدا کے مطابق حفاظت کریں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف خدا خدا کرنا ہی عبادت نہیں بلکہ محنت کرنا، ہل چلانا اور پانی سے بجلی نکالنا، ماں باپ کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے۔ جب تک آپ لوگ ان وسیع معنوں میں حقِ عبودیت ادا نہیں کرینگے، زندگی کا مقصد کبھی پورا نہیں ہوگا۔

منفی پہلو — **۳۶۔ دعوتِ اسلام** — آزادی کا چارٹر

فَ لَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

پس نہ تم بناؤ اللہ کا کوئی شریک اور تم جانتے ہو

اے خدا کے بندو! دعوتِ اسلام کے دو پہلو ہیں، مثبت اور منفی۔ ایک وہ جو کرنا چاہیئے۔ اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ کا مطلب یہ ہے کہ قانونی فرمانبرداری خدا کی کرو۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کی قانونی فرمانبرداری مت کرو۔ انسان سب ایک دوسرے کے برابر ہیں اس واسطے وہ بھائی بھائی تو ہو سکتے ہیں مگر حاکم محکوم نہیں ہو سکتے اور باقی رہی دوسری مخلوق تو وہ انسان کے برابر نہیں بلکہ انسان سے کم تر ہے اور انسان کے لئے ہے۔

Marfat.com

آپ پوچھیں گے کہ صرف خدا کی قانونی فرمانبرداری کیوں کرنی چاہیے؟ قرآن نے اس کا جواب یہ دیا، اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ اس لئے کہ اسی نے تم کو پیدا کیا۔ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ اور اس لئے بھی کہ اسی نے تم سے پہلوں پیدا کیا۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً، اس لئے بھی کہ اسی نے تمہارے لئے زمین بچھونا، آسمان چھت، بارش اور پیداوار زمین کو پیدا کیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت یا خدا کی قانونی فرمانبرداری صرف اس ذات کا حق ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہو، زمین اور آسمان میں بسایا ہو اور سامان زندگی بخشا ہو۔ دیکھو، یہ کتنی صاف اور فطری دلیل ہے۔ اس دلیل کے مطابق ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر اس طاقت کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دے جس نے انسان کو پیدا نہیں کیا ہے۔ ہم کسی شخص کے احسان کے بدلے میں اس پر احسان کر سکتے ہیں مگر ہم غلامی اور عبادت اسی کی کر سکتے ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا ہو اور سامان حیات عطا فرمایا ہو۔ قرآن کی اس تشریح کے مطابق عبادت کی ایک صحیح ترین تعریف یہ ہو گی کہ عبادت نام ہے اس ذات کی قانونی فرمانبرداری کا جس نے انسان کو اور اس کے سامان زندگی کو پیدا کیا ہے۔ چونکہ خدا کے سوا کسی نے بھی انسان اور اس کا سامان زندگی پیدا نہیں کیا، اس واسطے صرف خدا ہی کی قانونی فرمانبرداری کرنی چاہیے، کسی اور طاقت کے قانون کی فرمانبرداری نہیں کرنی چاہیے۔ مختصر یہ کہ آپ خدا کو اپنا بادشاہ مانیں اور اس کے قانون کے مطابق خدا، نبی، ماں باپ، ہمسایہ، مکان، زمین، کھیت، ہوا، پانی، چاند، سورج، پیداوار وغیرہ کا حق ادا کریں، اگر زمین میں پٹرول ہے اور آپ نکالتے نہیں ہیں تو آپ گنہگار رہوں گے۔ اسی طرح آج اگر زمین کے اندر سے غلہ اور پھل نکل سکتے ہیں اور آپ نکالتے نہیں ہیں تو آپ گنہگار ہوں گے، اس لئے کہ زمین و آسمان کے تمام خزانے از روئے قانون آپ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، وہ شخص گنہگار ہے جو خدا یا انسانیت (رسول، والدین، ہمسایہ، استاد) کا قانونی

حق ادا نہ کرے، اسی طرح وہ شخص گنہگار ہے جو زمین، کھیت، سمندر اور سورج کا حق ادا نہ کرے۔ اے خدا کے بندو! آپ سمجھیں اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ کے بعد خدا نے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ بھی فرمایا ہے۔ یعنی خدا نے اپنی قانونی فرمانبرداری کا حکم اس لیئے دیا ہے تاکہ تم لوگ پرہیزگار بن جاؤ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا نے انسان کو تو اپنے قانون کی فرمانبرداری کے لیئے پیدا کیا ہے اور یہ قانونی فرمانبرداری خود انسان کے فائدے کے لیے ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو آپ کے لیئے نماز پڑھنے کی، خدمت والدین کرنے کی، سچ بولنے کی، حلال کمانے کی، خیرات کرنے کی، علم پڑھنے کی، کھیتی باڑی کرنے کی، کان کنی کی اور اسی طرح کئی قسم کی اور اور عبادتیں مقرر کی ہیں، خدا کا منشاء یہ ہے کہ آپ سب لوگ پرہیزگار بن جائیں، اس سے ظاہر ہوا کہ قرآن کے ہر حکم کی آخری غرض یہ ہے کہ نوع انسان کو پرہیزگاروں کی قوم بنا دیا جائے اور یہی نزول قرآن کا مقصد ہے، یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے، پرہیزگاری کی تعریف بھی یہ ہے، کسی غیر خدا کے قانون کو نہ ماننا۔ ہر ماسوا کی اطاعت سے پرہیز۔

اے بندگان خدا! ۲۱ ویں آیت اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، یہ حکم دیتی ہے کہ آپ خدا کے قانون پر چل کر اپنے آپ کو کامل بنا لیں۔ ۲۲ ویں آیت فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا، یہ حکم دیتی ہے کہ آپ تمام غیر خدا طاقتوں کی قانونی اطاعت چھوڑ کر آزاد اور بے نیاز اور کمزوریوں سے رہت ہو جائیں۔ ۲۱ ویں آیت آپ کو صرف ایک خدا کی وفاداری کا سبق دیتی ہے اور ۲۲ ویں آیت یہ حکم دیتی ہے کہ اگر تم نے خدا کو بادشاہ ماننا ہے تو تم غیر طاقتوں سے باغی اور آزاد ہو جاؤ۔ یہ اس لیئے کہ دنیا کا کوئی انسان ایک ہی وقت میں دو بادشاہوں کی رعیت نہیں بن سکتا۔ یا وہ خدا کی رعیت ہو گا یعنی عابد، یا غیر خدا کی رعیت ہو گا یعنی مشرک۔ طے صرف یہ کرنا چاہیئے کہ تم نے کس طاقت کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا ہے؟ خدا کو یا غیر خدا کو! اگر تم دلی طور پر خدا کو اپنا بادشاہ مان کر، اس کے قانون کی اطاعت میں تعلیم،

Marfat.com

تجارت، محنت، زراعت، تعمیر مکان، حصول زر و مال اور نکاح و اولاد وغیرہ کاموں کو انجام دے رہے ہو تو یہ سب کچھ خدا کی قانونی فرمانبرداری یعنی عبادت ہے لیکن اگر تم انہی کاموں کو کسی جرمن، انگریز، دیوی دیوتا، پیر و فقیر کے قانون یا حکم پر مطمئن ہو کر اُن کی منشاء کو پورا کرنے کے لیے انجام دے رہے ہو تو یہ سب غیر خدا کی قانونی فرمانبرداری یعنی شرک ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ تمہاری ذہنیت کا مرکزی نقطہ کیا ہے؟ اور کیا تم عملاً بھی اُس نقطے کی پیروی کر رہے ہو یا نہیں؟ اگر قانون الٰہی کی حمایت کے لیے اولاد ہے تو اولاد پیدا کرنا عبادت۔ اگر انگریز کی بھرتی کے لیے اولاد ہے تو اولاد پیدا کرنا شرک ہے اس لیے کہ خدا کے قانون کی حمایت کا جو حق تھا، وہ تم نے انگریز کے قانون کو دیدیا۔ اسلام کی منشاء صاف طور پر سمجھ لیجیے۔ اسلام یہ چاہتا ہے۔ سب کا بادشاہ ایک خدا سب انسانوں کی اطاعت کے لیے اُس کے قانون کی حکومت۔ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی اور حکم خدا کے پابند۔ جب آپ ذرا بھی اس نظریے سے تجاوز کریں گے تو آپ توحید کی حدوں سے نکل کر شرک کی حدود میں داخل ہو جائیں گے۔

صداقت قرآن ۷۳۔ دعوت اسلام مخالفین کو چیلنج

۲۳۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ

اور اگر تم ہو شک میں اُس سے جو اتارا ہم نے اوپر بندہ ہمارے کے پس لے آؤ ایک سورت

مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

اُس جیسی اور بلاؤ گواہ اپنے سوائے اللہ کے اگر تم ہو سچے

آپ لفظوں کے معنی یاد کرلیں۔ اِنْ کے معنی اگر۔ نَزَّلْنَا کے معنی ہم نے اتارا۔ فَاْتُوْا میں ف کے معنی پس اور اْتُوْا کے معنی لاؤ۔ اُدْعُوْا کے معنی بلاؤ۔ دُوْن کے معنی سوائے۔ اے بندگان خدا! قرآن کا مقام یہ ہے کہ سب انسان، خدا کے قانون پہ چلیں

اور انسانوں کے خانہ ساز قوانین اور رسوم کی پیروی نہ کریں۔ اس پر بعض لوگوں نے کہہ دیا، قرآن بھی پیغمبر اسلام کا بنایا ہوا ہے۔ اس واسطے آج کی آیت میں کہا، آؤ، پہلے یہ فیصلہ کرلیں کیا قرآن واقعی خدائی قانون ہے؟ قرآن کہتا ہے، ہاں، میں خدا کا قانون ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ سارے انسان مل کر بھی میرے جیسی ایک سورت نہیں بنا سکتے۔

اے بندگان خدا! آپ غور فرمائیں کہ قرآن کی دلیل کتنی صاف ہے؟ قرآن کی دلیل یہ ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی اصل پرکھ صرف ایک ہوتی ہے اور وہ یہ کہ انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کی مانند اور چیزیں بھی بنائی جاسکتی ہیں مثلاً آپ کے سامنے دو پھول ہیں۔ ایک کاغذ کا پھول اور دوسرا گلاب کا اصلی پھول۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ کاغذ کا پھول انسان کا بنایا ہوا پھول ہے۔ اس لئے کہ ہزاروں دوسرے انسان بھی کاغذ کے ویسے پھول بنا سکتے ہیں مگر آپ گلاب کے اصلی پھول کو انسان کا بنایا ہوا پھول نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ اگر کروڑوں انسان بھی جمع ہو جائیں تو وہ ایسا پھول نہیں بنا سکیں گے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کے مانند، ہم کوئی دوسری چیز نہیں بنا سکتے مگر انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کی مانند ہمیشہ اور ہر وقت اور چیزیں بنائی جاسکتی ہیں اب خدا کہتا ہے کہ آپ اس کسوٹی پر قرآن کو پرکھ لیں۔ اگر قرآن، خدا کا کلام ہے تو کسی انسان سے بھی ویسا کلام نہیں بن سکیگا۔ لیکن اگر وہ انسانی کلام ہے تو پھر دوسرے انسان بھی ضرور ویسا کلام بنا سکیں گے۔ قرآن کہتا ہے، تم سب لوگ مل کر میرے جیسی ایک سورت لے آؤ، بس اسی سے فیصلہ ہو جائیگا کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ پھر جب یہ ثابت ہو گیا تو آپ کا فرض ہے کہ آپ قرآنی تعلیمات پر عمل کریں اور رسم و رواج کو فرنگی فیشن کے طور طریقوں کو اور غیروں کی سیاسی غلامی کو چھوڑ دیں، پھر آپ دنیا اور آخرت کا ضرور کمال حاصل کرلیں گے۔

Marfat.com

۲۴۔ فَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا
پھر اگر نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو بچو آگ سے جس کا ایندھن ہے اس کا
النَّاسُ آدمی۔ وَالۡحِجَارَةُ اور پتھر اُعِدَّتۡ تیار ہے۔ لِلۡکٰفِرِیۡنَ واسطے کافروں کے۔

کل کہا گیا تھا۔ اگر تم کو قرآن کے قانون الٰہی ہونے میں شک ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا کر دکھاؤ۔ آج کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم قرآن جیسی ایک بھی سورت نہیں بنا سکو گے اور اس سے تم کو خود بخود یقین ہو جائیگا کہ قرآن اللہ کا قانون ہے۔ پھر اگر اس کے بعد بھی تم قرآن پر نہ چلو تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم عذاب الٰہی کی ایک ایسی چکی میں پیس دیئے جاؤ گے جس کے لئے آدمی اور پتھر دونوں یکساں ہیں۔ عذاب الٰہی کی یہ چکی ان لوگوں کے لئے تیار ہے جو قرآن کی پیروی نہیں کرتے۔ اس آیت میں پھر اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جو لوگ ایک خدا حاکم اور تمام انسانیت غلام کے قرآنی اصول کا ساتھ نہیں دیں گے وہ بہر حال ذلیل ہوں گے۔ یہاں سمجھایا یہ گیا ہے کہ مسلمانوں کو کافروں کی بربادی کا منتظر رہنا چاہئے اور یقین کر لینا چاہئے کہ قرآنی اصولوں کا ساتھ چھوڑنے کے بعد کوئی جماعت بربادی اور ذلت سے بچ نہیں سکتی۔ اہل یورپ اور خود آپ لوگوں کی ذلتوں کا باعث بھی یہی ہے کہ آپ نے قرآنی تعلیم پر چلنا ترک کر دیا ہے۔ آپ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم قرآن کے پیرو ہیں مگر عملی طور پر ہمارا حال بھی قریباً قریباً وہی ہے جو منکرین قرآن کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اہل یورپ، فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں اور آپ انہی کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ جب تک کوئی شخص صرف ایک خدا کے قانون کا پیرو ہو کر دنیوی بادشاہوں کی عبادت اور غلامی سے منحرف نہ ہو جائے اسلام کی حقیقت کو کبھی نہیں پا سکتا۔ آؤ اپنے خالق کے حکموں کی پابندی کریں۔

Marfat.com

۲۵- وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ

اور بشارت دو ان کو جو ایمان لائے اور کئے نیک کام بے شک

لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط

واسطے اُن کے باغ ہیں بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں

اے لوگو! ۱۲ ویں آیت میں قرآن نے آپ کے سامنے اپنا پیغام رکھدیا ہے، یہ کہ آپ خدا کو بادشاہ مانیں اور قرآن پر چلیں، آپ پوچھینگے کیوں؟ قرآن کہتا ہے، اول اس لئے کہ خدا نے آپ کو اور آپ سے پہلوں کو پیدا کیا ہے اور زمین و آسمان میں آپ کے لئے زندگی گزارنے کے سامان پیدا کردیئے ہیں، دوسرے اسلئے کہ قرآن خدا کا بھیجا ہوا ہے، تیسرے اس لئے کہ آپ عذاب سے بچ جائینگے۔ یعنی غیر خدا کی غلامی سے جو دنیا اور آخرت میں سب سے بڑا دوزخ ہے۔ آج کی آیت میں چوتھی بات یہ کہی ہے کہ اے رسول! سب لوگوں کو یہ بات سنادو کہ جو بھی آدمی خدا کو بادشاہ اور خدا کے قانون کو اپنی زندگی کا قانون مان لیں گے اور پھر اسی قانون کے مطابق عمل کرینگے، ان کیلئے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ اس آیت میں کسی فرقہ یا قوم سے نہیں بلکہ تمام لوگوں سے خطاب ہے اور کہا گیا ہے کہ جو بھی آدمی ایمان لائینگے اور نیک عمل کرینگے، انہیں بہشتی زندگی حاصل ہو جائیگی۔ آیت نے یہ نہیں کہا کہ زبان ہلا کر یا ہاتھ اٹھا کر "یا اللہ جنت" کہنے والوں کو خوشخبری دی جائے بلکہ اس کی بجائے صاف لفظوں میں یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کررہے ہیں، انہیں خوشخبری سنایئے کہ وہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔ جب کسی شخص نے یہ اعلان کردیا کہ ایک خدا ہمارا بادشاہ ہے، اور صرف قرآن ہمارا قانون زندگی ہے تو وہ ایماندار ہو گیا۔ پھر جب اس نے قرآن کے احکام پر چلنا شروع کردیا تو نیک عملی کا منشا بھی پورا ہو گیا عمل صالح صرف نماز روزہ کا نام نہیں ہے۔ خدا پر ایمان لانے کے بعد کھانا، پینا، مکان بنانا، نکاح سب عمل صالح ہیں

Marfat.com

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ
جب کبھی اُن کو ملیگا وہاں کا کوئی میوہ کھانے کو کہیں گے یہ وہی ہے جو ملتا تھا ہمکو پہلے بھی
وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ
اور لائے جائینگے وہ ملتے جلتے اور واسطے اُنکے وہاں عورتیں پاک اور وہ ہونگے وہاں ہمیشہ رہنے والے

اے لوگو! اس غرض سے تم خدا کو اپنا بادشاہ مانو اور قرآن کے اصولوں پر چلنا شروع کر دو تمہارے سامنے بہشتی زندگی کا ایک نظارہ پیش کیا گیا ہے۔ آیت کہتی ہے کہ ایمانداروں اور عمل کرنے والے کو ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، جب انہیں وہاں کا کوئی میوہ ملیگا تو وہ کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا حالانکہ وہ اس کے مشابہ ہوگا، اُن کے لئے وہاں پاکیزہ عورتیں ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

اے بندگان خدا! انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک موت سے پہلے اور دوسرا موت کے بعد۔ قرآن نے اصولی بات صرف یہی کہی ہے کہ جو لوگ اس دنیا کی زندگی میں خدا پرستی اور نیک عملی کا طریقہ اختیار کرینگے، اُن کی موجودہ اور آیندہ زندگی کامیاب ہو جائیگی۔ جنت کا لفظ اسی کامیابی کی ایک تعبیر ہے۔ جب آپ اس اصول سے اتفاق کر لیتے ہیں تو پھر جنت کی جزوی آسائشوں کے متعلق اختلاف کرنا بے فائدہ ہے۔ قرآن نے کہیں کہیں جگہ یہ کہا ہے کہ خدا کے نیک اور ایماندار بندے ایسے باغوں کے مالک ہوں گے جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں انہیں پھلوں کی غذائیں، میٹھے اور برفانی چشمے اور پاکباز عورتیں مہیا ہونگی۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جنت کی یہ تصویر حیوانی زندگی کی تصویر ہے۔ یہ اعتراض اسلامی اصولوں سے ناواقفیت پر مبنی ہے، بیشک، عیسائیوں کے نزدیک اعلیٰ زندگی کی تعریف یہ ہے کہ انسان دنیا کی شوکت اور دولت سے الگ ہو کر کسی پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھے اور پھر کسی عورت کا منہ نہ دیکھے ہندوؤں اور جینیوں کے نزدیک بھی اعلیٰ زندگی یہی ہے، ان کے رشی منی اور اوتار وہ لوگ ہوئے ہیں

جو تمام فطری خواہشوں سے قطع تعلق کر کے جنگلوں اور غاروں میں جا بیٹھیں تاکہ وہاں کوئی بھی انسانی خواہش اُن کے دامن کو چھُو نہ سکے۔ لیکن اسلام کے نزدیک زندگی کو اس طرح حیوانی اور روحانی دو مستقل حصوں میں تقسیم کر لینا حد درجے کی گمراہی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ کوئی فطری خواہش اگر وہ حدودِ الٰہی کے اندر رہے تو پلید، ناپاک یا حیوانی، یا ایک دوسرے کے لیے نقصان دہ نہیں ہو سکتی اور اعلیٰ زندگی کا جو تخیل عیسائی راہب، جینی سادھو اور ہندو جوگی پیش کرتے ہیں وہ صرف وحشیانہ زمانے کی یادگار ہے۔ اسلام کے نزدیک پاکیزہ کھانا، پاکیزہ پہننا، پاکیزہ عورتیں باغ و بہار اور حسن و جمال اللہ کی ایسی نعمتیں ہیں جنہیں ہر ایک انسان حدودِ الٰہی کے مطابق بیدریغ استعمال کر سکتا ہے۔ سوال یہ ہے، کیا آپ موجودہ انسانی زندگی میں اس کو حیوانیت سمجھتے ہیں آپ کا کھانا اور لباس عمدہ اور آپ کی بیوی، خوش جمال اور نیک سیرت ہو، آپ کی سکونت پُر فضا اور پُر شکوہ ہو، آپ کا دل دائمی محبت، دائمی بے فکری اور دائمی سکونِ خاطر سے لبریز ہو۔ کیا آپ جرأت کر سکتے ہیں کہ ایسی نفیس، لطیف اور حسین زندگی کو حیوانی، شیطانی یا غلیظ کے نام سے پکاریں۔ پھر اگر موت کے بعد بھی زندگی کی صورت ایسی ہی رہے تو آپ اس پر کیونکر فتویٰ لگاتے ہیں کہ یہ حیوانی زندگی ہے؟ جس طرح کھانا اور پینا، فطرتِ انسانی کا ایک شریفانہ فعل ہے اسی طرح نکاح کرنا بھی فطرتِ انسانی کا ایک شریفانہ فعل ہے۔ موت سے پہلے بھی اور موت کے بعد بھی۔ اس بحث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک انسان کی اعلیٰ ترین فطری زندگی کا نام جنت ہے۔ آپ پہلے یہ فیصلہ کیجیے کہ آپ کے نزدیک انسان کی اعلیٰ ترین فطری زندگی کا مفہوم کیا ہے اور آیا اس مفہوم میں شاداب باغ، پُر بہا نہریں، بے فکر روزی، سکونِ خاطر، محبت اور عورت جیسی خدائی نعمتیں شامل ہیں یا نہیں؟ بس اسی سے فیصلہ ہو جائیگا کہ اسلام نے خدا پرست اور نیک بندوں کو جس جنت کی بشارت دی ہے، وہ جنت انسانیت کا کمال ہے یا زوال؟ ممکن ہے کہ کول اور دراوڑ کے زمانہ کے جوگی اسے حیوانی زندگی کہیں مگر علم و تہذیب کی شائستگی یہ غلطی نہیں کر سکتی۔ آپ یقین کیجیے کہ خدا پرست اور نیک انسان اسی زندگی کے وارث ہوں گے۔

Marfat.com

۲۶۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا
بیشک اللہ نہیں شرماتا کہ بیان کرے کوئی مثال خواہ مچھر کی یا جو اوپر اسکے ہے

اعتراض یہ تھا، اگر قرآن، خدا کا قانون ہے تو اس میں صرف احکام اور قوانین ہونے چاہئیں تھے، مثالیں بیان کرنے کا کیا مطلب، اور مثالیں بھی مکھی اور مچھر کی۔ آج کی آیت جواب دیتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے اس میں کچھ بھی شرم یا ہتک نہیں ہے کہ وہ مچھر یا اس سے بھی کسی چھوٹی چیز کی مثال بیان کر دے۔ بات یہ ہے کہ قرآن کتاب فطرت ہے، اس واسطے وہ خلق خدا کو سمجھانے کے لئے جتنی بھی مثالیں اور دلیلیں پیش کرتا ہے وہ سب فطرت کی مثالیں اور دلیلیں ہوتی ہیں۔ مثلاً قرآن کہتا ہے کہ آپ خدا کی عبادت کریں۔ اگر آپ پوچھیں، کیوں کریں؟ تو قرآن جواب دیتا ہے "اس لئے کہ خدا نے آپ کو پیدا کیا ہے اور آپ پر قسم قسم کے احسان کئے ہیں"۔ چونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ احسان کے بدلے میں جھک جائے۔ اس واسطے قرآن نے خدا تعالیٰ کے احسان بتا دیئے تاکہ ہر انسان کی فطری گواہی سے خدا کی عبادت کا حق ثابت ہو جائے۔ مختصر یہ کہ چونکہ قرآن، فطرت کی کتاب ہے اس واسطے اس نے جا بجا مکھی، مچھر، زمین، دریا، پہاڑ، کھیتی، سمندر، زلزلہ وغیرہ کی مثالیں پیش کر کے انسان کو حق کا راستہ دکھایا ہے۔ قرآن کا اصل مقصود یہ ذرا ذرا سی مثالیں نہیں ہیں بلکہ فطرت کے قاعدے بیان کرنا اور حق بات کا کھولنا مقصود ہے لیکن کافروں کی حالت یہ تھی کہ وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ اصول کیا پیش کرتا ہے؟ بلکہ وہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ یہ ذرا ذرا سی مثالیں کیوں دے رہا ہے؟ حالانکہ یہ بالکل سیدھی بات ہے کہ خدا نے گوبر یا مچھر کو پیدا کیا ہے اور اگر یہ اسکے لئے باعث شرم نہیں ہے تو مچھر کی مثال دینا کس طرح باعث شرم ہو سکتا ہے؟ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے سبق دیا ہے کہ آپ کو مطالعہ قرآن کے وقت فطرت کے اصولوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ قوانین فطرت کے بارے میں یہ وہمی، خیالی اور منطقی بحثیں بالکل بیکار ہیں

Marfat.com

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ج

پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں سو وہ جانتے ہیں کہ وہ درست ہے اُنکے رب کی طرف سے

آیت کا مطلب یہ ہے۔ جو لوگ ایمان دار ہیں اور حقیقت کو پائے ہوئے ہیں، وہ مکھی اور مچھر وغیرہ کی مثالیں سن کر یہ جان لیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے سچائی ہے۔

اے بندگان خدا! آج کی آیت، بھی کل کی آیت کا حصہ ہے۔ نکتہ یہ بتایا جارہا ہے کہ قرآن کتاب فطرت ہے اس واسطے اس پر غور و بحث کرنے کا طریق بھی فطری ہونا چاہئے۔ جس طرح آپ دنیا کو عملی نظر سے دیکھتے ہیں، اسی طرح قرآن کو عملی نظر سے دیکھئے، مثال کے طور پر آپ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ آگ گرم ہے، اب آپ یہ نہیں سوچتے کہ آگ کیوں گرم ہے؟ بلکہ یہ سوچتے ہیں کہ اس کی گرمی سے فائدہ کس طرح اٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح خدا کہتا ہے کہ مطالعہ قرآن کے وقت یہ مت سوچئے کہ خدا نے مکھی کی مثال کیوں دی؟ مچھر کا ذکر کیوں کیا؟ آپ لفظوں پر، مثالوں پر، چھوٹی چھوٹی فروعی باتوں میں اور بال کی کھال اتارنے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ آپ کو دیکھنا صرف یہ چاہئے کہ بیان قرآن کا اصل مقصد کیا ہے؟ اور ہمیں اس کی تعمیل کس طرح کرنی چاہئے؟ ۲۱ویں سے ۲۶ویں آیت تک خدا نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے، اس کا اصل مطلب صرف اتنا تھا کہ سب انسان خدا کو بادشاہ مان کر اس کے قانون کی اطاعت کریں اور ماسوا طاقتوں کی غلامی سے انکار کردیں، وہ اس طرح دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن بہت سے لوگ اصل مطلب پر عمل کرنے کی بجائے جنت کے لفظ کو لے بیٹھے اور انہوں نے یہ پوچھنا شروع کردیا کہ جنت کے پھل کیسے ہونگے؟ عورتیں اس جگہ کہاں سے آئینگی؟ مردوں کو حوریں ملینگی تو عورتوں کو کیا ملیگا؟ اس واسطے قرآن نے تنبیہہ کی اور بتایا، قرآن پر بحث کرنے کا یہ مناسب طریقہ نہیں ہے، یہ جھگڑا تو محض لفظی ہے جس کا اصل اصول پر جو قرآن نے پیش کیا، کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔

Marfat.com

وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا

اور رہے وہ جنہوں نے انکار کیا سو کہتے ہیں کیا غرض تھی اللہ کو ساتھ اس مثال کے

آیت کا مطلب یہ کہ کافر لوگ قرآن کی مثالوں سے اصل سبق حاصل نہیں کرتے، بلکہ وہ صرف اسی بات میں الجھ جاتے ہیں کہ خدا کو اس قسم کی مثالیں دینے سے غرض کیا؟ آج اور کل کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ مومن اور کافر کے مطالعۂ قرآن کے طریقوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟ مومن تو یہ دیکھتا ہے' اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ' وہ حق اور حکم کیا ہے جو خدا نے بھیجا۔ کافر یہ کہتا ہے مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا' خدا کو کیا پڑی کہ وہ ایسی ایسی مثالیں دے رہا ہے ایماندار لوگ ان مثالوں کے لفظوں پر فضول اور بے نتیجہ جھگڑے نہیں کرتے، وہ صرف مقصد کو سمجھتے ہیں اور مرد میدان بن کر اسے عملی طور پر پورا کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں مگر فسادی اور کھوٹے لوگ جو اصولوں پر نظر نہیں ڈالتے، وہ صرف جزوی، لفظی، خیالی اور منطقی باتوں کو لے بیٹھتے ہیں، وہ یہ کہنے لگتے ہیں کہ اللہ کے کلام میں مچھر کا ذکر کیا؟ یہ مکھی کی مثال کیوں؟ آخر خدا کو کیا پڑی تھی کہ وہ اپنے پاک کلام میں ایسی حقیر مثالیں پیش کرتا؟ اسی طرح وہ جنت دوزخ اور ملائکہ وغیرہ پر جھگڑے اور نکتہ چینیاں شروع رکھتے ہیں اور انہی باتوں میں اپنی زندگی گزار دیتے ہیں۔ آیت کہتی ہے کہ انسان کا اس طرح کے مباحثے کرنا انسانی زندگی کے لئے سخت مضر ہے اس لئے کہ انسان کو عملی قوتوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے اسے تو صرف سادگی کے ساتھ اصول اور مقصد کو سمجھ کر، عملی کام شروع کر دینا چاہیے۔ اگر اس دنیا میں عمل کی بجائے، مباحثوں سے اطمینان چاہیں تو خود اس دنیا کا اور انسانی زندگی کا معمہ ہی حل نہیں ہوتا۔ قرآن، ان غیر فطری بحثوں کو ختم کرنے آیا تھا مگر افسوس کہ اب غیر مسلم کہلانے والے تو عمل کے لئے کوشاں ہیں اور ہمارے پاس جھگڑا، بحث، اعتراضات کے سوا اور کچھ باقی نہیں

Marfat.com

۴۴۔ دین فطرت کا آئینہ

یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط وَمَا يُضِلُّ
وہ گمراہ کرتا ہے اس سے بہتوں کو اور راہ پر لاتا ہے اس سے بہتوں کو اور وہ بہکاتا نہیں
بِهٖ اس سے۔ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ، مگر فاسقوں کو۔

اے بندگان خدا! اس آیت پر صداقت قرآن کی بحث ختم ہو گئی۔ ۲۰-۲۱ آیت میں پیغام قرآن بیان کیا گیا۔ ۲۳ تا ۲۵ میں صداقت قرآن۔ اور اب ۲۶ میں (۱) ایماندارانہ طور پر مطالعہ قرآن کا طریقہ کیا ہے؟ (۲) بدنیت اور مخالف لوگ قرآن کا مطالعہ کس طرح کرتے ہیں؟ آج کی آیت میں فرمایا کہ جو لوگ بدنیتی سے اور غیر فطری طریقہ سے مطالعہ قرآن کرتے ہیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں، جو نیک نیتی سے اور فطری طریقہ سے مطالعہ کرتے ہیں، وہ ہدایت پا جاتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ فرمایا کہ خدا صرف نافرمانوں کو گمراہ کرتا ہے، مطلب یہ کہ خدا کے قانون میں نافرمانی کی مقررہ سزا یہ ہے کہ وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔ آپ یہاں چند مثالوں سے فطری دلیل کی حقیقت سمجھ لیں۔ (۱) ایک شخص آپ پر احسان کرتا ہے، اب آپ فطرۃً اس کا ادب کریں گے۔ احسان کرنے والے کی عزت کرنی چاہیے، یہ فطری دلیل ہے (۲) قرآن خدا نے بنایا یا انسان نے؟ خود قرآن کی ایک سورت بنا کر دیکھو، اگر یہ انسان کا کلام ہو گا تو دوسرے انسان بھی ایسا کلام بنا لیں گے۔ لیکن اگر قرآن کے برابر کوئی انسان ایک بھی سورت نہیں بنا سکتے تو خود آپ کی فطرت یہ کہے گی کہ قرآن انسان کا کلام نہیں ہے (۳) میری زندگی کے تمام وجود کو کس کی غلامی کرنی چاہیے؟ اس کی جس نے خود اس وجود کو پیدا کیا ہے۔ چونکہ کسی انسان نے انسان کو پیدا نہیں کیا لہٰذا یہ فطری دلیل ہے اس کی کہ انسان کو انسان کی غلامی نہیں کرنی چاہیے۔ قرآن میں اکثر ایسی ہی دلیلیں دی گئی ہیں، جن کی صحت کا فیصلہ ہر انسان خود اپنی فطری گواہی سے کر سکتا ہے۔

Marfat.com

۲۷۔ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ص وَ
جو توڑتے ہیں خدا کا عہد بعد مضبوطی کے اس کی، اور
يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ
کاٹتے ہیں جو حکم دیا اللہ نے اس کا یہ کہ جوڑا جائے اور فساد پھیلاتے ہیں زمین میں
اُولٰٓئِكَ یہ (ہی) هُمُ لوگ۔ الْخٰسِرُوْنَ ○ نقصان اٹھانے والے ہیں

اے بندگان خدا! پچھلی آیت میں فاسق کا لفظ آگیا ہے، اس آیت میں فاسق کی تعریف کی گئی ہے، یہ آیت قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے فاسق وہ ہیں جو اللہ کے عہد کو مضبوطی کے بعد توڑتے ہیں اور جس چیز کے جوڑنے کا خدا نے امر کیا ہے اس کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، بس یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ فاسق یا اصلی نقصان خوردہ آدمی وہ ہے جس میں تین نافرمانیاں جمع ہو جائیں (۱) وہ عہد اللہ کو توڑے (۲) وہ امر اللہ کو بھی توڑے (۳) وہ امن زمین کو بھی توڑے۔ عہد، امر اور امن تین الگ الگ سچائیاں ہیں اور انہی میں تمام انسانی فائدوں کا راز پنہاں ہے۔ اگر کوئی شخص ان تین میں سے کسی ایک کی پابندی بھی کرلے تو وہ ضرور فائدہ پا سکتا ہے۔ اس دنیا میں اصل نقصان زدہ انسان وہی ہے جو ان تینوں کو ترک کردے۔ عہد اللہ کے توڑنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ فطرت کے اصولوں کی پیروی نہیں کرتے۔ مثلاً عورت اور مرد کا تعلق، یا ہمسایہ پر رحم، یا والدین کا ادب، یہ سب فطری اصول ہیں مگر وہ کسی فطری اصول پر نہیں چلتے۔ امر اللہ سے مراد شرعی احکام ہیں مثلاً نماز پڑھو، حج کرو، سود نہ لو، وہ ان اصولوں پر بھی نہیں چلتے۔ امن زمین سے مراد وہ قاعدے ہیں جو انسان خود آپس میں طے کرتے ہیں، وہ انکی پابندی بھی نہیں کرتے۔ اب آپ غور فرمائیے جو لوگ نہ اپنی فطرت کے اصولوں کی پیروی کریں، نہ شریعت کے اصولوں کی، نہ باہمی سمجھوتے کی، وہ کیسے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

۲۸۔ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَکُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَ اَحۡیَاکُمۡ ثُمَّ
کس طرح تم حق نہیں پہچانتے اللہ کا اور تم تھے مردہ پھر اُس نے زندہ کیا تمکو پھر
یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ○
وہ مارے گا تم کو پھر وہ جلائیگا تم کو پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤگے

اے بندگان خدا! ۲۱ ویں اور ۲۲ ویں آیت میں آپ قرآن کا اصل پیغام سن چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس پیغام کو قبول کرنے کے لیے آپ سے تین باتیں فرمائی ہیں، ایک یہ کہ خدا نے آپ کو پیدا کیا ہے، یہ خدا تعالیٰ کا آپ پر ذاتی احسان ہے، پھر اس نے آپ کے پہلوں کو پیدا کیا ہے، یہ خدا تعالیٰ کا آپ پر نسلی احسان ہے، پھر اسی نے آپ کو زمین و آسمان اور تمام سامان زندگی عطا فرمایا ہے، ان سب احسانوں کا بدلہ یہ ہے کہ آپ قرآن کے قانون کی پیروی کریں (۲) لیکن اگر آپ کو قرآن کے قانون خدا ہونے میں شک ہے تو پھر سب انسان مل کر کوئی اس جیسی سورت بنانے کی کوشش کریں، اس سے یہ بھی شک دور ہو جائیگا۔ اب آخری بات جو آج کی آیت میں بیان کی گئی، یہ ہے کہ آپ اس سلسلہ زندگی کو دیکھیں کہ کس طرح اس میں وقت بہ وقت تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں، پہلے آپ مردہ تھے، پھر اس نے آپ کو زندہ کیا۔ اس زندگی کے بعد آپ پھر مر جائینگے، مگر یہ موت بھی آخری نہیں ہے، اس کے بعد آپ پھر زندہ ہوں گے اور اس کے سامنے حاضر کئے جائیں گے تاکہ وہاں اپنے عملوں کا حساب دیں اور بتائیں کہ آپ نے قانون خدا کی اطاعت کی تھی یا ماسوا کے قانون کی؟ جب آپ کی زندگی کا اول اور آخر سب خدا ہی کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ کیسے خدا کے بادشاہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اے بندگان خدا! آپ زندگی اور موت کے اس چکر کو سمجھیں اور خدا کو اپنا حقیقی بادشاہ سمجھ کر اسی کے قوانین و احکام کی پیروی کریں۔

Marfat.com

۲۹۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا قَ ثُمَّ اسْتَوٰٓی
وہی جس نے بنایا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب۔ پھر قصد فرمایا
اِلَی السَّمَآءِ فَ سَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ
طرف آسمان کے پس درست کیا اُن کو سات آسمان اور وہ ہر چیز کو جاننے والا

اے بندگان خدا! اس ۲۹ ویں آیت سے بحث کا سلسلہ پھر بدلتا ہے۔ یہاں بتایا جائیگا کہ انسانی زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ اس زندگی کی تقدیر کیا تھی؟ یہ زندگی کیونکر اٹھی کیونکر گری؟ پھر کیونکر سنبھلی؟ اور انسان کو اپنی پوری تقدیر پر قبضہ پانے کے لئے خدا کے قانون کی اطاعت کس قدر ضروری ہے؟ ۲۱ ویں آیت میں خدا تعالیٰ نے آپ پر اپنی منشاء ظاہر فرما دی ہے کہ آپ اسی کے قانون کی پیروی کریں اور غیر طاقتوں کے قوانین کو ٹھکرا دیں۔ آپ پوچھیں گے کہ ہم ایسا کیوں کریں؟ اب ۲۹ ویں آیت میں عقلی اور تاریخی حیثیت سے اسی راز کو بے پردہ کیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسانی زندگی کی دو تقدیریں ہیں، انسان کا ایک حصہ وہ ہے جو اُسے زندگی میں ملتا ہے، دوسرا حصہ وہ ہے جو اُسے موت کے بعد ملیگا۔ پس ہر ایک شخص کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ میرے لئے دو جہان ہیں جن کی نعمتوں پر مجھے قبضہ کرنا ہے۔ یہ قبضہ اُسے صرف اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ سب لوگ ماسوا کے قوانین کو ٹھکرا کر انسانی غلامی سے آزاد ہو جائیں اور خدا کے قوانین پر چل کر خدا کی ان سلطنتوں پر جو اس نے انسان کے لئے پیدا کی ہیں، قبضہ کرلیں۔

اے بندگان خدا! آیت کہتی ہے، هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ خدا تعالیٰ نے جو کچھ بھی زمین میں پیدا کیا ہے، وہ سب آپ کیلئے ہے۔ صرف یہی نہیں، ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ "ثُمَّ" کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کے لئے زمین کی سب دولتیں پیدا کرنے کے بعد خدا نے آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی ...... اور سات آسمان بنا دیئے۔ یہ وہ مملکت ہے جو موت کے بعد آپ کو ملیگی۔ ان دونوں تقدیری سلطنتوں کو حاصل کرنیکی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ آپ خدا کے قوانین پر چلیں۔ اسی کا نام خلافت ہے۔

Marfat.com

۳۰۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے کہ مَیں بنانیوالا ہوں زمین میں ایک خلیفہ

اے بندگانِ خدا! پہلی آیت میں بتایا گیا کہ وہ دو ملک ہیں جن پر آپ نے قبضہ کرنا ہے، ایک ملک پر اپنی موجودہ زندگی میں اور دوسرے پر موت کے بعد۔ ۲۹ ویں آیت میں کہا گیا ہے کہ جب خدا نے آپ کے لیے زمین کی تمام دولتیں بنالیں اور اس کے بعد آسمانوں کی طرف متوجہ ہو کر ایک اور نئی دنیا بھی آپ کے لئے بنا ڈالی تو اس کے بعد اس نے فرشتوں سے کہا، میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ انسانی زندگی کے آغاز کا پہلا اعلان تھا، اس اعلان میں انسان کو جو درجہ دیا گیا، وہ حاکم کا نہیں بلکہ خلیفہ کا ہے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق حکومت یا بادشاہی کا حق صرف ایک خدا کو ہے، کسی بھی انسان یا انسانی جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود قانون بنائیں اور اپنے جیسے انسانوں کو ان احکام پر چلنے کا حکم دیں، اوّل اس لئے کہ انسانوں کا علم ناقص ہے، اس لئے اُن کے بنائے ہوئے قوانین ہمیشہ نقص، تبدیلی اور ابتری کا ذریعہ بنے رہیں گے۔ دوم اس لئے کہ کبھی کوئی انسان کمزوریوں سے پاک نہیں ہو سکتا، اس واسطے اُن کے بنائے ہوئے قانونوں میں بھی ظلم، رعایت اور کمزوریاں بہر حال موجود رہیں گی۔ چونکہ خدا کی رحمت کو یہ منظور ہی نہیں تھا کہ انسانوں کو حاکم اور محکوم میں تقسیم کیا جائے، اس واسطے اس نے انسان کو حاکم کا درجہ نہیں دیا، بلکہ خلیفہ ہونے کا درجہ دیا ہے۔ خلیفہ کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کا بادشاہ خدا ہے، اور انسان زمین پر اس کا نائب ہے۔

اے بندگانِ خدا! چونکہ زمین میں آپ کا درجہ حکومت نہیں بلکہ خلافت ہے، اس واسطے آپ یہ اچھی طرح سمجھیں کہ خدا کی نیابت یا خلافت کا مطلب کیا ہے؟ خلافت توحید کا

Marfat.com

لازمی نتیجہ ہے۔ خلافت کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی محدود طاقتوں کے مطابق زمین میں خدا کی نقل کرے۔ یعنی انسان اپنی طاقت کے مطابق اپنے اندر خدا کی صفتیں جذب کر لے اور پھر اُن سے زمین میں کام لے خدائے پاک رحیم یعنی رحم کرنے والا ہے۔ عادل یعنی انصاف کرنے والا ہے، حکیم یعنی حکمت و دانائی کا مالک ہے، حلیم یعنی بردبار ہے۔ مالک الملک یعنی ملک کا حاکم ہے۔ مدبّر امر یعنی مخلوق الٰہی کا انتظام کرنے والا ہے، موجد و صانع یعنی ایجاد کرنے والا اور بنانے والا ہے، پس ہر ایک انسان کو اسی طرح اپنے مالک کی پیروی میں رحم دل، عادل، دانا، دانش مند، بردبار، موجد اور صانع ہونا چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے آپ میں سے ہر ایک شخص کو اپنے حلقہ عمل میں خلافت اور اختیار دیا ہے۔ جس طرح بادشاہ کو اپنی رعایا کے ساتھ نیک سلوک کرنا لازم ہے، ٹھیک اسی طرح ہر ایک انسان کو اُس تمام مخلوقات کے ساتھ جسے حکم خدا نے اُس کا محکوم بنا دیا ہے، نیک سلوک کرنا چاہیے۔ انسانی کمال کا آخری درجہ یہ ہے کہ ہر انسان خلافت کا درجہ حاصل کر لے۔ یعنی اپنے آپ کو خدا کے رنگ میں رنگ دے۔ خدائے پاک کسی کا غلام نہیں، انسان بھی خدا کے سوا کسی کا غلام نہ ہو۔ خدا انسانوں کے بہت سے عیبوں کو ڈھانپتا ہے، انسان بھی اپنے بھائیوں کے عیب پر پردہ ڈالے اور غیبت نہ کرے، خدا اپنے بندوں پر ہمیشہ بڑے بڑے احسان کرتا ہے، بندے بھی ایک دوسرے پر احسان کریں۔ کائنات کی ہر چیز پر خدا کی حکومت ہے، انسان بھی حکم خدا کے مطابق زمین پر حکومت کرے۔ خدا تعالیٰ عجیب و غریب چیزیں ایجاد کرتا ہے، انسان بھی اپنی حد میں اسی طرح موجد اور صانع بنے۔ اب ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ یا وہ زمین میں خدا کے رنگ سے رنگین ہے؟ اگر نہیں ہے تو آؤ، اس کے لیے کوشش کریں اور اپنے درجہ کو پہچانیں۔

Marfat.com

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ
انہوں نے کہا کیا تو بنائیگا اِس میں جو فساد مچائے اِس میں اور بہائے خونوں کو
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط
اور ہم پاک کہتے ہیں ساتھ تعریف کے تجھکو اور بے عیب کہتے ہیں تجھ کو

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا، کیا تو زمین میں وہ خلیفہ بنائیگا جو اس میں فساد مچائے اور خون بہائے۔ حالانکہ ہم ہر وقت تیری تعریف کے گیت گاتے رہتے ہیں۔ فرشتوں کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ خلافت تو بے شک بن جائیگی مگر انسانوں کے خون اور فساد کا حل کیا ہوگا؟ آیت کی تشریح سے پہلے یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ قرآن نے ۲۹ سے ۳۹ آیت تک دس جملوں میں حضرت آدم کی خلافت کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جس طرح کسی درخت کے بیج میں اُس درخت کی پوری تصویر اور تاریخ موجود رہتی ہے، اسی طرح پیدائش آدم سے قیامت تک کی انسانی دنیا کی پوری سیاسی تاریخ اِن دس جملوں میں موجود ہے۔ اگر آپ ان دس آیتوں کو تسلّی کے ساتھ سمجھ لیں تو ایسا ہوگا کہ گویا آپ نے تمام انسانی تاریخ کو سمجھ لیا۔

اے بندگانِ خدا! ایک دفعہ پھر شروع سے یہ واقعہ دیکھئے۔ سب سے پہلے خدا نے وہ ملک اور وہ خزانہ بنایا جو انسان کے لئے مقدر تھا۔ هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ۔ خدا کی یہ ساری زمین اور اس کے اندر جو کچھ بھی ہے، وہ سب آپ کا ہے اور آپ کے بھائیوں کا ہے، صرف یہی نہیں، وہ یہ سب کچھ بنا دینے کے بعد پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے سات آسمان بنا دیئے۔

Marfat.com

اس میں خدا کا یہ اشارہ ہے کہ میں اپنے جس نائب کو پیدا کر رہا ہوں، اگر وہ میرے قانون کی پابندی کرے گا تو زمینی دولتوں کے علاوہ آسمانوں کے سات درجے اور سات بلندیاں بھی اسی کی ہیں۔ جب زمین و آسمان کا نظام پیدا ہو چکا تو اس نے خلافت کا اعلان کیا اور فرشتوں سے فرمایا "اے فرشتو! میں زمین میں اپنا نائب پیدا کرنے والا ہوں" اس آیت نے اس بات پر مہر لگا دی کہ ہر انسان کائنات عالم میں خدا کا نائب ہے۔

اب آگے چلئے، جب یہ بات فرشتوں نے سنی تو کہنے لگے "اے خدا! کیا تو زمین میں اُس کو اپنا نائب بنائے گا جو خون اور فساد کرے، حالانکہ ہم ہر وقت تیری حمد کرتے رہتے ہیں" اس سے کئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اوّل۔ سیاسی طاقت کتنی بڑی چیز ہے۔ اگرچہ فرشتوں میں اعلیٰ جذبات اور اطاعت کے سوا اور کچھ موجود ہی نہیں ہے، تاہم اُن کے جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی سیاسی طاقت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ دوم۔ انسانی سیاست میں سب سے کڑوی چیز نامزدگی ہے۔ خدا نے آدم کو خلافت کے لئے نامزد کیا تو فرشتوں نے سوال اُٹھا دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خود خدا بھی کسی شخص کو کسی سیاسی عہدے پر نامزد کریگا تو فرشتے بھی جو اطاعت کے سوا اور کچھ نہیں جانتے ہیں، اس پر ضرور سوال اٹھائیں گے۔ سوم۔ زمینی سیاست کا سب سے مشکل پہلو خون، فساد اور بدامنی کی روک تھام ہے۔ چنانچہ اُس وقت جبکہ پہلا خلیفہ بنایا جا رہا ہے، فرشتوں نے کہہ دیا کہ ان چیزوں کا کیا انتظام ہوگا؟ اس کہانی سے ثابت ہوا کہ زمینی سیاست اور خلافت میں اصلی مشکلات تین ہیں۔ ایک یہ کہ ہر شخص سیاسی طاقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ دوم یہ کہ نامزدگی اور انتخاب کا سوال کیونکر حل ہو؟ سوم یہ کہ زمین کے اندر خون، فساد اور بدامنی کی مشکلات پر کیونکر قابو پایا جائے؟

Marfat.com

مصالح خلافت ۵۰۔ انسانی زندگی کی تنظیم رازداری اور مقابلہ

قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

خدا نے کہا تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

اے بندگان خدا! جب خدا تعالیٰ نے طے کر دیا کہ انسان زمین میں میرا نائب اور خلیفہ ہوگا تو اس وقت کی بہترین نوری مخلوق نے انسانی زندگی اور انسانی اقتدار کا وہ پہلو پیش کیا، جو سب سے زیادہ کٹھن، دردناک اور قابل نفرت تھا۔ فرشتوں نے کہا، تمام انسان جب اپنی اپنی فطرت کے اندر سے "خودی کی یہ آواز سنیں گے کہ ہم خدا کے نائب ہیں، تو پھر وہ سب ضرور آپس میں ٹکرا جائیں گے اور اس سے زمین میں فساد اور خونریزی شروع ہو جائیں گے۔ یہ زندگی کا ایک پہلو تھا۔ اسی کے ساتھ فرشتوں نے زندگی کا دوسرا پہلو بھی پیش کیا اور یہ کہا کہ اے خدا! ہماری طرف بھی دیکھنا چاہیئے۔ ہم ہر وقت تیری حمد اور تعریف میں لگے رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسانی زندگی شروع ہو رہی تھی تو اس وقت زندگی کے دونوں پہلو زیر نظر تھے۔ جنگ اور فساد کا پہلو بھی اور حمد و ثنا کا پہلو بھی، زندگی کی حیوانیت بھی سامنے تھی اور زندگی کی ملائکیت بھی سامنے تھی۔ فرشتے یہ کہتے ہیں کہ انسان کو اس قدر بڑا درجہ تو دیا جا رہا ہے مگر اس کی خود پرستی، نفسانیت، فساد، خودغرضی، خونریزی اور کبر و غرور کا علاج کیا ہوگا؟ خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں انسانی زندگی میں فساد اور خونریزی کے وجود سے انکار نہیں کیا بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ "اے ملائکہ، جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے"۔ آپ اس جواب کی نوعیت پر غور کیجیے، آپ کو اعلانِ نامزدگی، مشکلات امن اور سوال و جواب کی یہ خاص نوعیت ایسی ہی معلوم ہوگی جیسی کہ آپ روزمرہ پارلیمنٹوں میں دیکھتے ہیں۔ اس جواب سے ظاہر ہے کہ سیاسیات میں رازداری اور مصلحت کس قدر اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس

Marfat.com

جواب کا مطلب یہ تھا کہ یہ فساد اور خونریزی کا پہلو جسے تم پیش کر رہے ہو، میرے علم میں اور میری مصلحت کے ماتحت ہے اور اس کا علاج اور نتیجہ بھی میرے علم میں ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ علم اور مصلحت کیا ہیں؟ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دنیا کی ہر پیدائش کے دو پہلو ہیں۔ جس طرح انسان میں نیکی اور بدی دونوں قسم کی قوتیں ہیں۔ اسی طرح قدرت کی پیدا کی ہوئی تمام چیزوں میں خیر اور شر کے دونوں پہلو موجود ہیں اور انہیں انسان اچھے یا برے طور پر استعمال کر سکتا ہے، مثلاً انسان، زبان سے گالی، غیبت اور جھوٹ بھی کہہ سکتا ہے اور محبت، نصیحت، علم اور سچائی کے الفاظ بھی ادا کر سکتا ہے، اسی طرح دل کو نیک، اعلیٰ اور دانائی کے خیالات کا ٹھکانا بھی بنایا جا سکتا ہے اور اس کے برخلاف اس میں دغا، فریب، بدی اور کینہ بھی بھرا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آپ لکڑی لوہے وغیرہ سے اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے بہترین ہتھیار، برتن اور اوزار بھی تیار کر سکتے ہیں اور اسی لوہے لکڑی سے قتل و غارت، ڈاکہ اور چوری میں بھی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ سنکھیا اور تیزاب سے بڑے بڑے مفید کام بھی لے سکتے ہیں اور شہد و شکر جیسی مفید و لذیذ چیزوں کو بے موقع استعمال کر کے ہلاکت کا سامان بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ فساد کی طاقت نہ ہاتھ میں ہے اور نہ تلوار میں بلکہ انسان کی استعمال کرنے والی طاقت میں ہے۔ فرشتوں میں تو سرے سے گناہ کر سکنے کی طاقت ہی نہیں ہے اس واسطے وہ بغیر کسی رکاوٹ، ہمت، بحث، محنت اور مقابلہ کے نیکی اور بڑائی کا اظہار کر سکتے ہیں، لیکن انسان کے سامنے شہوت، غصہ، لذت، گناہ، بھوک، پیاس، نیند، مقابلہ باہمی کے ہزاروں پتھر موجود ہیں۔ اگر آپ انہیں طے کر کے پھر نیکی اور کمال کی چوٹی پر پہنچ جائیں تو آپ فرشتوں سے بہت زیادہ نیابت الٰہی کے حقدار ہو گئے۔ بس مصلحت الٰہی بھی یہی تھی کہ انسان مشکلات کے سمندر سے نکل کر درجہ نیکی کو حاصل کرے

ذریعۂ قیام خلافت ۵۱۔ انسانی زندگی کی تنظیم انسان کی علمی طاقت

۳۱۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

اور اُس نے سکھائے آدم کو نام سارے

اے بندگانِ خدا! خلافت کے معنی اور خلافت کی مشکلات بیان کی جا چکیں آپ ایک دفعہ پھر ان چیزوں کو صاف طور پر سمجھ لیں۔ خلافت الٰہی کا مطلب وہ اختیارات ہیں جو خدا تعالیٰ نے آپ کو دیئے ہیں، یہ اختیارات نہ جمادات کو دیئے گئے ہیں، نہ نباتات کو، نہ چاند اور سورج کو، نہ حیوانات کو، نہ ملائکہ کو، یہ صرف انسان کو دیئے گئے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں خاص حدود کے اندر زمین میں جو چاہے کرے، جب انسان کو یہ اختیارات ملے تو یہ کہا گیا تھا کہ وہ اللہ کے رنگ میں رنگا جائے اور اپنی طاقت کے مطابق اپنے اندر علم، رحمت، عدل، انتظام، حکومت، ایجاد وغیرہ خدائی صفات پیدا کر کے زمین میں بسے اور خدا کی اُن نعمتوں اور خزانوں سے پورا فائدہ اٹھائے جو اُس نے زمین میں اس کے لئے جمع فرما دیئے ہیں، ایسی زندگی کی راہ میں مشکلات دو ہیں، ایک یہ کہ آپ کو نیکی کے علاوہ بدی کرنے کا اختیار بھی ہے، مثلاً زبان آپ کے قابو میں ہے، آپ اس سے جھوٹ بھی بول سکتے ہیں اور سچ بھی۔ اب مشکل یہ ہے کہ جب بھی آپ جھوٹ بولیں گے آپ درجۂ خلافت سے گر جائیں گے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ آپ ہی کی طرح، دنیا کی ہر ایک چیز میں نیکی اور بدی کے استعمال کی گنجائش ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جب آپ روٹی پکانا چاہیں تو آگ جل پڑے لیکن اگر آپ کسی غریب کے گھر کو پھونکنا چاہیں تو وہ بجھ جائے مختصر یہ کہ جب بھی آپ اپنی طاقتوں یا دنیا کی چیزوں کو بے محل استعمال کرتے ہیں تو اُسی وقت دنیا میں ظلم، فساد، گناہ اور بدامنی پیدا ہو جاتی ہے اور آپ فوراً ہی نائب خدا کے درجہ سے گر جاتے ہیں۔ زندگی کا یہی پہلو خلافت کے راستے میں اصل روک ہے

Marfat.com

اے بندگان خدا! یہاں آپ پوچھیں گے، پھر کیا ہو کہ انسان غصہ، شہوت، بھوک پیاس، غرور، نفسانیت، خود غرضی، نیند، تھکان، دولت، طاقت، حکومت، ہتھیار، زر و مال، اولاد، سامان وغیرہ رکاوٹوں کے باوجود اللہ کے رنگ میں رنگا جائے اور زمین کے اندر اپنے اختیارات کو صحیح استعمال کرے؟ آج کی آیت اسی سوال کا جواب ہے۔ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ جس انسان کو میں زمین میں اپنا نائب بنا رہا ہوں، اس کو یہ مشکلات پیش ہونے والی ہیں، پس، اس کریم کارساز نے اُن کا علاج بھی کر دیا، وہ علاج یہ تھا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا، اُس نے آدم کو علم پڑھایا تمام چیزوں کے ناموں کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اختیارات مل جانے کے باعث جتنی بھی مشکلات پیش آسکتی ہیں، ان سب کا حل "علم" ہے۔ کونسا علم؟ منطق نہیں، فلسفہ نہیں، صرف ونحو نہیں، بلکہ وہ علم جس میں چیزوں کے نام معلوم کرنے کی ضرورت پڑے۔ یعنی عملی، صنعتی اور تجارتی، طبی اور کیمیائی، طبعی اور مادی علوم۔ یہاں یاد رکھئے کہ کوئی قوم جتنی زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے، اسے اتنے ہی زیادہ چیزوں کے نام یاد ہوتے ہیں۔ زمانہ جہالت کے آدمیوں کو صرف چند اوزاروں یا چیزوں کے نام یاد ہوتے تھے مگر اب لباس، غذا، سائنس، صنعت، طب، اعضائے جسمانی، آلات جنگ کے سلسلے میں اس قدر نئے نئے نام نکل آتے ہیں کہ اُن کا شمار بھی نہیں ہو سکتا۔ جو قوم جتنا زیادہ ان علوم کی طرف توجہ کرے گی، وہ زمین میں خدا کی طرف سے اسی قدر زیادہ اختیارات کی مالک ہوتی جائے گی۔ زمین میں مالک اختیارات ہونے کے لئے عملی صنعت، سائنس، جنگ، بحری، بری اور ہوائی طاقتوں کے علم کی ضرورت ہے اور پھر انسانوں میں عدل اور امن کو قائم کرنے کے لئے اخلاقی، روحانی اور دینی علموں کی ضرورت ہے۔ بہر حال زمینی خلافت کے راستے کی مشکلات کا حل یہ ہوا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو مادی علم سکھا دیئے۔

Marfat.com

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو

۳۲- قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

فرشتے بولے تو پاک ہے نہیں علم ہم کو مگر جتنا سکھایا تو نے ہمکو بیشک تو علم والا حکمت والا ہے

(ترجمہ) خدا نے حضرت آدمؑ کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا، اے خدا! تو پاک ہے، ہم کو تو اسی قدر علم ہے، جتنا تو نے سکھایا، اصلی علم والا اور حکمت والا تو ہی ہے۔

اے بندگان خدا! جب خدا نے انسان کو اختیارات دے کر اسے زمین اپنا نائب بنا دیا تو فرشتوں نے کہا، اے خدا! یہ انسان تیرے رنگ میں رنگین ہو کر کس طرح زمین کی بادشاہی کرے گا، جبکہ اس کی بناوٹ میں حیوانیت، غصہ، انتقام اور خود پرستی وغیرہ چیزیں موجود ہیں، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ یہ ذرا بھی سرکشی نہ کر سکتا جیسے کہ ہم ہر وقت تیری حمد و تعریف میں لگے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جواب دیا، اے ملائکہ! جو کچھ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ فرشتوں کا مطلب یہ تھا کہ قانون خدا کی ایسی اطاعت، جو انسان کو خدا کے رنگ میں رنگ دے، انسان کو کیسے میسر ہو سکتی ہے؟ اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ انسان، خدا کے عدل، رحمت، پردہ پوشی، حلم، علم اور حکمت کی تصویر بن کر زمین میں راج کرے گا؟ لیکن خدا تعالیٰ کی حکمت کچھ اور تھی، اس نے آدم کی فطرت کو علمی طاقت دی جس سے اس میں دو قسم کی قابلیتیں پیدا ہو گئیں، اول یہ کہ وہ جمادات، حیوانات اور نباتات کی مخفی طاقتوں سے کام لیکر تمام زمین پر تصرف کرنے کے قابل بن گیا۔ دوم یہ کہ اس کی ذاتی اور دوسری آفاقی طاقتو

Marfat.com

کے غلط استعمال سے جو شر کا پہلو پیدا ہو سکتا تھا، وہ اس سے بھی باخبر ہو گیا اور اس قابل بن گیا کہ وہ حیوانی اثر اور بدی کے پہلو پر غالب آکر خدا کے رنگ میں رنگین ہو سکے۔ مختصر یہ کہ حضرت آدم کو علمی طاقتوں سے مسلح کر کے فرشتوں کے سامنے لایا گیا، وہ صرف اتنا ہی جانتے تھے جو خدا نے انہیں بتایا تھا، کیونکہ وہ بغیر کسی ہمت و محنت اور ایجاد و اجتہاد کے محض خدا کی بخشش سے قبولیت کے درجہ کو پہنچے تھے۔ خدا نے فریقین کے سامنے چند سوالات یا نام رکھے، حضرت آدمؑ نے اپنی علمی قوت سے اُن کے نام بتا دیئے مگر فرشتے نہ بتا سکے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف اُسی قدر باتیں جانتے ہیں جتنی کہ خدا نے ہم بتائی ہیں۔ یہ اس امر کا اقرار تھا کہ فرشتوں کے پاس جو علم تھا، ترقی خیز نہیں تھا۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کی زندگی کی بنا اس بات پر ہے کہ اس کے پاس ترقی کرنے والا علم ہو (یعنی علم ایجاد) اور وہ دوسری طاقتوں کے مقابلے میں اپنی علمی برتری کا ثبوت دیتا ہے۔ غور کیجئے کہ قرآن کا یہ سبق کتنا قیمتی ہے۔ آج اہل یورپ صرف اس لئے زمین پر چھا گئے ہیں کہ ان کے پاس ترقی کرنے والا علم ہے اور وہ اپنی اس علمی طاقت سے روز بروز نئی نئی چیزیں ایجاد کر رہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ آیت بتاتی ہے کہ پہلے دن انسان کو جو برتری ملی تھی، وہ علمی مقابلہ کی وجہ سے ملی تھی۔ جب تک کوئی گروہ علمی مقابلے میں دوسرے گروہ پر غالب نہیں آئے گا، اُس کو سیاسی برتری بھی کبھی حاصل نہیں ہوگی۔ حضرت آدمؑ جب فرشتوں کے پر علمی مقابلہ میں کامیاب ہوئے تو ان کا عہدہ مسلم ہو گیا۔ آپ بھی جب علمی مقابلہ میں اپنی ہستی تسلیم کرا لیں گے تو زمین پر نصرت و اقتدار کے حق دار ہو جائیں گے۔ اے خدا! ہمیں علم عطا فرما ہماری جہالت کو دُور کر دے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم پیدائش سے موت تک علم حاصل کرنے میں مصروف رہیں۔

Marfat.com

۳۳۔ قَالَ یٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ
فرمایا اے آدم بتادے ان کو نام ان کے پس جب اس نے بتائے ان کو
بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ
نام ان کے، فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو تحقیق میں جانتا ہوں غیب آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○
اور زمین کا اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو ہو تم چھپاتے

مطلب یہ کہ جب فرشتوں سے چیزوں کا نام نہ بتائے گئے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم نام بتا دو۔ جب اس نے بتا دیئے تو پھر خدا نے فرشتوں سے فرمایا، کیا میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہوں اور جو کچھ تم چھپاتے یا ظاہر کرتے ہو، وہ بھی جانتا ہوں۔

اے بندگان خدا! آپ تھوڑی دیر کے لئے آدم اور ملائکہ کا نام الگ رکھ لیں اور اس واقعہ سے جو اب تک بیان ہوا، صرف یہ سمجھیں کہ انسانی زندگی کا اصل معاملہ کیا ہے پچھلی آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ اس نظام عالم کو بے شمار دولتوں کے ساتھ پیدا کر چکا تو سوال پیدا ہوا کہ کسی جماعت کو تصرف زمین کے اختیارات دے کر اسے زمین میں خدا کا نائب مقرر کر دیا جائے تاکہ وہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔ خدا نے اپنی حکمت سے اس کے لئے ایک جماعت کو نامزد کر دیا۔ اس پر ایک دوسرا گروہ سامنے آیا اور کہنے لگا، اے خدا! جب یہ حقیقت ہے کہ تیرے خزانوں سے وہی جماعت فائدہ اور آرام حاصل کر سکے گی جو تیرے حکم پر چلے گی، تو ہماری طرف دیکھ، ہم میں تو تیری نافرمانی کا مادہ ہی نہیں ہے۔ اب رہی دوسری جماعت تو اس میں نافرمانی کا مادہ صاف موجود ہے

Marfat.com

پھر ایسی فسادی اور خونخوار جماعت تیری نیابت کا حق کیسے ادا کرے گی؟ اس کے بعد حصول خلافت کے لئے دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہوا جن میں ایک جماعت کی خوبی یہ تھی کہ اُس میں سرے سے خدا کی نافرمانی کا کوئی مادہ موجود نہیں تھا مگر نقص یہ تھا کہ اس کے پاس اتنا ہی علم تھا جتنا کہ خدا نے اس کو دیا تھا، وہ اپنی علمی طاقت کو خود بڑھا نہیں سکتی تھی۔ دوسری جماعت میں نقص یہ تھا کہ اُس میں نافرمانی کا مادہ بھی موجود تھا اور اس کے ساتھ ہی گناہ، خود غرضی، غصہ، شہوت، بھوک، پیاس، اولاد، مال، دولت وغیرہ کئی قسم کے دھندے بھی لگے ہوئے تھے مگر خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی علمی طاقت کو بڑھا کر ان تمام نقصوں پر قابو پا سکتی تھی۔ ان دونوں جماعتوں کو خدا تعالیٰ نے زمین کے امن وانتظام اور خلافت وحکومت کے متعلق چند سوال دیئے۔ جس جماعت کے پاس ترقی کرنے والا علم نہیں تھا، وہ ان سوالات کو دیکھکر حیران رہ گئی اور اس نے لکھدیا اے خدا! ہم کو اتنا ہی علم ہے، جتنا تو نے دیا، لہٰذا ہم ان معاملات کو حل نہیں کر سکتے۔ دوسری جماعت کے پاس چونکہ ترقی کرنے والا علم تھا، اس واسطے اس نے اپنی کمزوریوں پر بھی قابو پالیا اور جن معاملات کو خدا نے پیش کیا تھا، اُن کا حل بھی بتا دیا۔ خدا نے دونوں جماعتوں کے پرچے دیکھے تو پہلی جماعت سے فرمایا، تم زمین پر میری نیابت کرنے کے قابل نہیں ہو۔ اس سارے واقعہ سے سبق یہ نکلا کہ زمین کی خلافت کے متعلق جب بھی دو طاقتوں میں جھگڑا ہوگا تو اس میں وہ لوگ کامیاب نہیں ہونگے جو مقدس بنے ہوئے رات اور دن صرف زبان سے اللہ اللہ تو کرتے رہتے ہیں مگر زندگی کے نئے نئے مسائل کو حل کرنے کی علمی اور عملی طاقت نہیں رکھتے بلکہ خلافت زمین انہی لوگوں کو ملے گی جو اپنے علم کو بڑھا کر اُن طاقتوں پر قبضہ کرلیں جو ہوا، پانی، زمین، آسمان کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ آؤ، ترقی کرنے والا علم حاصل کریں۔ کوئی قوم علم کے بغیر عزت نہیں پا سکتی۔

Marfat.com

قیام خلافت ۵۴۔ انسانی زندگی کی تنظیم علم ایجاد

۳۴۔ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِ اٰدَمَ فَ سَجَدُوْٓا

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو واسطے آدم کے پس انہوں نے سجدہ کیا

اے بندگان خدا! جب انسانی زندگی شروع ہوئی تو اس وقت پہلا سوال یہی سامنے آیا کہ زمین میں نیابت الٰہی کا اختیار کس کو دیا جائے؟ فرشتوں نے کہا، ہم کو۔ کیونکہ ہم خدا کی حمد اور تعریف کرتے ہیں اور ہر وقت خدا خدا کرتے رہتے ہیں۔ آدم علیہ السلام نے علمی اور عملی قابلیت کا ثبوت دیا۔ علم اور یاد خدا دونوں میں سے کسی ایک پر فریقین کا امتحان کیا جا سکتا تھا۔ مگر خدائے حکیم نے علم کو سامنے رکھکر مقابلہ کرایا، یاد خدا پر مقابلہ نہیں کرایا۔ اس میں ایک عجیب سبق موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین کے امن و انتظام کا تعلق علم سے ہے نہ کہ لفظی یاد خدا سے۔ اگرچہ فرشتے رات اور دن خدا کی تعریفیں کرتے تھے لیکن مقابلہ خلافت کے وقت ان کے اس عمل کو کچھ بھی وزن نہیں دیا گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کی سیاست اور خلافت کا تعلق علم سے ہے۔ تسبی پھیرنے سے نہیں ہے۔ پھر مقابلہ کے بعد ملائکہ کو جو ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہتے تھے؛ حکم ہوا کہ وہ آدم (علم) کو سجدہ کریں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کی بزرگی، بڑائی اور امامت کا انحصار علم پر ہے اور علم ایک ایسی طاقت ہے جس سے انسان اس قابل بن سکتا ہے کہ فرشتے بھی اس کے سامنے جھک جائیں۔ اس وقت فرشتوں کی جماعت خدا تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز اور مقبول تھی، جب فرشتوں نے علم کو سجدہ کر دیا تو سمجھئے کہ اُن سے کمتر مخلوق بھی علم کے سامنے سجدہ ریز ہوگئی۔ جس سے ثابت ہوا کہ خدا کی مخلوق میں علم سب سے بڑی طاقت ہے۔ انسان کی بزرگی کی بنیاد علم ہے بادشاہت کی بنیاد علم ہے، نیابت و خلافت الٰہی کی بنیاد علم ہے، علم کا درجہ یاد خدا

سے بھی اونچا ہے۔ وہ لوگ جو رات اور دن صرف زبان ہلا کر خدا کا نام لیتے رہیں اور فرشتوں جیسی پاک اور بے عیب زندگی بسر کریں، وہ بھی علم کے بغیر انسانیت کا اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ فرشتوں کی موجودگی میں انسان بنایا گیا تھا، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو بنانے کی غرض یہ نہیں تھی کہ وہ صرف زبان سے خدا کی تعریف کرتا رہے بلکہ غرض یہ تھی کہ وہ علم کے درجے کو سمجھے اور علم کے ذریعہ سے خدا کی مخفی رحمتوں اور نعمتوں کو بے نقاب کر دے۔ اگر زندگی کا مقصد صرف یادِ خدا ہوتا تو یہ چیز فرشتوں کو پہلے سے حاصل تھی۔ ان کی موجودگی میں انسان کو نہ بنایا جاتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کا مقصدِ حیات یہ تھا کہ اس کے ذریعے سے علم کے معجزات ظاہر ہوں۔ وہ قومیں جو علم کی طرف توجہ کرتی ہیں، وہ خدا کے راز کو پا لیتی ہیں، قدرت کے مخفی خزانوں پر قابض ہو جاتی ہے اور علم کی بدولت ایسا درجہ حاصل کر سکتی ہیں جو فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ افسوس کہ ہم لوگ علم کے نہ ہونے سے روز بروز گرتے جا رہے ہیں۔ آپ اگر نیابتِ الٰہی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو علم کی طرف توجہ کیجئے۔ علم کا اصلی خزانہ قرآن پاک ہے، جب آپ قرآن کی روشنی میں ہر قسم کی علمی طاقتیں حاصل کرینگے تو آپ کو یادِ خدا کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور خدا کی نیابت کا درجہ بھی مل جائیگا۔ پس آپ دین اور دنیا دونوں قسم کے علوم کی طرف توجہ کریں۔ بہت سے لوگ گوشوں میں بیٹھکر رات اور دن صرف زبان سے خدا کا نام لیتے رہتے ہیں اور دنیا کے علمی جہاد میں کچھ حصہ نہیں لیتے۔ زبان سے خدا کا نام لینا بڑی ہی بابرکت بات ہے لیکن اس سے بھی بابرکت بات یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی سے خدا کے عجائبات کو سمجھیں اور اس کے قوانین کی اطاعت کر کے اس کی رحمتوں کے مالک بن جائیں۔ اے خدا، ہمیں علم کی طاقت عطا فرما۔

Marfat.com

خلافت میں بغاوت ۵۵ انسانی زندگی کی تنظیم کفر و نافرمانی کا آغاز

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے انکار کیا اور غرور کیا اور تھا وہ کافروں سے

آیت کا ترجمہ یہ ہے، فرشتوں نے سجدہ کر دیا مگر شیطان نے سجدہ نہ کیا، اس نے انکار کیا، تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

اے بندگان خدا! آپ کو کسی پچھلے سبق میں بتایا گیا تھا کہ حضرت آدمؑ کے واقعہ میں تمام انسانیت کی تاریخ چھپی ہوئی ہے۔ فرشتوں کے سجدہ کے یہ معنی تھے کہ اس وقت امن اور نیکی کی جتنی بھی طاقتیں تھیں، ان سب نے انسان کے سامنے سر جھکا دیا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ایک اور طاقت ظاہر ہوئی۔ یہ نافرمانی کی طاقت تھی، اس طاقت کے ظاہر ہونے پر زندگی کے میدان میں تین طاقتوں کا ظہور ہو گیا۔ ایک طرف فرشتے تھے، یہ نیکی کی طاقت تھی۔ دوسری طرف شیطان تھا، یہ بدی کی طاقت تھا، اس نے انسان کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بدی کی طاقت انسان کے راستے میں سب سے بڑی روک ہے۔ جب تک انسان اس طاقت کو مغلوب نہ کر لے گا، اس کا اقتدار خطروں سے محفوظ نہیں ہو گا۔

اے بندگان خدا! آیت آپ کو یہ بھی بتلاتی ہے کہ شیطان کیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے شیطان کے تین وصف بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ، اس نے علم کی بزرگی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا (اَبٰى)۔ دوسرے یہ کہ اس نے غرور کیا (وَاسْتَكْبَرَ)۔ تیسرے یہ کہ وہ کفر کی زنجیر کا ایک پرزہ تھا۔ (وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ)۔ بس یہی تین بیماریاں ہیں جن سے خدا کی بادشاہت میں بغاوت پھیلتی ہے۔ نیکی کے نظام میں فتور پیدا ہوتا ہے۔ انسان کے قدم راہ حق سے ڈگمگا جاتے ہیں اور انسان خلافت خداوندی

Marfat.com

کے درجے سے گر کر کفر اور ذلت کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ آپ پھر اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ علم کی بزرگی سے انکار کرنا شیطنت ہے، غرور کرنا شیطنت ہے اور صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ ماننے اور اس کے قانون پر چلنے سے انکار کرنا شیطنت ہے۔ خدا تعالےٰ نے سب انسانوں کو حضرت آدمؑ کے واقعہ سے یہ سبق دیا ہے کہ آپ علم، خاکساری اور اطاعت کا راستہ اختیار کریں تاکہ خدا کی خلافت کا تاج آپ کی پیشانی پر رکھا جائے مگر افسوس کہ آج بے شمار انسان ان تینوں دولتوں کو کھو بیٹھے ہیں اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہی علم میں سب قوموں سے زیادہ پیچھے ہیں۔ غیر قوموں کی غلامی کرتے ہیں۔ خدا کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ ہم مسلمان کہلاتے ہیں۔ لیکن خدا کے حکموں کو نہیں مانتے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے دوست کا دروازہ چھوڑ دیا ہے اور دشمن کی راہ اختیار کر لی ہے۔ ہم کو سبق دیا گیا تھا کہ شیطان جہالت، غرور اور نافرمانی کے راستہ سے ہم حملہ آور ہوگا مگر افسوس کہ ہم نے خدا تعالیٰ کی اس تنبیہہ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ اگر آپ شیطانی قوتوں کو توڑنا چاہتے ہیں، اگر آپ بدی اور شر کی طاقتوں کو مغلوب دیکھنا چاہتے ہیں، اگر آپ نیابت الٰہی کے درجہ تک پہنچنا چاہتے ہیں تو آپ اپنے اندر علم کی طاقت پیدا کیجئے۔ غرور اور سرکشی سے تائب ہو جائیے۔ آپ خدا کے قانون کو سمجھئے اور اس کی اطاعت پر کمربستہ ہو جائیے پھر شیطانی طاقتیں آپ کے سامنے سر جھکا دیں گی اور آپ اس زمین پر صحیح معنوں میں خدا کے نائب بن جائیں گے۔

اے لوگو! آج جہالت، غرور اور نافرمانی نے انسان کو تباہ کر دیا ہے، آؤ، اس تباہی سے نکلیں اور علم حاصل کریں، علم والوں کی قدر کریں اور علم کے راستے پر چل کر خلافت اور آزادی کے مالک بن جائیں۔ اے خدا! ہم کو علم کی طاقت عطا فرما۔

Marfat.com

عروج خلافت — انسانی زندگی کی تنظیم ۵۶ — وصال جنت

۳۵۔ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

اور ہم نے کہا اے آدم تو بس تو اور تیری بیوی جنت میں اور دونو کھاؤ اُس میں

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ

بافراغت جہاں تم دونو چاہو اور قریب نہ جاؤ اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے تم ظالموں سے

آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ جب حضرت آدمؑ علم کے امتحان میں پاس ہو گئے تو خدا نے فرمایا، اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو، بافراغت کھاؤ مگر اس درخت کے پاس مت جاؤ۔ ورنہ تم ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان علمی کامیابی سے اپنی زندگی کا آخری آرام اور کمال حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت آدمؑ کو اُسی وقت جنت دی گئی جبکہ وہ علم کے مقابلے میں کامیاب ہوئے، انہیں انسانی زندگی کی آخری تقدیر اور کمال انسانی کی آخری منزل دکھا دی گئی تاکہ احکام الٰہی کی فرمانبرداری کرتے رہیں۔ اس آیت سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ خدا نے زندگی کے شروع ہی میں آدم کے سامنے دو راستے رکھ دیے تھے۔ ایک امر کا راستہ کہ یہ کرنا چاہیے اور دوسرا نہی کا راستہ کہ یہ نہیں کرنا چاہیے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ اگر اطاعت حکم کرو گے تو یہ جنت اور کھلی روزی ہے۔ اگر نافرمانی کرو گے تو نعمت سے محروم ہو جاؤ گے جنت کی بڑی خوبی یہ بتائی کہ وہاں کھلا رزق ملتا ہے۔ آج جن لوگوں کو یہ دولت حاصل ہے، انہیں سمجھنا چاہیے کہ ہمیں دنیا کا بہشت حاصل ہو گیا۔ اس آیت میں ایک اور قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جب خدا نے حضرت آدمؑ کو علم سکھایا، یا فرشتوں سے مقابلہ ہوا، اُس وقت عورت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لیکن جب یہ حکم ہوا کہ بہشت میں جاؤ اور کھلے کھانے کھاؤ تو اس وقت مرد کے ساتھ عورت کو بھی شامل کر دیا گیا، اس سے ثابت

Marfat.com

ہوا کہ عورت، مرد کی رفیق نعمت ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نیک عورت کا ساتھ اور کھلی روزی بہشت کی خاص نعمتیں ہیں

زوال خلافت — انسانی زندگی کی تنظیم — بذریعہ عورت

۳۶۔ فَ اَزَلَّ هُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَ اَخْرَجَ هُمَا مِمَّا كَانَا

پس پھسلایا دونو کو شیطان نے اُس سے پس نکالا دونو کو جس میں تھے دونو

فِيْهِ ص وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَ لَكُمْ

اُس میں، اور کہا ہم نے سب اُترو بعض تمہارے بعضوں کے دشمن ہیں، اور واسطے تمہارے

فِى الْاَرْضِ زمین میں۔ مُسْتَقَرٌّ ٹھہرنا ہے۔ وَّ مَتَاعٌ اور فائدہ ہے۔ اِلٰى حِيْنٍ ایک وقت تک

آیت کا مطلب یہ ہے۔ آدم اور حوّا جنت میں تھے کہ شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا اور جنت سے نکالا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سب اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اب تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور کام چلانا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ انسان کو زوال کیسے ہوتا ہے؟

اے بندگان خدا! آپ غور سے دیکھیں کہ زندگی کا میدان کس طرح آہستہ آہستہ وسیع اور پر شور ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے زمین و آسمان بنے، پھر آدم وجود میں آیا، پھر ملائکہ سے مقابلہ ہوا، اِسی سلسلے میں شیطان نے نافرمانی کا اعلان کر دیا۔ حصول کامیابی کے بعد آدم اپنی عورت کے ساتھ بہشت میں داخل ہوئے، یہاں انہیں زندگی کا قانون دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ کرنا اور یہ نہ کرنا۔ اب زندگی کے میدان میں سات طاقتیں مصروف عمل ہو گئیں (۱) آدم (۲) اس کی عورت (۳) شیطان (۴) ملائکہ (۵) کھلی روزی (۶) قانون امر و نواہی (۷) علمی طاقت۔ اب ان سات طاقتوں میں کش مکش جاری ہوتی ہے۔ آدم کے ایک طرف ملائکہ ہیں جو سراپا نیکی کا نمونہ ہیں۔ دوسری طرف شیطان ہے جو سر بسر بدی کا نمونہ ہے۔ ان دونو

Marfat.com

کے درمیان انسان ہے جو ان دونوں قوتوں کو دیکھ رہا ہے۔ علمی طاقت جو عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا کے ذریعہ سے اُسکو ملی ہے، وہ اسے ملائکہ کے نمونے پر چلنے اور خدا کے قانون کی پیروی کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ لیکن کھلے کھانے کی طاقت جو کُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا کے حکم کے مطابق اسے حاصل ہوئی ہے، وہ اسے شیطانی نمونہ کی طرف کھینچتی اور ممنوعات کا راستہ دکھاتی ہے اور وہ دونوں طرف سے اِس طرح کھینچا جا رہا ہے :-

منزل امر ← ملائکہ ← علمی طاقت ← آدم → کھلا کھانا → شیطان → منزل نہی

اب اس رسہ کشی سے جو چیز الگ ہے، وہ صرف عورت ہے، وہ جس طرف بھی ووٹ کرے گی، آدم اُسی طرف کو ڈھلک جائیگا۔ روایت ہے کہ خدا نے جس درخت کے قریب جانے سے آدم کو روکا تھا، عورت نے اسی درخت کے قریب جانے کے حق میں ووٹ دے دیا اور اس سے ان میں ایک نئی چیز پیدا ہو گئی، اختلاف اور دشمنی۔ اور وہ بہشت سے نکال دیئے گئے۔

اے بندگان خدا! آپ آدم کے زوال کی کہانی ایک دفعہ پھر دہرائیں۔ علمی کامیابی کے بعد حضرت آدمؑ بہشت میں داخل کئے گئے اور دو نعمتیں یعنی عورت کا ساتھ اور فراغت کا کھانا، انہیں عطا فرمایا گیا۔ اس سے پہلے وہ دیکھ چکے تھے کہ شیطان نے انہیں سجدہ نہیں کیا اور وہ بدی کی طاقت بنکر کمال انسانی کی راہ میں سب سے بڑی روک بن بیٹھا ہے حضرت آدم کے ایک طرف ملائکہ تھے جو سراپا نیکی کی طاقت ہیں۔ دوسری طرف شیطان تھا جو سربسر بدی کی طاقت ہے اور ان دونوں کے درمیان انسان تھا۔ انسان کو حکم یہ تھا کہ وہ شیطانی طاقتوں پر فتح حاصل کرکے فرشتوں کی طرح خدا کی اطاعت کرے اور خلافت الٰہی کے درجے کو پہنچے۔ اس مشکل مورچے کے لئے اس کو علم کے ہتھیار عطا فرمائے گئے تاکہ وہ اپنے اندر نیکی اور بدی کی تمیز پیدا کرکے برائی کی طاقتوں کو دبا دے اور نیکی کے بازوؤں

Marfat.com

پر پرواز کرتا ہوا دنیا اور آخرت کی سربلندیاں حاصل کرے۔ جب حضرت آدمؑ بہشت میں داخل ہوئے تو یہاں بھی دونوں راستے ان کے سامنے واضح کر دیئے گئے تھے۔ امر کا راستہ اور نہی کا راستہ۔ اور کہہ دیا گیا تھا کہ حکم کو بجا لاؤ گے تو جنت تمہاری، نافرمانی کرو گے تو ظلم لیکن اس کے باوجود فارغ البالی کے جوش اور عورت کی ترغیب نے اسے نہی کے راستے پر ڈال دیا جس سے شیطان کا منصوبہ پورا ہوا اور وہ جنت کی اعلیٰ ترین زندگی سے محروم کر کے زمین کی مشکل اور کٹھن زندگی میں ڈال دیئے گئے۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ آپ زندگی کا آرام صرف اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جبکہ آپ امر کے راستے پر چلیں۔ دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ نافرمانی کا راستہ خواہ کتنا بھی حقیر کیوں نہ ہو، انسان کے لئے اس میں بڑی کشش موجود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر صرف اتنی پابندی لگائی گئی تھی کہ اس درخت کے پاس مت جاؤ، یہ کتنی چھوٹی بات ہے، مگر پھر بھی پوری نہ ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اور نافرمانی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے جذبہ کو دبانا بھی کس قدر مشکل ہے۔ تیسرا سبق یہ ملتا ہے کہ انسان کی تباہی اور بربادی کی باگ بالکل عورت کے ہاتھ میں ہے اگر عورتیں جاہل ہوں تو مرد خواہ علامہ بھی ہو جائیں۔ انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ حضرت آدم کو بڑا علم تھا، اگر حوّا کو بھی اسی قدر علم ہوتا تو وہ آدم سے کبھی اختلاف نہ کرتی۔

جب حضرت آدمؑ جنت سے نکالے گئے تو خدا کی طرف سے اُن پر یہ جرم عائد کیا گیا کہ "تم سب ایک دوسرے کے دشمن ہو اس لئے یہاں سے نکل جاؤ"۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا "تم نافرمان یا ناشکر گزار ہو، اس لئے نکل جاؤ"۔ بلکہ صرف یہ فرمایا "تم نااتفاقی کرتے ہو اور ایک دوسرے کے دشمن ہو اس لئے نکل جاؤ"۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دشمنی اور نااتفاقی خدا کا وہ آخری عذاب تھا جس نے انسان کو جنت سے نکالا اور خدا کے بہترین انعامات سے محروم کر کے زمینی زندگی کی انتہائی دکھوں اور انتہائی

Marfat.com

مشکلات میں مبتلا کر دیا۔ جس طرح علم کی طاقت حضرت آدم علیہ السلام کے لیے حصول جنت کا ذریعہ ثابت ہوئی، اسی طرح اب دشمنی اور عداوت کا جذبہ اُن کے لیے جنت سے محرومی کا ذریعہ بن گیا۔ ایک تیسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو زمین کی زندگی میں ڈالا گیا تو فرمایا کہ تم زمین میں صرف عارضی طور پر رہو گے اور عارضی طور پر فائدے اٹھاؤ گے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کا مستقل ٹھکانہ کچھ اور ہے۔ یعنی آپ پھر اپنے اصلی ورثہ کو حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ علم اور اتفاق سے محروم نہ ہوں۔

احیاءِ خلافت ۵۸۔ انسانی زندگی کی تنظیم بذریعہ علم دین

۳۷۔ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ
پس سیکھیں آدم نے اپنے رب سے کچھ باتیں پس متوجہ ہوا اس پر بے شک
هُوَ وہی ہے۔ التَّوَّابُ توبہ قبول کرنے والا۔ الرَّحِيْمُ رحم والا۔

آیت کا مطلب یہ ہے۔ جب حضرت آدم کو حکم ہو گیا کہ زمین میں چلے جاؤ تو اُسے اپنی لغزش کا احساس ہوا۔ پس اس نے پھر خدا کی طرف توجہ کی اور خدا سے چند باتیں سیکھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا ایک دفعہ پھر اس کی طرف رجوع ہوا اور اس کی توبہ قبول کر لی گئی بیشک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں فطرت انسانی کا ایک اور وصف بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انسان کی ایک شان تو یہ ہے کہ وہ غلطی کر بیٹھتا ہے اور دوسری شان یہ ہے کہ وہ غلطی کر کے شرمندہ ہوتا ہے۔ زندگی کے میدان میں تین طاقتیں موجود تھیں ملائکہ، شیطان اور انسان۔ فرشتے کی شان یہ ہے کہ وہ سرے ہی سے غلطی نہیں کرتا۔ شیطان کی شان یہ ہے کہ وہ غلطی کرتا ہے مگر توبہ نہیں کرتا۔ انسان کی شان یہ ہے کہ وہ غلطی

Marfat.com

کر بیٹھتا ہے مگر پھر توبہ اور ندامت کے بعد مقام اصلاح پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی کی یہ ساری باتیں آج آپ کے سامنے موجود ہیں۔ جو کچھ آپ آج یہاں دیکھ رہے ہیں وہی کچھ حضرت آدم کے ساتھ پیش آیا جبکہ انسانی زندگی شروع کی گئی تھی۔ اس آیت میں پھر علم کی بزرگی بیان کی گئی ہے اور نوع انسان کو بتایا گیا ہے کہ حضرت آدم نے دو مرتبہ خدا سے علم حاصل کیا۔ فرشتوں کے مقابلہ سے پہلے اُس نے چیزوں کے نام سیکھے۔ یہ علم ایجاد تھا۔ لیکن یہ علم ایجاد حضرت آدم علیہ السلام کے لئے کافی ثابت نہ ہوا۔ جب شیطان نے اس کو پھسلایا تو بہشت کے رہنے والوں میں جھگڑے اور نااتفاقیاں پیدا ہو گئیں اور وہ قبولیت کے درجے سے گر گئے۔ اب زوال خلافت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پھر ضرورت محسوس ہوئی کہ خدا کی طرف توبہ کی جائے تاکہ وہ اپنے کھوئے درجے کو پھر حاصل کر سکیں۔ آیت بتاتی ہے کہ یہاں پھر حضرت آدم ؑ کو علم کی ضرورت ہوئی اور اس نے خدا تعالیٰ سے توبہ اور اصلاح کا علم سیکھا۔ یہ علم، علم دین تھا، اس علم کی مدد سے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی بگڑی کو بنایا، اپنے نفس کو پاک کیا اور ایک دفعہ پھر خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کو کیوں معاف کیا؟ آیت اس سوال کا یہ جواب دیتی ہے، اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ یعنی توبہ قبول کرنا اور اپنے بندوں پر مہربانی فرمانا خدا کی شان ہے۔ خدا کی اسی شان کا نتیجہ ہے کہ جب انسان بگڑتا ہے تو اس سے خدا کی نعمتیں چھین لی جاتی ہیں مگر پھر جب وہ اپنی اصلاح کرتا ہے تو پھر وہی نعمتیں اس کو دوبارہ عطا کر دی جاتی ہیں۔ یہ آیت تعلیم دیتی ہے کہ آپ کسی حال میں بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، یہاں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اگر آپ صنعت، تجارت سائنس، جنگ، طب اور کیمیا وغیرہ علوم کو جو علم ایجاد کی شاخیں ہیں، حاصل کریں گے

Marfat.com

تو اس سے آپ میں بادشاہ زمین بننے کی طاقت پیدا ہوگی لیکن اگر یہ علوم آپ کو ترقی کے بہشت تک بھی پہنچا دیں تو پھر بھی وہاں سے آپ کا گرنا ضروری ہوگا۔ پھر اس سیاسی زوال میں جو علم آپ کو سہارا دے کر اصلاح کے مقام پر کھڑا کر سکتا ہے۔ وہ دین کا علم ہے۔ علم ایجاد سے آپ زمین کے مخفی خزانوں پر قابو پا سکتے ہیں اور علم دین کی امداد سے آپ اصلاح و انتظام کے مقام پر کھڑے رہ سکتے ہیں۔ یورپ کی بدبختی یہ ہے کہ اس نے علم ایجاد تو سیکھا یعنی پانی سے بجلی بھی بنائی۔ زمین سے سونا بھی نکالا مگر چونکہ وہ علم دین سے بے بہرہ رہا، اس لیئے وہ ہر وقت جنگ اور مصیبت میں مبتلا رہتا ہے، وہی بات "اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" (تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، جنت سے نکل جاؤ)۔ اسی دشمنی کے باعث یورپ کی تہذیب اور ترقی ہر وقت خطرے میں رہتی ہے اور اس کے سر پر ہر وقت شیطنت اور حیوانیت کا بھوت مسلط نظر آتا ہے، اہل یورپ کی اس دشمنی کا حل علم دین ہے۔ اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ اہل یورپ سے علم ایجاد سیکھیں اور انہیں علم دین پہنچائیں۔ انسانیت کی مشکلات کا حل یہی ہے۔

انسانی زندگی کی تنظیم (۵۹) راہ نجات

۳۸۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ج فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى

ہم نے کہا تم اترو یہاں سے سب پھر جب کبھی پہنچے تم کو میری طرف سے ہدایت

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

پس جس نے اطاعت کی میری ہدایت کی پس نہ ہوگا ڈر ان کو اور نہ وہ غم کھائیں گے

اے بندگان خدا! حضرت آدمؑ نے علم دین سیکھا اور توبہ کی تو انہیں معاف کر دیا گیا اور آیندہ کے لئے حکم ہوا، اب تم سب جنت سے اتر جاؤ۔ اس کے بعد وقت وقت

Marfat.com

پر میری طرف سے تم کو ہدایتیں آتی رہیں گی جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے اُن کے لئے کوئی خوف اور غم باقی نہ رہے گا۔

عزیزانِ اسلام! یہ آیت، حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کو قرآن پاک کے پہلے مضامین سے ملا دیتی ہے۔ سورۂ بقر کے شروع میں کہا گیا تھا کہ یہ اللہ کی کتاب، پرہیزگاروں کو راہ بتانے کے لئے بھیجی گئی ہے۔ پھر ۲۱ ویں آیت میں تمام دنیا کے انسانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ قرآن کے قانون کی غلامی کریں اور غیر طاقتوں کی غلامی سے الگ ہو جائیں۔ پھر اسی سلسلے میں یہ ثبوت پیش کیا گیا کہ قرآن پاک، اللہ کا کلام ہے۔ اس کے بعد ہی حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ شروع ہو جاتا ہے اور اب اس قصہ کے خاتمہ پر اصل بات یہ بیان کر دی گئی ہے کہ پہلے دن جبکہ زمین پر انسانی زندگی شروع کی گئی تھی اور جبکہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکل کر طرح طرح کی مصیبتوں اور مشکلات میں مبتلا تھے، خداوند پاک نے ان سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ تمہارے پاس وقت وقت پر میری طرف سے ہدایت کا کلام بھیجا جائیگا۔ تمہاری زمینی زندگی کی مشکلات کا حل یہ ہے کہ تم اس ہدایت کی پیروی کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ اب جو خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک نازل فرمایا ہے تو اسی وعدۂ الٰہی کے مطابق ہے جو زندگی کے پہلے قدم پر حضرت آدم علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔

اے بندگانِ خدا! انسان کو موت کے بعد جو درجہ کمال حاصل ہونے والا تھا وہ حضرت آدمؑ کو دکھا دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو علم ایجاد سکھایا گیا تاکہ وہ نائب خدا بننے کے راستے کی مشکلات کو حل کر سکیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی گئی اور حکم دیا گیا کہ وہ عارضی طور پر زمین میں ٹھہریں۔ حضرت آدم علیہ السلام اس دنیوی زندگی کی مصیبتوں اور مشکلات میں اس لئے ڈالے گئے تھے

Marfat.com

تاکہ وہ خدا کے راستے پر چل کر ان مشکلات پر قابو پائیں اور اپنے اُس ورثہ جنت کو دوبارہ حاصل کر لیں جو انسانیت کا درجہ کمال اور نوع انسان کا مستقل ٹھکانہ ہے۔

عزیزانِ اسلام! یہ آیت پاک آپ کے سامنے، آپ کی دنیوی زندگی کی مشکلات کا آخری حل پیش کرتی ہے۔ آپ اپنے چاروں طرف نظر ڈال کر دیکھیں کہ آپ کس قدر بوجھ لدے ہوتے ہیں۔ بیماری، غریبی، جہالت، نفاق، گناہ، بغض، حسد، ظلم، بھوک پیاس، غلامی، بیاہ، شادی، مقدمات، اولاد، مکان، لباس، کھانا، پکانا، تجارت، زراعت۔ مختصر یہ کہ نہ تو زندگی کی ضرورتوں کی کوئی حد ہے، نہ زندگی کے جھگڑوں کی کوئی حد ہے، نہ زندگی کے نقصانات کی کوئی حد ہے، نہ زندگی کی آرزوؤں کی کوئی حد ہے، یہ بڑی ہی کٹھن اور مشکل بات تھی کہ انسان ان سب میدانوں کو کسی اصول پر چل کر فتح کرے اور پھر جب زندگی کے میدان سے نکلے تو سرخرو ہو کر نکلے۔ آیت بتاتی ہے کہ صرف ایک ہی چیز انسان کو اس منجدھار کے پار لگا سکتی ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی ہے، یہ قرآن خدا کی ہدایت ہے، آؤ اُس کی پیروی کریں اور مشکلات سے چھوٹ جائیں۔

تین نایاب کتابیں

۱۔ اسلام زندہ باد۔ یہ نہایت ہی دلچسپ اور عجیب کتاب ہے، اس میں ۲۷ سچے اسلامی واقعات یورپ اور امریکہ کی تاریخ سے چن کر درج کئے گئے ہیں، ہر واقعہ اس قدر دلچسپ ہے کہ ناول بھی اس کے سامنے شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ حجم ۲۰۸ صفحے۔ قیمت دو روپیہ۔ (محصول الگ)

۲۔ پیغام قرآن۔ یہ کتاب قرآن کا نچوڑ ہے۔ اسلامی بادشاہوں تک نے اس کی تعریف کی ہے۔ حجم ۲۳۶ صفحے۔ قیمت دو روپیہ۔ (محصول الگ)

۳۔ سالارِ حجاز۔ امام رشید رضا، سید سلیمان ندوی، قاضی محمد سلیمان، سید نواب علی ایم اے، نواب صدر یار جنگ بہادر وغیرہ علماء نے رسول اللہ کے حالات لکھے ہیں۔ قیمت دو روپیہ (محصول الگ)

منیجر سیرت بکڈپو پٹی، ضلع لاہور

Marfat.com

دستورِ خلافت　　انسانی زندگی کی تنظیم　　پچھلی آیت سے متعلق

۳۹- وَالَّذِیْنَ　کَفَرُوْا　وَکَذَّبُوْا　بِاٰیٰتِنَآ　اُولٰٓئِکَ　اَصْحٰبُ النَّارِ
اور جنہوں نے　کفر کیا　اور جھٹلائیں　ہماری نشانیاں　وہ سب ہیں　دوزخی

هُمْ وہ سب۔ فِیْهَا اس میں۔ خٰلِدُوْنَ ہمیشہ ہوں گے۔

اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جو لوگ خدا کے قانون پر چلیں گے، وہ غم اور خوف سے چھوٹ جائیں گے اور آج کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے قانون سے انکار کریں گے اور اسے جھٹلائیں گے، وہ دوزخی ہوں گے اور وہ وہیں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ انکار اور تکذیب کا نتیجہ دوزخ ہے، جس طرح اطاعت گذار زندگی کے اعلیٰ ترین ثمرہ کا نام بہشت ہے اسی طرح نافرمان زندگی کے پست ترین نتیجہ کا نام دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو کسی شخص کو جبراً دوزخی بناتا ہے اور نہ بہشتی۔ اس نے نیکی اور بدی کے دونوں راستے انسان کے سامنے رکھ دیئے ہیں اور دونوں کے مقررہ نتائج سے بھی آگاہ فرما دیا ہے۔ اس نے زہر بھی بتا دیا ہے اور آبِ حیات بھی، پھر یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر تم زہر کھاؤ گے تو نتیجہ ہلاکت ہے اور اگر آبِ حیات پیو گے تو نتیجہ زندگی ہے۔ اب جو شخص جیسا کام کرتا ہے، ویسا نتیجہ پا لیتا ہے۔ ہر ایک انسان کے لئے خدا تعالیٰ کی ہدایت بالکل صاف ہے۔ اُس پاک پروردگار نے اپنی رحمتِ خاص سے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے خدا کے ہاں اِس دنیا میں آپ کی تقدیر خلافت اور اُس دنیا میں دائمی راحت اور بہشت ہے۔ یہ دونوں تقدیریں خود آپ کے عملوں کا اور خدا تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہیں۔ آؤ، احکامِ خداوندی کی اطاعت کریں اور اس کے انعام کے مستحق بن جائیں۔

Marfat.com

تیسری بحث یہود کو دعوت اسلام (۶۱) احسانات الٰہی اور قومی وعدہ یاد کرو

۴۰۔ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ
اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو عطا کی میں نے تم کو اور
اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ ۚ وَ اِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ ۝
پورا کرو عہد میرا میں پورا کروں اقرار تمہارا اور مجھی سے ڈرتے رہو

اس آیت سے سورۂ بقر کی بحث کا تیسرا قدم شروع ہوتا ہے۔ پہلی ۲۰ آیتوں کا مضمون ایک تھا جس میں بتایا گیا کہ قبول حق کے معاملے میں لوگ تین جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے، مومن، کافر اور منافق۔ ۲۱ویں آیت میں تمام نوع انسان کو دعوت دی گئی کہ وہ قرآن کے پیغام کو بھی سمجھیں اور قرآن کی صداقت کو بھی سمجھیں اب چالیسویں آیت سے نئی بحث شروع ہوتی ہے۔

پہلی آیت ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ میں بتایا کہ قرآن کی حیثیت کیا ہے؟ (ایک شک سے پاک قانونِ زندگی)

پھر ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ میں بتایا کہ نزول قرآن کا مقصد کیا ہے؟ (پرہیزگاروں کی قوم پیدا کرنا اور انہیں راستہ دکھانا)

پھر ۲۰ویں آیت تک یہ بتایا کہ نزول قرآن کے بعد لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، مومن، کافر اور منافق۔

پھر ۲۱ویں آیت میں تمام نوع انسان کو دعوت دی گئی کہ وہ قرآن کے پیغام کو اور اس پیغام کی صداقت کو سمجھیں، اب حضرت آدم کے بیان کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ یہ قرآن وہی ہدایت نامہ ہے جس کے بھیجنے کا خدا نے انسانی زندگی کے شروع میں وعدہ کیا تھا۔ اب ۴۰ویں آیت سے بنی اسرائیل کو خطاب شروع ہوا ہے اور بتایا

Marfat.com

گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ خلافت اور نیابت جو حضرت آدم علیہ السلام کو دی گئی اور
جو اولاد آدم میں چلتی ہوئی آخر کار بنی اسرائیل تک پہنچی، اس قوم کے ہاتھ سے کیوں
چھینی گئی؟ بنی اسرائیل کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور اس کے
بعد اسرائیلیوں کی قومی بیماریاں بتائی گئی ہیں جن سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ
یہ قوم کیوں خلافت الٰہی کی مستحق نہیں رہی؟ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام
کی قوم کو کہتے ہیں، اسی قوم میں حضرت یوسفؑ ہوئے، اسی قوم میں حضرت موسیٰؑ
پیدا ہوئے جنہوں نے ان لوگوں کو فرعون کی غلامی سے نکالا اور ملک شام میں بسایا ایک
وقت یہ قوم اس قدر طاقتور اور عظیم قوم تھی کہ دنیا کی کوئی بھی قوم ان کا لگا نہیں کھا سکتی
تھی، اوپر کی آیت یہ ہے، اے یہود! تم خدا کے احسانوں کو یاد کرو اور اپنے وعدوں
کو یاد کر کے قانون الٰہی کی اطاعت کرو۔ صرف خدا سے ڈرو اور مشکلات اور مجبوریوں
کے عذرات چھوڑ دو، پھر خدا بھی اپنے وعدہ کو پورا کرے گا اور تم پھر خلافت کے حقدار
بن جاؤ گے۔

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۲) **اصل کتاب کو دیکھو**

۴۱۔ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ
اور ایمان لاؤ جو کچھ بھیجا میں نے تصدیق کرنے والا جو کچھ پاس تمہارے ہے اور
لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّ
نہ ہو جاؤ پہلے ہی کافر اس کے اور نہ لو قیمت میری آیتوں پہ تھوڑی قیمت اور
اِيَّايَ مجھی سے۔ فَاتَّقُوْنِ ڈرتے رہو۔

پہلے کہا گیا، اے یہود! میری نعمتوں کو یاد کرو یعنی خدا کے احسانوں کا بدلہ یہ ہے
کہ اب تم خدا کے قانون پر چلو۔

Marfat.com

پھر کہا گیا، جب تم میرا اقرار پورا کروگے تو میں تمہارا اقرار پورا کروں گا، اس کا مطلب یہ کہ تم اپنے وعدہ کے مطابق خدا کے قانون کی پابندی کروگے تو خدا تم کو پھر خلافت عطا فرمائیگا
وَ اِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ کا مطلب یہ ہے کہ غیر طاقت سے مت ڈرو، بزدل مت بنو، عیش و عشرت، بزدلی اور بے ہمتی میں پڑ کر بے اصول اور نافرمان نہ بن جاؤ، خدا کے توکل پر اٹھو تو کوئی طاقت تمہارا راستہ نہیں روک سکیگی۔

آج کی آیت میں فرمایا، قرآن نے کوئی نیا دین پیش نہیں کیا ہے، یہ تو خود تمہاری توریت کی تصدیق کرتا ہے، اس پر ایمان لاؤ، بے سمجھی کے ساتھ پہلے ہی منکر نہ ہو جاؤ اور چھوٹے چھوٹے ذاتی فائدوں کے لئے خدائی تعلیم کے بڑے بڑے اصولوں کو جن پر قوموں کی عظمت کی بنیاد قائم ہوتی ہے، فروخت نہ کرو اور خدا سے ڈر کر خدا کے قانون پر عمل شروع کردو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صاف صاف پیش گویاں موجود تھیں۔ اور یہودی لوگ ان پیش گویوں کو پڑھ پڑھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی زیادہ منتظر تھے تاکہ آپ آئیں اور کفار کے مقابلہ پر یہودی قوم کو پھر عروج حاصل ہو مگر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے یہی یہودی آپ کے خلاف ہو گئے حالانکہ نبی خدا پر توریت کی تمام نشانیاں پوری ہوتی تھیں اور خود قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کی تصدیق کرتا تھا۔ لیکن یہودیوں نے ان باتوں کا ذرا لحاظ نہ کیا۔ دنیاداری کی ضد، دنیوی لالچ اور نفسانیت کا غرور ان کے راستے میں روک بن کر کھڑا ہو گیا اور انہوں نے خیبر اور مدینہ منورہ میں کفار ہی کی طرح پیغمبر خدا کی مخالفت شروع کردی یہودیوں کے اسی طرز عمل کو سامنے رکھکر اللہ تعالیٰ نے انہیں خطاب فرمایا ہے اور پہلی بات یہ کہی ہے کہ قرآن، توریت کی سچائی تصدیق کرتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم قرآن کو

Marfat.com

نہیں مانتے؟ دوسری بات یہ کہی کہ تحقیق، تصدیق، غور و فکر اور تاریخ کو دیکھے بغیر پہلے ہی تم قرآن سے کیوں انکار کر رہے ہو؟ تیسری بات یہ کہی کہ ذرا ذرا سے دنیوی فائدوں کے لئے خدائی تعلیم کے بڑے بڑے اصولوں کو کیوں چھوڑتے ہو؟ اس سے پہلی آیت میں کہا گیا تھا کہ خدا سے ڈرو، اب اس آیت میں پھر کہا گیا ہے کہ خدا سے ڈرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے کھوکھلا ہو جانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کے دل خوف خدا سے خالی ہو گئے اور انہوں نے چند مذہبی رسموں، عیدوں اور فرقہ بندیوں کو اپنا دین بنا رکھا تھا اور چاہتے یہ تھے کہ اگر کوئی نبی آئے تو وہ انہی رسموں اور فرقہ بندیوں کی تائید کرے، رسول اللہ نے انہیں اصلی خدائی اصول بتائے تو یہ برخلاف ہو گئے، پھر نہ اصل توریت کی طرف رجوع کیا، نہ قرآن کو پوری طرح سمجھا اور نہ تاریخ کو انصاف کی نظر سے دیکھا، صرف دل کی جلن اور حسد سے پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم اسلام کے مخالف ہیں اور پھر مخالفت شروع کر دی اور انہوں نے توریت کی آیتوں کو غرض کے تابع بنا لیا، وہ مطلب کے مطابق آیتوں کے معنی بدل دیتے اور توریت میں سے اپنی غرض کے مسئلے نکال لیتے۔ اگر فائدہ نہ دیکھتے تو حکم الٰہی کو رد کر دیتے آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو قوم، رسموں اور دھڑہ بندیوں کو دین بنا لے، دین حق کی اصل تعلیم پیش کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھے، تحقیق اور تاریخ سے بے پروا ہو کر صرف حسد اور شرارت سے دین حق کی مخالفت کرے اور ذرا ذرا سے دنیوی فائدوں کے واسطے دینی احکام کو چھوڑنے توڑنے اور بدلنے پر تیار رہے۔ کس طرح یہ ممکن ہے کہ وہ قوم دینی خلافت کی وارث ہو؟ آیت بتاتی ہے کہ یہودیوں پر کیا مار پڑی کہ وہ خلافت کے نااہل قرار پائے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی خلافت کسی قوم کا نسلی ٹھیکہ نہیں ہے، خدا اس قوم کو عزت دیتا ہے جو خدائی تعلیم پر عمل کرے، زبانی دعوے سب فضول ہیں۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۴۳) فتنہ کتمان حق

۴۲- وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

اور نہ ملاؤ حق میں باطل اور تم چھپاتے ہو حق کو اور تم جانتے ہو

آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم سچے اصولوں میں اپنی جھوٹی غرضیں نہ ملایا کرو اور نہ سچ کو چھپاؤ اور تم اس کی خرابیاں خود جانتے ہو۔

کل کے سبق میں بیان ہو چکا ہے کہ جب یہودیوں نے رسموں کو دین بنالیا، اپنی اصل دینی تعلیم کے زندہ کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھا۔ اسلامی تحریک کے عملی نتائج سے تو آنکھیں بند کرلیں اور صرف دھڑہ بندی، حسد اور شرارت سے دین حق کی مخالفت شروع کردی اور چھوٹی چھوٹی دنیوی غرضوں کے لیے دینی اصولوں کو توڑنے اور بدلنے لگے تو پہلے دین اور اس کے بعد دینی بادشاہت اُن کے ہاتھ سے نکل گئی۔ آج کی آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ وہ آخری خرابی جس نے یہودیوں کو کہیں کا بھی نہیں رکھا، یہ تھی کہ انہوں نے سچ اور جھوٹ کی تمیز اٹھا دی تھی۔ حالانکہ کامیابیوں کی اصل جڑ سچائی ہے۔ جب کوئی بادشاہ، رعیت کے ساتھ ناحق سلوک کرے تو بادشاہت برباد ہو جاتی ہے۔ جب کوئی تاجر گاہکوں کے ساتھ جھوٹ بولے تو تجارت برباد ہو جاتی ہے، جب کوئی عالم دین اپنے مقتدیوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ نہ کرے تو دین برباد ہو جاتا ہے۔ یہودیوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی کے دائرے سے سچ کو بالکل خارج کر رکھا تھا۔ بعض لوگ سرے سے جھوٹ بولتے تھے۔ زیادہ چالاک لوگ چند سچی باتیں کہتے ہیں اور ایک آدھ جھوٹی بات اُن میں ملا دیتے تھے تاکہ اعتبار بھی قائم رہے اور بات بھی چل جائے۔ دوسرے لوگ اپنی آنکھوں کے سامنے یہ دیکھتے تھے کہ سچ کا خون ہو رہا ہے مگر وہ حق گوئی کی بجائے زبان کو بند کر لیتے تھے، اُن کے عالم اپنے پاس سے مذہبی مسائل گھڑ لیتے تھے، لوگوں کو جھوٹے قصے سنا کر پرچاتے تھے، اصل مذہبی حکموں کی بجائے رسموں کی پیروی کرتے تھے، مناظروں یا فرقہ بندیوں کی خاطر غلط دلیلیں پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے چونکہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ جھوٹ کی بنیاد پر کوئی آبادی نہ ہو اس واسطے یہودیوں کی دینی حکومت برباد ہو گئی

Marfat.com

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۴) طاقت بذریعہ نماز و زکوٰۃ

۴۳- وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ

اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور جھکو ساتھ جھکنے والوں کے

ترجمہ یہ ہے۔ نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور بارگاہ الٰہی میں جھکنے والوں کے ساتھ جھک جایا کرو۔ عزیزانِ اسلام! پچھلی دو آیتوں میں قرآن پاک نے یہودیوں کو بتایا، تم نے رسموں کو دین بنالیا ہے، تم اصل دینی تعلیم کے پیش کرنے والوں کو دشمن سمجھتے ہو، تم اسلام کے عملی نتائج دیکھے بغیر پہلے ہی اس کے دشمن بنے ہوتے ہو، تم دنیوی فائدوں کے لئے دینی اصولوں کو چھوڑ رہے ہو، تم سچ میں جھوٹ ملاتے ہو اور سچی باتیں چھپاتے ہو۔ یہ یہودیوں کی بری حالت کا نظارہ ہے جو پیش کیا گیا، اسی کے ساتھ اب اسلامی زندگی کا ایک نظارہ اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے، اے نافرمانی میں ڈوبی ہوئی قوم! ذرا سامنے بھی دیکھو؟ مسلمان نمازیں پڑھ رہے ہیں، دعائیں کر رہے ہیں، خیراتیں بانٹ رہے ہیں، امیر اور غریب کندھے سے کندھا ملاتے بارگاہ الٰہی میں جھک رہے ہیں۔ یہ دونوں نظارے اس لئے پیش کئے گئے تاکہ یہودی لوگ حق اور باطل کو پہچانیں اور بُری زندگی کو چھوڑ کر اچھی زندگی میں شامل ہو جائیں۔

عزیزانِ اسلام! وہ باتیں پیش کرنے کے بعد جنہوں نے یہودی قوم کی زندگی کو کھوکھلا کر دیا تھا، اب اس آیت میں وہ خاص حکم دیئے گئے ہیں جن پر عمل کر کے کوئی قوم زمین پر خلافت الٰہی کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ پہلا حکم یہ دیا گیا کہ نماز پڑھو۔ نماز، بندوں پر خدا تعالیٰ کا سب سے پہلا حق اور انسانی زندگی کا سب سے پہلا فرض ہے۔ جو شخص یہ فرض ادا نہ کرے، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے اپنے خالق اور مالک سے بغاوت کر دی۔ نمازیں پانچ ہیں جو صبح، دوپہر، عصر، مغرب اور عشاء کے وقت ادا کی جاتی ہیں۔ ہوش

Marfat.com

سنبھالنے کے بعد ہر ایک انسان کے لئے سب سے بڑی اور سب سے پہلی نیکی یہ ہے کہ وہ دلی شوق سے ہر روز باقاعدہ پانچ وقت نماز ادا کرے۔ دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ ادائے زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ جو خیرات خدا تعالیٰ نے مقرر کردی ہے، اُسے ہر سال باقاعدہ ادا کرو۔ اگر کسی شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا، یا اسی قدر زیور یا نقد روپیہ موجود ہو تو سال گذر جانے کے بعد تمام مال کا چالیسواں حصہ اُسے اللہ کی راہ میں خیرات کرنا چاہئے۔ یعنی اگر کسی کے پاس ایک سو روپیہ کا مال اور زیور موجود ہو تو وہ ہر سال ڈھائی روپے لازمی طور پر خیرات کرے۔ اسی طرح مال تجارت کا بھی سال گزر جانے کے بعد حساب کیا جائے اور قرض کا روپیہ نکال کر باقی رقم کا چالیسواں حصہ خیرات کیا جائے۔ یہ زکوٰۃ غریبوں اور محتاجوں کو دی جاتی ہے یا اسلامی قانون کے مطابق بیت المال بنا کر اُس میں داخل کردی جاتی ہے تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ مطلب یہ ہے کہ نماز ہمیشہ جماعت کے ساتھ ادا کرو تاکہ قوم میں اتفاق پیدا ہو اور سب مسلمان اتفاق باہمی سے ایک قوم اور ایک لشکر بن جائیں۔ اگر تمام انسان صحیح طریقے سے ان تینوں حکموں کی پابندی کریں تو دنیا میں پھر محبت کا راج قائم ہو جائے مگر افسوس ہے کہ خود مسلمان کہلانے والے بھی ان تینوں فرائض سے غافل ہو گئے ہیں، وہ نہ نماز باقاعدہ پڑھتے ہیں، نہ زکوٰۃ باقاعدہ دیتے ہیں اور نہ پابندی جماعت کی پرواکرتے ہیں، ہماری اس غفلت کا نتیجہ ہے کہ ہماری قوم کی لڑی ٹوٹ گئی ہے، اسلام کا لشکر بکھر گیا ہے اور دوسری قوموں کو بھی ہدایت نہیں ہوتی۔ اے عزیزو! اب جاگنے کا وقت ہے۔ آپ اللہ کے لئے جاگیں اور نماز، زکوٰۃ اور جماعت کا فرض ادا کر کے دنیا اور آخرت کے مالک بن جائیں۔

Marfat.com

۴۴- اَ تَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ
کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو نیک کاموں کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو
وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ط اَ فَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
اور تم پڑھتے ہو کتاب کیا پھر نہیں تم عقل سے کام لیتے

مطلب یہ کہ جب تم لوگوں کو بھی نیکی کا حکم دیتے ہو، کتاب بھی پڑھتے ہو اور عقل بھی رکھتے ہو تو پھر خدا کے قانون کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟

عزیزان اسلام! اس آیت میں یہودیوں کے لیڈروں، اماموں اور مولویوں کی ایک اور مکاری کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا پاک اور بزرگ سمجھتے تھے ہر وقت توریت پڑھتے رہتے تھے، ورد وظیفے کرتے رہتے تھے اور جاہل اور بے علم لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کر کے بڑی بڑی نصیحتیں فرمایا کرتے تھے، لوگوں کو نماز پڑھنے کو کہتے تھے مگر خود نہیں پڑھتے تھے، لوگوں کو خیرات دینے کو کہتے تھے مگر خود خیرات کھاتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ دنیا کی دولت مردار ہے مگر خود اسی مردار کو لے کر جھوٹے فتوے لکھ دیتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ خدا کی راہ میں جان اور مال اور اولاد کو قربان کر دینا چاہیے مگر خود بستروں پر لیٹے رہتے تھے اور بیٹھے بیٹھے بھی مریدوں سے اپنی ٹانگیں دبواتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ مسافر، غریب اور مسکین کی خدمت کرنی چاہیے مگر خود بے تکلف یتیموں کا مال ہضم کر جاتے تھے، غریبوں کو ستاتے تھے، مسکینوں سے نفرت کرتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ مصیبت زدوں کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیے مگر خود اپنے ہمسایوں سے کچھ بھی نیک سلوک نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کو کہتے تھے کہ کم کھانا چاہیے مگر خود اپنے پیٹ کو ناک تک بھر لیتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ ظالموں کا مقابلہ

Marfat.com

کرنا چاہیئے مگر خود ظالموں کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتے تھے اور اپنی غرضیں اور لحاظ بنائے رکھتے تھے۔ لوگوں کو کہتے تھے کہ سچ بولنا چاہیئے مگر خود ہمیشہ حق گوئی سے دامن کترا جاتے تھے۔ مطلب یہ کہ ان اماموں، مولویوں اور عالموں کا سارا دین صرف اتنا ہی تھا کہ وہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے اپنی زبان ہلاتے رہتے تھے مگر عملی طور پر کچھ نہیں کرتے تھے۔ بس، ایسے ہی لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم لوگوں کو دین کے کام بتاتے ہو، کتاب بھی پڑھتے ہو اور عقل بھی رکھتے ہو تو قرآن کی پیروی کر کے خود بے عملی اور گمراہی سے کیوں نہیں نکلتے؟

اے ایمان والو! ایک اور بات یاد رکھئے۔ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو شخص خود عمل نہیں کرتا، وہ کسی حال میں بھی دوسروں کو بدی سے نہ روکے اور نیک کاموں کی ترغیب نہ دے۔ تبلیغ کرنا ایک مستقل نیکی ہے، لیکن تبلیغ میں مکمل کامیابی اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ مبلغ، خود عامل بھی ہو۔ آج تک جتنی بھی قومیں تباہ ہوئیں وہ اسی سبب سے تباہ ہوئیں کہ ان قوموں کے لیڈر، امام اور مولوی بے عمل تھے اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ کوئی بے عمل آدمی، قوم کی اصلاح کر سکے۔ سورج مغرب سے نکل سکتا ہے مگر وہ لیڈر اور مولوی جو خود بے عمل ہوں، کبھی قوم کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ان کے ساتھ نہ خدا کی برکت ہوتی ہے، نہ ان کا ضمیر ان کی زبان کا ساتھ دیتا ہے، اور نہ عام پبلک ان کی بے عملی کا خیال کر کے ان کی وعظوں پر اعتبار کرتی ہے۔ افسوس کہ آج ہماری قوم کے اکثر مولوی اور لیڈر بھی ایسے ہی بے عمل ہیں، قومی چندے کھا جانے والے، غریب آزار، مساوات اسلامی سے دُور، ڈینگیں مارنے والے، پھر بھلا قومی ترقی کیسے ہو؟ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے پیروں، لیڈروں اور مولویوں پر نگرانی رکھیں اور جو لوگ باعمل نہ ہوں، انہیں مجبور کریں کہ وہ کوئی دوسرا کام اختیار کر لیں۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۶) نماز اور صبر سے کام لو

۴۵۔ وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ وَ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ
اور قوت حاصل کرو ساتھ صبر کے اور نماز کے اور بے شک وہ ضرور بھاری ہے
اِلَّا سوائے عَلَی الْخٰشِعِیْنَ خشوع کرنے والوں کے۔ یہودیوں سے کہا گیا ہے اگر اسلام کا ساتھ دینے میں تم اپنے کسی بیرونی خوف یا اندرونی کمزوری سے ڈرتے ہو تو صبر اور نماز سے قوت حاصل کرو۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اس پروگرام پر عمل کرنا کچھ مشکل نہیں ہے

عزیزان اسلام! پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہودی قوم میں کیا کیا کمزوریاں، عیب اور نقص پیدا ہو چکے تھے، قرآن اب ان نقصوں کو صاف کر رہا ہے اور یہودیوں کو ہمت دلا رہا ہے کہ وہ بہادر بن کر سچائی کی بات کو قبول کرلیں۔ اوپر کی آیت میں انہیں وہ پروگرام بتایا گیا ہے جس پر عمل کرنے سے ہر ایک انسان اور ہر ایک قوم میں بہت بڑی قوت پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی انسان، سچ کے راستے پر نہیں چلتا تو اس میں دو قسم کی کمزوریاں ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ باہر کے لوگوں سے ڈرتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ اگر میں نے سچائی پر عمل کیا، تو وہ مجھے تکلیف دیں گے، ملازمت سے ہٹا دیں گے اور جان و مال، اولاد، عزت، تجارت کو نقصان پہنچائیں گے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود اس کے اپنے دل کے اندر کوئی چور ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ مجھ میں شراب کی، جوئے کی، رشوت کھانے کی، چوری کرنے کی کمزوری موجود ہے۔ اگر میں نے کسی سچائی پر عمل کر لیا تو ان کمزوریوں کا علاج کیا ہوگا؟ قرآن پاک نے اوپر کی آیت میں وہ نسخہ پیش کیا ہے جس کو استعمال کر کے ہر ایک قوم اور ہر ایک شخص، اندرونی اور بیرونی دونوں قسم کی کمزوریوں سے پاک ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم یہ دیا ہے کہ صبر کرنا سیکھو صبر کے معنی یہ ہیں کہ ہمت نہ ہارو اور خوب جم کر اور مستقل مزاج ہو کر مصیبتوں کا مقابلہ

Marfat.com

کرو۔ اگر تم ذاتی طور پر مصیبتوں سے نکلنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جم کر مقابلہ کرنا سیکھو۔ تکلیف آئے، پروا نہ کرو۔ مصیبت آئے، پروا نہ کرو۔ قید آئے، پروا نہ کرو۔ پھانسی آئے، پروا نہ کرو۔ پوری ہمتوں کو مضبوط کر کے سچ بات پر اڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسانی شکل کے اندر یہ طاقت پیدا کی ہے کہ جب کوئی انسان اپنی اندرونی طاقتوں سے واقف ہو کر کسی حق بات پر قائم ہو جاتا ہے تو پھر نہ دریا اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں، نہ توپیں نہ فوجیں، نہ پہاڑ اور نہ سمندر۔ پس بیرونی یا اندرونی مصیبتوں یا کمزوریوں کو دور کرنے کا پہلا نسخہ یہ ہے کہ انسان اپنی اندرونی قوتوں پر بھروسہ کر کے کھڑا ہونا سیکھے، اسی طاقت کا نام صبر ہے۔ دوسرا نسخہ یہ بتایا کہ آپ نماز پڑھیں۔ یعنی خدا کے سامنے جھکیں، خدا سے اپنی اندرونی اور بیرونی کمزوریوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت مانگیں، نماز کے ذریعے سے اپنا قومی نظام مضبوط بنائیں اور خدا کی طاقتوں کو اپنے ساتھ شامل کریں، پھر آپ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

اے ایمان والو! جن مصیبتوں اور اندرونی اور بیرونی کمزوریوں میں یہودی لوگ مبتلا تھے، آج ہزارہا مسلمان کہلانے والے لوگ بھی انہی کمزوریوں کا شکار ہیں۔ بعض کمزور مسلمان ہندو سے ڈرتے ہیں، انگریز سے ڈرتے ہیں، انہیں اپنی ملازمتوں کا خوف ہے، قید اور بند کا خوف ہے، قتل اور پھانسی کا خوف ہے اور اسی سبب سے وہ قانون خدا کی غلامی کی بجائے غیروں کی غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دیکھو، اس کا علاج صرف ایک ہی ہے۔ یعنی صبر اور نماز۔ آپ ان دو چٹانوں پر قائم ہو جائیں، پھر آپ خدا کی توفیق سے اس ساری دنیا کو الٹ دے سکتے ہیں، آپ ظلم کو سہہ کر دشمن کے مقابلے میں کھڑے رہنے کی طاقت پیدا کریں۔ اگر آپ کی فطرت کسی وقت کمزوری ظاہر کرے تو نماز میں کھڑے ہو کر خدا سے نئی طاقت مانگیں تاکہ آپ کا دل قوی ہو جائے۔

Marfat.com

۴۶۔ اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ
وہ لوگ جو عقیدہ رکھتے ہیں یہ کہ وہ ملنے والے ہیں اپنے ربّ کے اور یہ کہ وہ
اِلَيْهِ طرف اسکی۔ رٰجِعُوْنَ لوٹنے والے۔ اس آیت میں خاشعین کی تعریف بتائی
گئی ہے۔ مطلب یہ کہ صبر اور نماز کے پروگرام پر وہی لوگ کامیابی کے ساتھ عمل کرنے
کی طاقت حاصل کرسکتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہو کہ ہم کو بہرحال دنیا سے گزرنا ہے اور خدا
کے سامنے پیش ہونا ہے۔ خاشعین اُن لوگوں کو کہتے ہیں جن کے دل پگھلے ہوئے ہوں
اور جب بھی کوئی خدا کا حکم ان کے سامنے پیش کیا جائے وہ اسی وقت خدا سے ڈر
جائیں اور ایک منٹ کی دیر کے بغیر اس حکم پر عمل کریں۔

اے ایمان والو! یہودی لوگ یہ دیکھتے تھے کہ تمام دنیا مسلمانوں کی دشمن ہو رہی ہے
اور جو لوگ مسلمان ہوتے ہیں، انہیں مارا جاتا ہے، ستایا جاتا ہے، گھروں سے نکالا جاتا ہے
بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا ہے، ان کی جائیدادیں چھینی جاتی ہیں اور اُن کی تجارتیں برباد
کردی جاتی ہیں۔ اسی کے ساتھ یہودیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اس وقت ہم کھلے بندوں
سود لے رہے ہیں، بدکاریاں کر رہے ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو یہ مزے کہاں؟ خدا
تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ تم صبر اور نماز کا پروگرام شروع کرو، صبر کی بدولت تم اپنی اندرونی
قوتوں سے واقف ہو کر دشمنوں کے خوف اور ظلم سے نکل جاؤ گے اور نماز کی بدولت
تمہارا نفس پاک اور تمہارا قومی نظام مضبوط ہو جائے گا اور کوئی بھی اندرونی کمزوری یا
بیرونی دشمن تمہارا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ مصیبت کا علاج بتانے کے بعد فرمایا
کہ اصل چیز خوف خدا ہے۔ جب تک دلوں میں خدا کا خوف نہ ہو، اس پروگرام پر عمل
نہیں ہو سکتا۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا کہ پہلے خاشعین بن جاؤ تو پھر اس پروگرام پر عمل

Marfat.com

کرسکوگے۔ آج کی آیت میں اسی لفظ خاشعین کی تشریح ہے۔

اے ایمان والو! اصل سوال یہ تھا کہ کمزور انسانوں میں صبر اور نماز کی طاقت کیسے پیدا ہو؟ خدا نے جواب یہ دیا، پہلے یہ سمجھ لو کہ تم کو بہر حال اس دنیا سے مرنا ہے اور پھر اپنے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ جب موت کا نکتہ سمجھ لوگے تو دشمن کا ڈر ختم ہو جائیگا، توپ اور تلوار کا ڈر ختم ہو جائے گا، قتل اور پھانسی کا ڈر ختم ہو جائے گا۔ جو شخص موت کے لئے تیار ہو وہ کسی طاقت سے بھی نہیں ڈر سکتا۔ ہم کل کے سبق میں بتا چکے ہیں کہ صبر کے معنی کیا ہیں؟ جب آپ اندرونی طاقتوں سے واقف ہو کر سچائی کے مقام پر اپنے قدموں کو جما دیتے ہیں اور پھر انہیں قدموں پہ کھڑے ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں تو آپ صابر ہیں۔ آج کی آیت آپ کو یہ بتاتی ہے کہ آپ میں یہ عظیم الشان طاقت صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ دو باتوں پر آپ کا ایمان ہو۔ ایک اس پر کہ آپ کبھی موت سے نہیں چھوٹ سکتے۔ دوسرے اس پر کہ موت کے بعد آپ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ خاشعین وہ ہیں جن کا دل ان دونوں باتوں سے گداز ہو اور وہ کسی وقت بھی خدا اور موت کی حاضری کے خیال سے غافل نہ ہوں۔

اے ایمان والو! آج ہزارہا مسلمان کہلانے والے لوگ صبر اور نماز کی قوتوں سے محروم ہو کر قسم قسم کی کمزوریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان کمزوریوں کا اصل سبب یہ ہے کہ آپکا دل موت کے یقین سے اور اللہ تعالیٰ کی حاضری سے غافل ہو گیا ہے۔ آؤ! ایک دفعہ یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہماری موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، کسی دشمن کے ہاتھ میں نہیں ہے اور پھر دشمنوں کے مقابلے میں کھڑے ہو جائیں اور خدا کی راہ میں نہ توپ کی پروا کریں، نہ تلوار کی، نہ بم کی اور نہ ہوائی جہاز کی۔ نہ قید کی اور نہ قتل کی۔ نہ تجارتوں کے لٹنے کی اور نہ اولاد کے کٹنے کی۔ ان سب نقصانوں کا جواب اللہ کی حاضری ہے۔ جب تم بارگاہ رحمت میں جاکر کھڑے ہو گے تو رحمت خداوندی کا ایک ہی چھینٹا ان سب نقصانوں کو پورا کردے گا۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کو دعوت اسلام (۶۸) اپنی قدیم تاریخ کو دیکھو

۴۷۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ

اے بنی اسرائیل تم یاد کرو احسان میرا جو مَیں نے کیا تم پر اور مَیں نے

فَضَّلْتُکُمْ بڑا کیا تم کو۔ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ جہان والوں سے۔

یہودیوں کے سامنے سلسلہ وار نئی نئی باتیں پیش کرکے خدا کے قانون پر چلنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اب تک انہیں چار باتیں یاد دلائی گئی ہیں (۱) خدا کے احسانات (۲) یہودیوں کا اپنا قومی وعدہ جو انہوں نے خدا کے قانون کی اطاعت کے متعلق کیا تھا (۳) خود ان کی کتاب توریت کے اندر کی باتیں جن میں صاف طور پر پیغمبر اسلام کے آنے کا ذکر ہے (۴) یہودی علماء کی وعظیں جن میں وہ عوام کو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ یہ چار باتیں یاد دلانے کے بعد ان کی چار اندرونی کمزوریوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کے باعث وہ قبول اسلام سے رکے ہوتے تھے (۱) ماسوا طاقتوں کا خوف (۲) چھوٹے چھوٹے ذاتی فوائد کا خیال (۳) کچھ سچ اور کچھ جھوٹ ملا کر گذر اوقات کرنے کی پالیسی (۴) صحیح عقل سے کام لے کر اپنی آخرت کا خیال نہ کرنا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہودیوں کو قبول اسلام میں دو خطرے نظر آتے تھے۔ ایک یہ کہ ہم دشمنان اسلام کے حملوں، تکلیفوں، مصیبتوں، بھوک پیاس کا مقابلہ کس طرح کریں گے دوسرے یہ کہ ہم سود، بیاج، عیاشی، آرام طلبی، شراب اور راگ رنگ وغیرہ کو کس طرح چھوڑیں گے؟ قرآن نے پہلی بات یہ کہی کہ صبر اور نماز کا پروگرام شروع کرو اور اپنی روحانی طاقت کو بھی قائم کرو اور اپنے قومی نظام کو بھی مضبوط بناؤ۔ پھر یہ دونوں خطرے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ آج دوسری بات یہ کہی ہے کہ تم اپنی قدیم عظیم الشان تاریخ کو یاد کرو اور اس سے جوانمردی اور عظمت کا سبق سیکھو۔ تم وہی ہو کہ اس دنیا میں کوئی

Marfat.com

بھی قوم تمہاری ثانی نہیں تھی، پھر آج تم کو کیا ہو گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی تکلیفوں اور لذتوں سے ڈر کر قبول حق کی جرأت نہیں کرتے۔ جو بات اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے فرمائی، وہ آج آپ پر بھی صادق آتی ہے۔ آج آپ انہی باطل پرستوں سے خائف ہیں جو کل اہل ایمان کے سامنے بید مجنوں کی طرح کانپا کرتے تھے، کیا آپ اسی عظیم الشان قوم کے فرزند ہیں جو کبھی تمام دنیا کی پناہ تھی، پھر آپ کے آج کے ڈر کے کیا معنی؟ آپ کی کمزوری کا راز یہ ہے کہ آپ نے اپنے اصولوں کو چھوڑ دیا ہے۔ آؤ، بزرگان اسلام کی عظیم الشان تاریخ سے سبق سیکھیں اور خود بھی عظیم الشان بن جائیں۔

اپنی آخرت کا فکر کرو (۶۹) بنی اسرائیل کو دعوت اسلام

۴۸۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ

اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی اور نہ قبول کیجائیگی

مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

اسکی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائیگا اس سے معاوضہ اور نہ ان کو مدد دی جائیگی

آیت کا مطلب یہ ہے۔ اُس دن سے ڈرو جبکہ کوئی شخص کسی کے کچھ کام نہیں آئیگا اور نہ اس کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کوئی بدلہ یا معاوضہ وصول کیا جائیگا اور نہ کسی اور قسم کی مدد دی جائے گی۔ مطلب یہ کہ تم لوگ دنیوی فائدوں کا خیال کرتے ہو، کچھ آخرت کا بھی خیال کرو کہ وہاں کیا ہوگا؟ اگر آخرت کے معاملے کی اہمیت کو سمجھتے ہو تو اسلام کی اطاعت سے دل مت چراؤ۔

اے ایمان والو! آپ روزانہ دنیا کے کاروبار کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے پاس روپیہ نہیں ہوتا تو آپ کسی دوست یا بھائی سے ادھار لے لیتے ہیں۔ آپ کو ملازمت نہیں ملتی، تو آپ کسی بڑے آدمی کی سفارش لے جاتے ہیں۔ آپ کوئی جرم وخطا کر بیٹھتے ہیں تو رشوت یا معاوضہ دے کر رہا ہو جاتے ہیں۔ آپ کسی مصیبت یا ضرورت میں پھنس جاتے ہیں تو سفارش لے جا کر منت

Marfat.com

کرکے، خاندان کا نام لے کر، دھوکا دے کر، زبردستی کر کے یا بہانہ کر کے چھوٹ جاتے ہیں یا اپنا کام نکال لیتے ہیں، لیکن قیامت میں ایسا نہیں ہوگا۔ وہاں کا قانون اس دنیا کے قانون سے بالکل الگ ہے۔ چونکہ یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اس لئے آپ اپنے بچاؤ کے لئے ہر قسم کی تدبیر، کوشش، حیلہ، بہانہ، رشوت، معاوضہ اور سفارش سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن اس دنیا میں سرے سے عمل اور کوشش کا نام ہی موجود نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمل کی دنیا انسان کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے اور موت کے بعد جو دنیا شروع ہوتی ہے وہ صرف جواب دینے اور پھل پانے کی دنیا ہے۔ آپ جو کچھ یہاں سے لے جائیں گے وہاں اس کو تول کر معاوضہ دے دیا جائے گا اور اس سے زیادہ اور کچھ بھی کاروائی نہیں ہوگی۔ پچھلے سبقوں میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ یہودی لوگ دنیا کی چند روزہ لذتوں اور نقصان کا خیال کر کے اسلام سے بھاگتے تھے۔ پہلے انہیں کہا گیا کہ نماز اور صبر سے طاقت حاصل کرو، پھر کہا گیا کہ اپنی عظیم الشان تاریخ سے سبق لو اور چھوٹے چھوٹے فائدوں اور نقصانوں کے لئے اپنی قومی عظمت کو برباد نہ کرو۔ اب انہیں کہا گیا ہے کہ موت کے بعد کی زندگی کا جو ہمیشہ رہنے والی ہے، خیال کرو۔ یہاں تو چالاکی، تدبیر، حیلہ بازی، رشوت اور سفارش سے چھوٹ جاتے ہو وہاں کیا کرو گے؟

اے بندگان خدا! یہودی لوگ، قانون خدا کی اطاعت سے صرف اس لئے محروم رہے کہ قیامت کے معاملہ پر انہوں نے نظر نہیں ڈالی۔ وہ زندگی بھر صرف اسی دنیا کی بات سوچتے رہے لیکن موت کے بعد کی بات پر انہوں نے ذرا بھی غور نہ کیا۔ افسوس کہ آج ہمارا حال بھی یہی ہے، ہم حکومت، لیگ، کانگرس، ممبری اور ملازمت کی باتیں بہت سوچتے ہیں اور اپنے دنیوی مفاد کے لئے نقصان بھی اٹھاتے ہیں اور تکلیفیں بھی سہتے ہیں مگر خدا کی صحیح تعلیم کی پیروی کے کچھ بھی نہیں کرتے حالانکہ یہ دنیا صرف چند روزہ ہے اور آخرت ہمیشہ ہے۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی | یہود کو دعوت اسلام | فرعونی قتل اطفال

۴۹- وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

اور جب ہم نے بچایا تمکو فرعون والوں سے وہ دکھ دیتے تھے تمکو بڑا دکھ

يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ

وہ ذبح کرتے تھے بیٹے تمہارے اور جیتی رکھتے تھے عورتیں تمہاری اور اس میں آزمائش تھی

مِّن رَّبِّكُمْ تمہارے رب کی عَظِيمٌ بڑی۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے فرعون کے لوگوں سے تم کو نجات دی۔ وہ لوگ تمہیں بہت تکلیفیں دیتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور یہ بات تمہارے لئے خداتعالیٰ کی ایک بہت بڑی آزمائش بنی ہوئی تھی۔

اے بندگان خدا! بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے۔ مصر میں انہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے بسایا تھا۔ حضرت یوسف نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ لیکن جب اولاد یعقوب کے عمل بگڑ گئے تو حکومت ختم ہوگئی اور وہ غیروں کی غلامی میں ذلت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اُن کے بادشاہ کا لقب فرعون تھا۔ حکومت کے نشے نے فرعون کے دماغ کو اس قدر بگاڑا کہ وہ خود کو خدا کے برابر سمجھتا تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل بہت ذلیل تھے۔ ایک رات فرعون کو خواب میں یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اور وہ اُس کی حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ اب فرعون نے اپنی ظالمانہ حکومت کی حفاظت کے لئے یہ آرڈیننس (قانون) جاری کر دیا کہ اسرائیلی گھروں میں بچے بچے کی پیدائش کا حساب رکھا جائے، اُن کا ہر لڑکا قتل کر دیا جائے اور لڑکیاں زندہ رکھی جائیں۔

فرعون کا آخری مقصد یہ تھا کہ یہودیوں کی فوجی اور جنگی طاقت کو اس درجہ ختم کر دیا

Marfat.com

جائے کہ اُن کی ساری کی ساری قوم، صرف لڑکیوں کی قوم بن جائے۔ حاکم قوم، جوانوں کو پیدا کرے اور بنی اسرائیل والے اُن کے لیئے اپنی لڑکیاں بہم پہنچایا کریں۔ اوپر کی آیت میں بتایا گیا، اے بنی اسرائیل! جب مصر میں تمہاری ایسی بری حالت ہو چکی تھی تو ہم نے فرعون کو تباہ کیا اور تمہیں آزادی اور خود مختاری کا تاج پہنایا۔ پھر اب تم کیوں دشمنان اسلام سے ڈر کر قبول اسلام کا حوصلہ نہیں کرتے اور کیوں اپنی قدیم تاریخ سے ہمت اور جوانمردی کا سبق سیکھ کر حمایت حق میں کھڑے نہیں ہوتے؟

اے ایمان والو! فرعون کی طرح ہر ظالم حکومت کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ غلام قوموں میں فوجی طاقت پیدا نہ ہو۔ فرعون کا دل صاف تھا، اس واسطے وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو تلوار سے قتل کر دیتا تھا۔ مگر آج کل کی ظالم حکومتیں نہایت مکاری کے ساتھ اپنی ماتحت قوموں کے بچوں کو قتل کر رہی ہیں۔ وہ سکول بنا کر، فیشن میں ڈال کر، سینما میں بھیج کر، ہتھیار چھین کر، خطابات اور عہدے دے کر، مذہبی غیرت کو مٹا کر، چکلے اور شراب خانے کھول کر، نفاق ڈال کر، بے دینی پھیلا کر، آپ کے جوانوں کو عورتوں کی قوم بنا رہی ہیں۔ لیکن یہ حکومتیں خواہ کچھ بھی کریں، آخرکار فرعون ہی کی طرح اُن کے منصوبے بھی ناکام ہوں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر دنیا کی ہر ایک غالب قوم، سچ مچ بھی فرعون بن جائے تو پھر بھی آپ آزاد ہو سکتے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ آپ کافروں کی چالوں کو سمجھیں اور قانون الٰہی کی اطاعت کی تلوار لے کر مقابلہ کے میدان میں اُتر آئیں۔ فرعون مٹ گیا اور حضرت موسیٰ عؑ کو فتح ہوئی، ابوجہل مٹ گیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح ہوئی۔ آج پھر ابوجہل اور فرعون برباد ہوں گے اور حق پرست کامیاب ہو جائیں گے ایک دفعہ پوری آواز سے نعرہ لگاؤ، فرعون مردہ باد، اسلام زندہ باد۔

Marfat.com

دربار غلبہ	یہود کو دعوت اسلام	تاریخی واقعات کی یاد دہانی

۵۰- وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ
اور جب پھاڑا ہم نے تمہارے لئے سمندر پس بچایا تم کو اور ڈبویا ہم نے فرعونیوں کو
وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم دیکھتے تھے - آیت کا مطلب یہ ہے - اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے تمہارے گزارنے کے لئے سمندر کو پھاڑا تھا، پھر تم کو غرق ہونے سے بچا لیا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا اور تم اس نظارے کو دیکھ رہے تھے۔

عزیزان اسلام! حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل کو آزادی دی جائے۔ فرعون یہ چاہتا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنائے رکھے۔ آخر کئی مقابلوں کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ بحر قلزم کے کنارے پر آئے تاکہ مصر سے نکل کر شام اور سینا کے علاقوں میں داخل ہو جائیں، ٹھیک اُسی وقت فرعون بھی اپنی فوج کے ساتھ آ پہنچا۔ بنی اسرائیل کے لئے یہ وقت نہایت ہی نازک اور خطرناک تھا۔ اُن کے آگے سمندر کی موجیں طوفان اٹھا رہی تھیں اور اُن کے پیچھے فرعون کی خونخوار فوج تلواریں لئے حملہ آور ہو رہی تھی۔ اِس وقت پھر رحمت خداوندی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر وہ معجزہ دکھایا جس کی مثال نہیں ملتی۔ اِدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قدم بڑھایا اُدھر سمندر میں جزر آ گیا، سمندر پھٹ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر پار ہو گئے۔ فرعون نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ اسی راستے سے گزرنا چاہا مگر سمندر کی موجیں مل گئیں اور آن کی آن میں فرعون اور اس کی فوجیں ملیا میٹ ہو گئیں۔

عزیزان اسلام! اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ اگر آپ کے آگے سمندر اور پیچھے فرعون موجود ہو تو پھر بھی آپ کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ ایمان کی طاقت پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور دشمن کے سامنے اپنے سر کو جھکانا نہیں چاہئے۔ آپ بنی اسرائیل

Marfat.com

کی حالت پر غور کریں - وہ فرعون کی فوجوں اور سمندر کی موجوں کے درمیان اس طرح پھنسے ہوئے تھے کہ اس وقت کوئی دانا سے دانا آدمی نجات کا خیال تک نہیں کر سکتا تھا تاہم نجات ہوئی، خدا کی رحمت نے سہارا اور وسیلہ پیدا کیا، نہ صرف یہ کہ نجات ہوئی بلکہ فرعون بھی ڈوبا اور اس کی فوج بھی برباد ہوئی اس واسطے آپ یہ مت خیال کیجئے کہ آپ کے لیے عزت اور خلافت حاصل کرنے کا راستہ بند ہے۔ اگر کوئی فرعون آپ کے تمام بچوں کو قتل کر ڈالے اور آپ کی قوم کو صرف عورتوں کی قوم بنا دے - اگر آپ کے ایک طرف آگ کا سمندر ہو اور دوسری طرف گولہ باری کی برسات ہو تو آپ کو پھر بھی نجات اور آزادی کا راستہ ملیگا۔ اس دنیا میں ناممکن کوئی چیز نہیں ہے - اس دنیا میں مایوسی اور ناامیدی کوئی شے نہیں ہے - اس دنیا میں موت سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور زندگی سے موت پیدا ہوتی ہے - آپ کے دل میں کبھی یہ وہم پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کا دشمن بہت قوی ہے، یا آپ کی حالت بہت زیادہ کمزور ہے - اصل سوال نہ دشمن کی قوت کا ہے اور نہ آپ کی کمزوری کا - بلکہ اصل سوال صرف یہ ہے، کیا آپ خدا تعالیٰ کے بتلائے ہوئے اصولوں پر چلتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں چلتے تو چلنے کی صورت پیدا کر لیجئے، پھر دریا آپ کو راستہ دیں گے، پہاڑ آپ کے لئے ہموار ہو جائینگے اور آسمان آپ کے لئے فرش بچھائیں گے - اے ایمان والو! آپ خدا کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کریں، خدا کو اپنا بادشاہ سمجھیں اور اس کے قانون کی پیروی کریں - پھر دنیا اور آخرت میں سرداری کے تاج آپ کے لئے ہوں گے - لیکن اگر خدا تعالیٰ کی سچی تعلیم پر چلنے کے بغیر آپ کامیابی چاہتے ہیں تو ناممکن ہے - کامیابی کے لیے کوئی بنیاد چاہیے حق اور باطل کس طرح ایک ہو سکتا ہے - اصلی اٹھان اور حقیقی ترقی کی راہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ قرآن کی پیروی کرو۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی　یہود کو دعوت اسلام　یہود کی بچھڑا پرستی

۵۱- وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر پکڑا تم نے بچھڑا بعد اس کے

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ ۵۲ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

اور تم ظالم ہو　پھر معاف کیا ہم نے تم کو　بعد اس کے　شاید کہ تم قدر مانو

آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتوں کے لئے کوہ طور پر بلایا تھا اور ان کے بعد تمہاری حالت یہ ہوئی کہ تم نے سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر اسے پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے۔ اس جرم کے باوجود بھی ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر گذار بن جاؤ۔

عزیزان اسلام! یہودیوں کی قومی تاریخ کے واقعات لگاتار دہرائے جا رہے ہیں اول اس لیے تاکہ وہ خدا تعالیٰ کے پہلے احسانوں کو یاد کرکے اب پھر اس کے قانون کو ماننے سے انکار نہ کریں۔ دوم اس لیے تاکہ وہ اپنی پہلی عظمت اور شان کی طرف رغبت کرکے اپنے حال کو درست کرلیں۔ سوم اس لیے تاکہ وہ دشمنان اسلام سے بے خوف ہوجائیں اور یہ سمجھ لیں کہ جس خدا نے ہماری قوم کو بڑی بڑی مصیبتوں سے نکالا تھا، وہ آج بھی ہماری قوم کی موجودہ مصیبتوں کو دور کرسکتا ہے۔ ان واقعات سے یہ مقصود بھی ہے کہ مسلمان، یہودیوں کے قومی ظلموں اور ناشکر گذاریوں کو پڑھ کر یہودیوں کی موجودہ فطرت سے واقف ہوجائیں۔ اوپر کی آیت میں یہودیوں کے ایک اور ظلم اور ناشکری کا ذکر کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کا یہود پر احسان یہ تھا کہ اس نے انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دی، اُن کے لئے سمندر کو پھاڑا اور ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون کو غرق کرکے یہ بتا دیا کہ خدا تعالیٰ اُن پر کس قدر رحیم ہے، لیکن یہودیوں کی بدفطرتی کا حال یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

صرف چالیس راتوں کے لیے اُن سے غیر حاضر ہوئے اور صرف اتنی سی مدت میں انہوں نے خدا کی اطاعت ترک کر دی اور سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر اُسے پوجنے لگے۔ اس واقعہ سے ایک طرف مسلمانوں پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایسی ظالم اور ناشکر گذار قوم کبھی خلافت الٰہی کی حق دار نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف یہودیوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم لوگوں نے ہمیشہ خدا تعالیٰ کی مہربانیوں کو جھٹلایا ہے، اب تو باز آجاؤ۔

اے ایمان والو! یہودیوں کے ظلم، بے اصولی اور ناشکری سے یہ سبق ملتا ہے کہ خدا تعالیٰ خود کسی قوم کو ذلیل نہیں کرتا بلکہ قومیں خود ہی اپنی ناشکری اور بے اصولی کے باعث ذلیل ہو جاتی ہیں۔ دیکھئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے قوم کو فرعون جیسے ظالم بادشاہ کی غلامی سے نکالا اور آزادی کا تاج پہنایا۔ یہودی قوم کا دشمن فرعون ان کی آنکھوں کے سامنے غرق ہو گیا اور شام جیسے زرخیز ملک میں یہود کی قومی حکومت قائم ہو گئی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بے مثال احسان فرمائی کا یہودیوں نے یہ جواب دیا کہ وہ اُن کی صرف چالیس روز کی غیر حاضری میں خدا سے بھی باغی ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی باغی ہو گئے۔ یہ ناشکر گذاری صرف یہودیوں کا ہی حصہ نہیں ہے، ہر برباد ہونے والی قوم کی حالت یہی ہوا کرتی ہے۔ کیا آج آپ کی یہ حالت نہیں ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ذلت کے فرش سے اٹھا کر عزت کے عرش پر بٹھایا تھا، لیکن آج اسی قوم کے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اسلام کو مٹا رہے ہیں، وہ غیر طاقتوں کی جاسوسیاں کرتے ہیں، وہ غیر طاقتوں کی تنخواہوں، عہدوں، خطابوں اور اعزازوں پر خوش ہوتے ہیں، انہیں فوجی بھرتیاں دیتے ہیں اور اسلامی ملکوں کو برباد کراتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کی یہ ناشکری یہودیوں سے بھی بدتر نہیں ہے؟

Marfat.com

۵۳۔ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ

اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کسوٹی شاید کہ تم ہدایت پاؤ

آیت کا مطلب یہ ہے اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی کسوٹی دی تھی تاکہ تم درست راستے پر چلو۔

اس آیت میں یہود کو بتایا گیا ہے، تم اس چکر میں نہ پڑو کہ الگ الگ کتابیں کیوں آئیں بلکہ تم اصل مقصد کی طرف دیکھو۔ سب کتابوں کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ، ہدایت کے راستے پر چلیں، لیکن اگر یہودی لوگ تورات کو پڑھیں اور عمل نہ کریں یا مسلمان قرآن کو پڑھیں مگر عمل نہ کریں تو پھر صرف لفظوں کے دہرا لینے سے خدا کی منشا کبھی پوری نہیں ہوسکتی۔ آیت بتلاتی ہے کہ تورات کے بھیجنے کا مقصد لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ تھا یعنی یہ کہ تم ہدایت کے راستے پر چلو۔ اسی آیت میں تورات کو کتاب بھی کہا گیا ہے اور فرقان بھی۔ فرقان کے معنی ہیں سچ اور جھوٹ، نیکی اور بدی اور حق و باطل کو نکھار کر الگ الگ کردینے والی روشنی۔ خدا کے قانون کا آخری مطلب یہی ہوتا ہے کہ خدا کے بندوں کو حق و باطل کی پرکھ کے لئے ایک ایسی کسوٹی دی جائے جس سے وہ ہر اچھے اور برے کو الگ الگ پہچان لیں اور پھر برے کو چھوڑ دیں اور اچھے پر عمل کریں۔ فرقان کی جو نعمت حضرت موسیٰ کو دی گئی، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر مکمل ہوگئی لیکن افسوس کہ ہم اس کسوٹی پر اپنی زندگی کو نہیں پرکھتے اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ کھرے اور کھوٹے مال کو پرکھنے والی کسوٹی تو ہمارے ہاتھ میں ہے لیکن ہم غیروں کا منہ تک رہے ہیں، کوئی انگریز کے در پر گرا ہوا ہے اور کوئی گاندھی جی کا بھگت بنا ہوا ہے، حالانکہ دنیا بھر کی مشکلوں کا حل صرف یہ ہے کہ انسان، قرآن اور صرف قرآن کی پیروی کرے۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی　یہود کو دعوت اسلام　غلامی حق زندگی سے انکار

۵۴۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم تم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر کر پکڑنا

كُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ

تم نے بچھڑا اب توبہ کرو طرف خدا اپنے کے اور قتل کرو اپنی جانوں کو یہ بہتر ہے

لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

تمہارے لئے پاس خدا تمہارے کے پس وہ پھرا تم پر بیشک وہ وہی معاف کرنیوالا مہربان

ارشاد ہوتا ہے اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے واپس آکر اپنی قوم سے کہا، اے قوم! یہ جو تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی، تو یہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب تم خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور خود اپنی جانوں کو قتل کرو، تمہارے واسطے خدا کے ہاں یہی بہتر ہے لیکن اس کے بعد خدا نے تمہیں معاف کردیا۔ بیشک وہی معاف کرنے والا ہے۔

عزیزانِ اسلام! آپ جانتے ہیں کہ فرعون یہ چاہتا تھا کہ اپنے جیسے انسانوں پر حکومت کرے مگر یہ بات خدا کو منظور نہیں ہے کہ کوئی انسان خدا کے سوا، کسی اور قوت یا طاقت کی غلامی کرے۔ اس واسطے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تاکہ وہ ہزارہا مظلوم انسانوں کو ایک ظالم انسان کی غلامی سے چھڑائیں اور قانون خدا کی اطاعت کا سبق سکھائیں۔ جب بنی اسرائیل آزاد ہوگئے تو حضرت موسیٰ ع چالیس دن کے لئے کوہ طور پر گئے تاکہ ان کے لئے خدائی قانون حاصل کریں مگر بنی اسرائیلیوں نے آپ کی غیر حاضری میں سونے اور چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر اس کو پوجنا شروع کردیا۔ یہود کی اس حرکت پر انسانی زندگی کی ذلت کی حد ہو گئی۔ خدائے رحیم نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو اس لیئے بھیجا تھا تاکہ انسان، انسان کی بھی غلامی نہ کرے۔ لیکن یہود نے جو انسان کی غلامی سے آزاد ہو چکے تھے۔ اب دھات کے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ انسانیت کی یہ وہ موت تھی جس سے بدتر انسان کے لئے کوئی اور موت نہیں ہو سکتی۔ جو شخص جاندار ہو اور پھر بے جان کی پوجا کرے، اُس کے لیئے عقل، منطق اور انسانیت کو یہی فیصلہ کرنا چاہیئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کے لئے دیا۔ آپ نے یہ فیصلہ دیا، تم لوگ زندہ ہو، لیکن ایک مردہ بُت کو پوج رہے ہو، پس تم نے خود اپنے عمل سے اپنی زندگی کی نفی کر دی ہے، لہٰذا تم خود ایک دوسرے کو قتل کر کے اپنی زندگیوں کو ختم کر ڈالو۔ اگرچہ قرآن نے یہ صراحت نہیں کی کہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ مگر توریت میں لکھا ہے کہ لوگ تلوار لے کر نکلے اور جو جس کے قابو آیا اُسے قتل کیا گیا اور اس طرح ایک دن میں تیس ہزار آدمی قتل ہوئے۔

اس سخت حکم میں ایک بہت بڑا راز ہے، اُسے سمجھنا چاہیئے۔ فرعون کی غلامی کے باعث بنی اسرائیل کے اکثر لوگوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ قتل کے سوا ان کا کچھ بھی علاج نہ تھا۔ وہ ایسی خشک اور بوسیدہ لکڑی بن چکے تھے جو جلانے کے سوا کسی بھی کام کے لائق نہ تھی۔ پس آیندہ نسلوں کی درستی کے لیئے گندے مواد کا اپریشن کیا گیا تاکہ گھاس پھوس ختم ہو جائے اور صرف آن والے اور جابر لوگ باقی رہ جائیں اور وہ احکام خدا پر عمل کریں۔ اس کے بعد یہودی لوگ تائب ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے بھی ان کا جرم معاف کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو شخص خدا کا بندہ ہو کر کسی غیر طاقت کے قانون کی غلامی کرتا ہے، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے اپنی زندگی ہی کے حق کو ضائع کر دیا۔ آؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فیصلے کی روشنی میں اپنی حالت پر غور کریں۔ ہم میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو کسی بھی فیصلے کی پابندی نہیں کرتے، حضرت موسیٰ عہ نے ایسے ہی ناکارہ لوگوں کی قتل سے صفائی کرائی تھی۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاددہانی — یہود کو دعوت اسلام — موت کے بعد زندگی

۵۵۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ نہیں ہم یقین کرینگے تیرا جب تک نہ دیکھیں اللہ کو ظاہر

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۵۶۔ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ

پھر پکڑا تم کو بجلی نے اور تم دیکھتے تھے پھر کھڑا کیا ہم نے تم کو تمہاری موت کے بعد

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکر گذار ہو۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ تم نے یہ کہا تھا، اے موسیٰ! جب تک ہم خدا کو نہ دیکھیں، ہم تیرا یقین نہیں کریں گے۔ پس بجلی نے تم کو آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر موت کے بعد خدا نے تم کو زندگی دی تاکہ تم شکر گذار بن جاؤ۔

عزیزان اسلام! فرعون کی غلامی نے بنی اسرائیل کو نہایت ہی ذلیل عادتوں کا مجموعہ بنا دیا تھا۔ ان سے عزت، دانائی اور وقار کا مادہ جاتا رہا، ان کی طبیعت کسی اصول اور قاعدے کی پابند نہیں ہوتی تھی، ان کو ڈنڈے کے بغیر کام کرنے کی بالکل عادت نہیں تھی انہوں نے آزادی کا مطلب صرف یہی سمجھا تھا کہ جو زبان پر آیا، کہہ دیا اور جو کچھ دل میں گزرا، کر ڈالا۔ ان کی ذلت کی یہ انتہا تھی کہ جب وہ فرعون کی غلامی سے چھوٹ گئے تو بچھڑے ہی کو اپنا معبود بنا لیا اور غلامی کی عادت پوری کرنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ نے انہیں عملی فائدہ پہنچایا تھا اور فرعون کی ذلیل ترین غلامی سے نکال کر عزت اور آزادی کی زندگی بخشی تھی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس زندہ معجزے کے بعد انہیں کچھ بھی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ان پر بے اعتمادی ظاہر کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کبھی معاوضہ نہیں مانگا تھا، وہ اپنے کو کسی سلطنت کا بادشاہ بھی بنانا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ میں بھی خدا کی اطاعت کرتا ہوں اور تم بھی خدا کی اطاعت کرو۔ لیکن بنی اسرائیل پر نہ تو

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بے مثال کارناموں کا کچھ اثر ہوا اور نہ ان کے خلوص اور بے نفسی کا۔ جب بنی اسرائیل پر حضرت موسیٰ ع کے متعلق کوئی بھی حجت باقی نہ رہ گئی تو انہوں نے آخری بات مرضی یہ کہہ دی کہ جب تک خدا ہمارے سامنے نہیں آئے گا، ہم تمہاری بات کا اعتبار نہیں کریں گے۔ بنی اسرائیل کو اس نامعقولیت کا جواب بجلی نے دیا اور اس سے عقلی طور پر بھی اُن کی موت ہو گئی اور جسمانی طور پر بھی ان کی موت ہو گئی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے پھر بھی کرم کیا اور خلافت عطا فرمائی تاکہ وہ پھر سنبھل جائیں۔

عزیزان اسلام! اوپر کی آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ اگر قدرت کی طرف سے کبھی آپ کو سزا ملتی ہے یا انعام دیا جاتا ہے تو دونوں صورتوں میں قدرت کا منشا یہ ہوتا ہے کہ تم خدا کی نعمتوں کی قدر کرو اور اس کے شکر گذار بندے بن جاؤ۔ یہود کی ناشکری کی یہ انتہا ہے کہ وہ خدا کی غلامی کے لئے تو یہ شرط لگاتے تھے کہ ہم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن فرعون کی غلامی کے لئے ان کے پاس کوئی بھی شرط موجود نہیں تھی اور اسی طرح بچھڑے کی غلامی کے لئے بھی کوئی شرط نہیں تھی۔ جب کسی قوم کا زوال اس حد تک پہنچ جائے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ اس کی موت ہے، عقل کی بھی موت، جسموں کی بھی موت۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حیات بخشیاں بھی دیکھئے کہ اس نے اس درجہ کی مردہ دل، مردہ عقل اور مردہ جسم اور بجلی زدہ قوم کو زندگی بھی عطا فرمائی اور حکومت بھی بخشی۔ اس واقعہ میں تمام مردہ دل قوموں کے لئے زندگی کا بہترین سبق موجود ہے۔ اے عزیزان اسلام! آپ کتنے بھی کمزور ہوں، آپ کے لئے آزادی اور انقلاب کا راستہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اگر آپ پر بنی اسرائیل کی طرح سچ مچ بھی بجلی گر جائے جو آپ کی تمام جسمانی، روحانی اور عقلی قوتوں کو فنا کر ڈالے تو پھر بھی آپ کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ جب بھی آپ قرآن پاک پر عمل کریں گے، آپ کامیاب ہوں گے۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاددہانی یہود کو دعوت اسلام بادلوں کے نیچے آزادی

۵۷- وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى

اور سایہ کیا ہم نے تم پر بادل کا اور اتارا تم پر من اور سلوی

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

کھاؤ ستھری چیزیں جو دی ہم نے تم کو اور نہیں انہوں نے ظلم کیا ہم پر لیکن تھے وہ

اَنْفُسَهُمْ اپنی جانوں پر يَظْلِمُوْنَ ظلم کرتے۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں وہ زندگی دی جبکہ تم پر ہم نے بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور سلوی اتارا کہ ہماری بخشی ہوئی یہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ (لیکن انہوں نے اس زندگی کو بھی نہیں نبھایا) اور انہوں نے ہمارا تو کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنی جانوں ہی کا نقصان کرتے رہے عراق سے آنے والے لوگ بتاتے ہیں کہ رات کو بعض درختوں پر شہد جیسی چیز شبنم کی طرح جم جاتی ہے جسے لوگ جمع کر کے کھاتے ہیں اور اسے من کہتے ہیں۔ سلویٰ پرندہ کا نام ہے

عزیزان اسلام! فرعون کی بادشاہی میں بنی اسرائیل کو طرح طرح کے دکھ دیئے جاتے تھے، ان کے لڑکوں کو قتل کیا جاتا تھا، ان کی لڑکیاں حاکم قوم کے جوانوں کے سپرد کر دی جاتی تھیں، ان پر عزت اور آزادی کی زندگی حرام تھی۔ اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور آپ نے فرعون اور فرعونی حکومت دونوں کو ختم کر دیا اور ہزاروں بنی اسرائیلیوں کے ساتھ بحر قلزم سے گزر کر شام اور سینا کے جنگلوں میں داخل ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اتنی مخلوق کیلئے جنگلوں میں نہ تو گھر تھا، نہ مکان تھا، نہ باورچی خانہ تھا اور نہ دالان اور ڈیوڑھیاں اس وقت بنی اسرائیل کی صاف اور سادہ زندگی یہ تھی کہ یہ پوری کی پوری قوم خدا کے بادلوں کے نیچے رہتی تھی اور من اور سلویٰ کھاتی تھی۔ بنی اسرائیل کا فرض یہ تھا کہ وہ اس نہایت ہی لذیذ پاکیزہ اور بے فکر زندگی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے اور یہ سمجھتے کہ جنگل میں آزادی کے

Marfat.com

ساتھ رہنا، شہروں کی غلامانہ زندگی سے ہزار درجہ اچھا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا دل و دماغ بالکل اندھا ہو چکا تھا اور وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ درختوں کے خوشگوار سائے میں بیٹھنا، دریاؤں کی خوش رفتار موجوں کے ساتھ کھیلنا، بے فکری کی راتوں میں سونا اور آزادی کی صبحوں میں جاگنا، خداوند پاک کی کیسی عجیب اور لطیف نعمتیں ہیں! آیت بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل اس زندگی پر بھی خوش نہ ہوتے اور حضرت موسیٰ ع سے اصرار کرنے لگے کہ ہمیں کسی شہری زندگی میں داخل کیجئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا یہ مطالبہ پھر ایک ظالمانہ مطالبہ تھا انہوں نے خدا کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتے تھے، اپنی جانوں کا نقصان کرتے تھے۔

اے ایمان والو! قرآن پاک آپ کو آزادی کا گیت سناتا ہے اور یہ پیغام دیتا ہے کہ بادلوں کے سایہ کے نیچے رہو مگر آزاد رہو۔ افسوس کہ آپ اس نغمۂ خوشگوار کی لذتوں سے بھی بے نصیب ہوتے جاتے ہیں۔ آج آپ کو آزادی کی پروا نہیں، صرف شہری لذتوں کی پروا ہے، سینما کی پروا ہے، آوارہ گردی کا شوق ہے، بستر پر لیٹے رہنے کا چاؤ ہے، بن سنور کر نکلنے کی حرص ہے، ریشمین رومالوں اور اطلسی جاموں میں لپٹنے کی امنگ ہے، حالانکہ اسلامی زندگی کی شان تلواروں میں ہے، مسلمان نوجوان جب صحراؤں میں پلتے تھے تو انہوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں اُلٹ دیں لیکن یہی نوجوان جب پھولوں میں تلنے لگے تو زندگی نے انہیں کانٹے کی طرح عزت کے راستے سے الگ ہٹا دیا۔ آؤ، ایک دفعہ پھر شہروں کی غلامانہ لذتوں کے جال توڑ دیں۔ سینماؤں کو آگ لگا دو، بستروں کو لپیٹ دو، عورتوں جیسے کپڑے اتار ڈالو اور اپنے اندر اُس زمانے کے مسلمانوں کی شان پیدا کرو جبکہ مسلمان قرآن اور تلوار کے سوا کسی دوسری شے سے واقف نہیں تھے جبکہ حضرت عمرؓ بوریئے پر سوتے تھے اور قیصر و کسریٰ ان کے نام سے کانپتے تھے، جبکہ حضرت علیؓ جَو کی روٹیاں کھاتے تھے اور مصر و شام کی زمینیں ان کے نام سے تھرتھراتی تھیں۔ آؤ! خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور خدا کی خلافت کے مستحق بن جائیں

Marfat.com

۵۸۔ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

اور جب کہا ہم نے داخل ہو اس شہر میں پس کھاؤ اس میں جہاں

شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ

چاہو بافراغت اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کر کر اور کہو حِطَّةٌ تاکہ ہم بخشیں

لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ط وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

واسطے تمہارے خطائیں تمہاری اور عنقریب ہم زیادہ دینگے نیکوکاروں کو

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اصرار کیا کہ ہم جنگل میں نہیں رہیں گے، ہمیں کسی شہر میں لے چلیے تو حکم آیا "اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے کہا کہ اس شہر میں داخل ہو اور یہاں جو چاہو، فراغت کے ساتھ کھاؤ، مگر دروازہ میں سجدے کر کے داخل ہونا اور زبان سے حِطَّةٌ کا لفظ کہتے جانا تاکہ ہم تمہاری خطائیں بخشیں اور نیک عمل کرنے والوں کو زیادہ بھی دیں گے۔ حِطَّةٌ کے معنی ہیں معافی۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت کا مطلب اگلی آیت کے ساتھ مل کر پورا ہوتا ہے۔ یہاں صرف اسی قدر سمجھ لیجیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکال کر جنگل میں بسایا تھا تاکہ شہری زندگی کے تکلفات، برائیاں اور آرام طلبیاں چھوٹ جائیں اور وہ سپاہی بن جائیں۔ مگر وہ جنگل میں رہنے پر رضامند نہ ہوئے، اس پر یہ حکم ہوا کہ اچھا شہر میں داخل ہو لیکن صرف اتنی پابندی ہے کہ جب دروازہ شہر سے گذرو تو سجدہ کرو اور زبان سے حِطَّةٌ کا لفظ کہو۔ یہ کچھ بھی پابندی نہ تھی لیکن وہ اس کو بھی پورا نہ کر سکے۔ کیونکہ اُن کی طبیعت فرعون کی غلامی کے باعث بہت آوارہ ہو چکی تھی۔ حکم تو یہ تھا کہ وہ حِطَّةٌ کا لفظ کہیں مگر انہوں نے حِنْطَةٌ کہنا شروع کر دیا جس کے معنی تھے کھاؤ پیو۔

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام غلامانہ ذہنیت کی انار کی

۵۹۔ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَ
پس بدل لی جنہوں نے ظلم کیا بات سوائے اسکے جو کہی گئی تھی ان کو پس
أَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ
اتارا ہم نے اوپر انکے جنہوں نے ظلم کیا عذاب آسمان سے کیونکہ تھے وہ نافرمانی کرتے

عزیزان اسلام! بنی اسرائیل کو صاف طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ تمہیں شہر میں آباد ہونیکی اجازت دی جاتی ہے۔ وہاں تم کو آزاد اور با فراغت کھانا ملیگا اور اس کے علاوہ تمہاری پچھلی خطائیں بھی معاف کر دی جائینگی۔ لیکن ان تین فوائد کے ساتھ پابندی صرف اتنی ہے کہ جب تم دروازہ شہر پر پہنچو تو سجدہ کرو اور پھر حِطَّةٌ کا لفظ کہہ کر شہر میں داخل ہو جاؤ۔ مگر غلاموں کا دماغ دیکھیے، ان سے اتنا ڈسپلن بھی دکھایا نہ گیا، چنانچہ کئی لوگ جب شہر میں داخل ہوئے تو وہ حِطَّةٌ کی بجائے اور کا اور لفظ کہتے چلے گئے۔ یہ لوگ غلامی کی زندگی میں اُف کیے بغیر اپنے لڑکے اور لڑکیاں قتل اور بے عزتی کے لئے فرعون کی ڈنڈا پولیس کے حوالے کر دیتے تھے مگر اب انہوں نے آزاد زندگی کی قدر یہ کی ہے کہ حکم خدا کو مان کر صرف ایک لفظ حِطَّةٌ بھی پابندی کے ساتھ اُن کی زبان سے نہیں نکلا۔ آپ یقین کیجیے کہ جو بھی قوم غلامی میں پڑی رہے گی، اس کے دماغی انتشار کی بالکل یہی کیفیت ہوگی۔

عزیزان اسلام! آپ فرض کیجیے کہ آج ہندوستان کے کالجوں میں یہی حکم دیا جاتا ہے میں پوچھتا ہوں، وہاں کیا ہوگا؟ بعض لڑکے شغل کے طور پر حُطَّةٌ کہدیں گے۔ بعض لڑکے شرارت کے طور پر حُقَّةٌ کہہ دینگے۔ زیادہ منطقی لڑکے کہیں گے، یہ کیا فضول بات ہے؛ اس حِطَّةٌ اور حِنْطَةٌ میں کیا پڑا ہے چنانچہ وہ چپ چاپ ہی گذر جائینگے۔ لیکن اگر شہنشاہ جاپان یا ہٹلر کی طرف سے ملکی نوجوانوں کو حکم دیا جائے کہ تم جب بھی کبھی کسی لیکچر ہال میں جاؤ دروازے کے سامنے سیدھے ہو۔ پھر فوجی سلام کرو اور آخر میں حِطَّةٌ کہہ کر ہال میں داخل ہو جاؤ

Marfat.com

آپ یقین کیجئے کہ جرمنی اور جاپان کے نوجوان عمر بھر اس حکم کی اس طرح تعمیل کرینگے کہ گویا ان کے لئے یہ ایک قومی فریضہ اور فوجی آرڈر ہے۔

حضرت موسیٰ ؑ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکال کر عرصہ تک جنگلوں میں رکھا تھا تاکہ وہ شہری خودسری اور خودپرستی کی عادتوں سے نکل کر سپاہیانہ زندگی کے آداب سیکھیں مگر اب داخلہ شہر کے وقت یہ معلوم ہوا کہ ابھی قوم سپاہیانہ نظام سے بہت دور ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں داخل ہو کر یہ قوم پھر قحط، وبا، طوفان وغیرہ میں مبتلا ہو گئی۔ عزیزان اسلام! آج ہماری حالت بھی بالکل یہی ہے، اگرچہ آپ کا خدا، رسول، قبلہ اور قرآن ایک سا ہے، لیکن آپ کے قومی نظام کی حالت یہ ہے کہ آپ کے دس آدمی بھی کسی ایک لفظ پر جمع نہیں رہے۔ آپ وضو کرتے ہیں تو جرابوں کے مسح پر آپ کا جھگڑا ہے، نیت نماز میں الفاظ کے کہنے یا نہ کہنے پر جھگڑا ہے۔ پھر امام کے پیچھے الحمد کے پڑھنے یا نہ پڑھنے پر جھگڑا ہے، پھر آمین، رفع یدین پر جھگڑا ہے، التحیات میں انگلی اٹھانے پر جھگڑا ہے آپ کے سیاسی جھگڑے اس سے بھی زیادہ زیادہ ہیں۔ آج آپ کی صحیح حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چیلنج دے کہ سب مسلمان ایک لفظ خلافت پر اتفاق کرلیں اور خلافت لے لیں تو مجھے یقین نہیں کہ اس پر بھی سب قوم کا اتفاق ہو، کوئی کہیگا یہ تحریک اٹھائی کس نے ہے؟ کوئی کہیگا کہ یہ سب کچھ لیگ کو نقصان پہنچانے کیلئے ہے کوئی کہیگا کہ یہ سارا پیٹ کا مصالحہ ہے، کوئی کہیگا، ووٹوں کے لئے یہ نیا چکر چلایا گیا ہے، صرف عوام نہیں، خود لیڈروں میں اتفاق نہیں ہوگا۔ مولوی کچھ کہیں گے، احرار کچھ اور، خاکسار کچھ اور، مرزائی کچھ اور، بریلوی کچھ اور۔ آپ پوچھیں گے، ہماری قوم میں کیوں ایک فرضی لفظ پر اتفاق نہیں ہوتا، صرف اس لئے کہ ہم کو آزادی کی قدر نہیں ہے، ہم ڈنڈے کے بغیر متحد ہونا جانتے ہی نہیں ہیں، سالہا سال کی غلامی نے ہمارے دماغوں کو قومی نظام کے رُخ پر سوچنے کی طاقت سے محروم کر دیا ہے۔ ہماری اس دماغی انارکی کا نتیجہ وہی ہے جو بنی اسرائیل کو ملا یعنی آسمان سے عذاب آیا اور وہ ذلیل ہو کر رہ گئے۔ آج ہماری غریبی، بھوک، قحط اور ارتداد ہماری اسی غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہیں

Marfat.com

۶۰- وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے پس کہا ہم نے مار اپنے عصا سے پتھر کو

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ط قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

پس جاری ہو گئے اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر گروہ نے گھاٹ

اپنا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو، جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے پانی مانگا اور ہم نے انہیں کہا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو۔ اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کی ہر جماعت نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔

عزیزان اسلام! بنی اسرائیل شہروں میں رہتے تھے، جب فرعون کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو حضرت موسیٰ نے انہیں شہروں سے نکالا اور جنگلوں میں بسایا، تاکہ وہ شہروں کی بری عادتیں بھول جائیں، سادہ رہنے اور سادہ کھانے کی عادت ڈالیں اور آزادی، بے فکری اور سپاہیانہ زندگی کی قدر کو سمجھنے لگیں مگر جنگل کی یہ پاکیزہ اور آزاد زندگی بھی انہیں پسند نہ آئی۔ اب شہری عادتیں پورا کرنے کی خاطر انہیں پھر شہروں میں بسایا گیا۔ لیکن یہاں وہ بے اعتدالیاں کرنے لگے جس سے شہر میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی اور ان کے ستر ہزار آدمی مر گئے۔ اس پر حضرت موسیٰؑ انہیں پہاڑی علاقوں میں لے آئے۔ یہاں انہیں پانی کی ضرورت ہوئی جسے حضرت موسیٰؑ نے بحکم خداوندی ایک پہاڑی چٹان سے حاصل کیا۔ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو غلاموں کی ذہنیت بتائی جائے جن لوگوں کو غلامی کی عادت ہو جاتی ہے ان کا حال بالکل بنی اسرائیل کا سا ہو جاتا ہے، وہ کسی حال میں خوش نہیں ہوتے، وہ جہاں جاتے ہیں نکتہ چینی کرتے ہیں، پہلے شہروں میں تھے تو فریاد کرتے تھے پھر جنگل میں آئے تو یہاں بھی شور کرنے لگے، پھر شہروں میں گئے تو وہاں بے اعتدالیاں شروع کر دیں، یہاں سے پہاڑوں میں آئے تو آب پانی کو ترسنے لگے۔ بنی اسرائیل کے حال سے سبق سیکھو، دیکھو، غلامی بڑی لعنت ہے۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاددہانی یہود کو دعوت اسلام غلاموں کو آزادی دو پہر

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

کھاؤ اور پیو خدا کی روزی سے اور خرابی نہ ڈالو زمین میں فساد مچاتے

یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی، کھاؤ پیو اور فسادی بن کر ملک میں خرابی نہ پھیلاؤ

عزیزان اسلام! یہ سبق اس لیے لکھے جا رہے ہیں تاکہ قرآن کی ہدایت آپ تک پہنچائی جائے، اس واسطے ہم فضول بحثوں اور جھگڑوں کی باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں، آج یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ جھگڑے پیدا کس طرح ہوتے ہیں؟ کل کی آیت کے لفظوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو پانی کی ضرورت تھی، پانی کے بارہ چشمے بحکم خداوندی ایک چٹان سے عصا مار کر حاصل کیے گئے ہیں۔ یہ واقعہ بالکل صاف ہے، پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے پھوٹتے ہیں اور معمولی ماہرین طبقات زمین مٹی کی صرف شکل دیکھ کر بتا دیتے ہیں کہ یہاں سے پانی یا تیل وغیرہ نکل سکے گے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ عام حالات میں بھی اس واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جب ایسے سادہ واقعات کے متعلق بھی بعض مفسرین یہ لکھ دیتے ہیں کہ "بنی اسرائیل نے یہ پتھر ساتھ لے لیا تھا، جب مقام ہوتا تو اُسے رکھ کر پانی کے چشمے حاصل کر لیتے اور جب کوچ ہوتا تو اُسے ساتھ اٹھا لیتے" تو اس سے ضرور جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ ایسے جھگڑوں کی اصل بنیاد صرف ہماری غلامانہ ذہنیت ہے۔ ہم سبق نہیں لیتے بلکہ لفظی جھگڑا شروع کر دیتے ہیں اور سادہ معاملے کو بھی عمل اور ہدایت کی بجائے، بحث واختلاف اور لفظی جھگڑوں میں الجھا دیتے ہیں۔

عزیزان اسلام! ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک شکاری نے ایک جانور پکڑا اور پنجرے میں ڈال دیا اور وہیں ایک عرصہ تک اسے کھلاتا پلاتا رہا، یہاں تک کہ اس جانور کی فطرت شکاری اور پنجرے کی وفاداری میں پختہ ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد جب جانور نے آزادی

Marfat.com

کا مطالبہ کیا تو شکاری نے اُسے چھوڑ دیا۔ اب یہ جانور بہت خوش ہو کر اُڑا اور اُس نے اُسی شکاری کی چھت میں اپنا گھونسلا بنا لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندوستان کے آزادی طلبوں کی حالت بھی یہی ہے۔ اگر انگریز انہیں چھوڑ بھی دیتے ہیں تو وہ پھر بھی انہی کی چھت کے نیچے (سوراج زیر سایہ برطانیہ) اپنا گھونسلا بنا لیتے ہیں مسلمانوں نے بھی قرآن کے ساتھ یہی کیا ہے۔ قرآن تو ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ جن قوموں کو غلامی کی چاٹ لگ جائے اُن کی ذہنیت کیسی ہو جاتی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جنگل میں بسایا تو وہ من اور سلویٰ پر راضی نہیں ہوتے۔ پھر شہر میں آباد کرایا تو وہ وہاں کی آزاد شہریت پر بھی خوش نہ ہوئے۔ اب پہاڑوں اور چشموں میں طرح اقامت ڈالی تو یہاں بھی خوش نہیں ہوئے قرآن پاک کا مطلب یہ تھا کہ جن قوموں کی فطرت حکومت کے ڈنڈے ہی سے مانوس ہو چکی ہو، ان کے دلوں کو قدرت کا کوئی بھی آزاد نظارہ نہیں بھاتا۔ قرآن نے تو ہمیں آزادی کی فضا میں اڑایا تھا مگر ہم بنی اسرائیل کے غلام بھائی اس بلند فضا میں اُڑ ہی کہاں سکتے تھے اس واسطے ہم یہاں بھی جھگڑوں ہی میں الجھ گئے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ چشمے کیونکر پھوٹے؟ کوئی کہتا ہے بارہ ہی کیوں پھوٹے؟ کوئی کہتا ہے، بنی اسرائیل پتھر کو ساتھ لئے پھرتے تھے اور ہر جگہ اس سے چشمے نکال لیتے تھے۔ یہ ساری بحثیں ہماری غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہیں۔ قرآن ہمیں کہتا ہے "آزادی"۔ اور ہم کہتے ہیں، آزادی کیا؟ اصل چیز تو جھگڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ہر آیت جو آزادی کا پیغام تھی، مگر آج جھگڑے کا ذریعہ بنی ہوئی ہے بلکہ اب ہم قرآن کو پڑھتے ہی بحث اور جھگڑے کیلئے ہیں۔ آج کی آیت میں بنی اسرائیل کو پھر اصل حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے تمہیں آزادی دی ہے، اب کھاؤ پیو، ملک میں فساد کیوں کرتے ہو؟ خدا تعالیٰ کی یہ نصیحت بھی بالکل ہمارے حال کے مطابق ہے۔ ہندو مسلمان جب بالکل غلام تھے تو کچھ امن سے رہتے تھے مگر جب سے صوبجاتی آزادی ملی ہے، خوب فساد ہو رہے ہیں۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہماری غلامانہ ذہنیت آزادی کی قدر نہیں کر سکتی

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام آزادی کا غلط استعمال

۶۱۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ نہیں صبر کرینگے اوپر ایک کھانے کے پس بُلا
لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا
واسطے ہمارے اپنے رب کو نکالے ہمارے لیے جو کچھ اُگتا ہے زمین سے ساگ اس کا
وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ
اور ککڑی اسکی اور گیہوں اسکی اور مسور اسکی اور پیاز اس کا کہا کیا تم بدلتے ہو
الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ
وہ چیز جو ادنیٰ ہے بدلے اس چیز کے جو بہتر ہے

آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ تم نے حضرت موسیٰ ع کو کہا کہ ہم ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے۔ تم ہمارے لئے خدا کو پکارو کہ جو چیزیں زمین اُگاتی ہے وہ ہمارے لئے پیدا کردے یعنی زمین کا ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز۔ حضرت موسیٰ ع نے جواب دیا، کیا تم اعلیٰ چیز کو ادنیٰ چیز سے بدلنا چاہتے ہو؟

عزیزان اسلام! اس آیت میں پھر بنی اسرائیل کی غلامانہ ذہنیت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں قدرت کی آزاد بہاروں میں ٹھہرایا ہوا تھا مگر یہ رہ رہ کر فرعون کی غلامانہ زندگی کے ادنیٰ ترین چسکوں کو بار بار یاد کرتے تھے اور تڑپتے تھے۔ حضرت موسیٰ ع نے جس جنگل میں انہیں ٹھہرایا وہاں انہیں شہد اور گوشت تازہ ملتا تھا مگر یہ رہ رہ کر ساگ، ککڑی، گیہوں اور مسور کو یاد کرتے تھے اور انہی چیزوں کا مطالبہ کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ ع نے انہیں نہایت اصولی جواب دیا اور فرمایا، کیا اس دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ چیزوں کو قبول کرے یا آزادی کے بدلے

Marfat.com

غلامی کو چاہے یا صرف زبان کے چسکے کے لئے آزاد زندگی کی بے قدری کرے؟ حضرت موسیٰ کا جواب کتنا اچھا تھا مگر بنی اسرائیل پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ کیونکہ فرعون کی غلامی میں رہتے رہتے ان کے دل کی بناوٹ ہی کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ وہ ڈنڈا پولیس کے سوا کسی چیز کو بھی نہیں جانتے تھے۔ جب ان کو جنگل میں رکھا تو وہ کہنے لگے، شہر میں جائیں گے۔ جب شہر میں بیماری پھیلی تو وہ پہاڑوں پر چل دیئے۔ اب شہد اور گوشت ملنے لگا تو پیاز اور مسور کا نام لے لے کر رونے لگے۔ وہ دینی خلافت جو اس قوم کو دی جانے والی تھی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ سادگی کے ساتھ صرف ایک کھانے پر گذر کرنا سیکھیں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ خلافت کے جنگی میدانوں میں دسترخوان نہیں بچھائے جاسکتے مگر بنی اسرائیل کو قومی مستقبل کا ذرا بھی خیال نہیں تھا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کو قومی حکومت ملے یا نہ ملے مگر پیاز کی چٹنی ضرور ملے۔ بنی اسرائیل کی زندگی کی یہ تصویر ظاہر کرتی ہے کہ غلام قوموں میں ناشکر گذاری کی روح کتنی مضبوط ہوتی ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیجئے کہ ناشکر گذاری کا مطلب کیا ہے؟ جب کسی شخص سے جبر اور دباؤ اٹھالیا جائے اور پھر وہ اپنے دلی احساس سے ہر نعمت کا حق اور فرض ادا کرے تو شکر گذاری ہے اور اسی کا نام آزادی ہے لیکن اگر جبر اور دباؤ اٹھالینے کے بعد ہم غلط کاری، فساد اور ظلم پر اتر آئیں تو یہ غلامانہ ذہنیت ہے اور اسی کا نام ناشکرگذاری ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل ہمیشہ اپنی آزادی کو کبھی صحیح استعمال نہیں کرتے تھے اور افسوس کہ اب ہماری حالت بھی یہی ہے۔ ہم صرف اسی وقت صحیح کام کرتے ہیں جب انگریز کا چابک سر پر ہو لیکن اگر یہ دباؤ ہٹالیا جائے تو پھر ایسا ہوگا کہ ہم ہر کام کو بگاڑیں گے، ہر معاملہ میں خیانت کریں گے، بات بات پر جھگڑا کریں گے، اچھے کاموں کو چھوڑ دیں گے اور برے کاموں میں جھپٹ جائیں گے۔ یہ صرف ڈیڑھ سو سالہ غلامی کا نتیجہ ہے کہ ہم میں ہر ایک کام دباؤ کے ماتحت کرنے کی عادت پڑ گئی ہے، آؤ، اس ذلت سے نکلیں۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام کا قرآن حدیث کی سزا

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ
اُترو کسی شہر میں پھر بے شک تمکو (ملیگا) جو کچھ تم مانگتے ہو اور ڈالی گئی ان پر

الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
ذلت اور محتاجی اور وہ آگئے غضب میں اللہ کے یہ (ہوا) کیونکہ

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ
تھے وہ کفر کرتے حکم خدا سے اور مارتے تھے نبیوں کو ناحق

جب بنی اسرائیل نے ساگ اور ترکاری وغیرہ کا مطالبہ کیا تو حکم ہوا کسی شہر میں ڈیرہ ڈالو جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں تم کو مل جائے گا۔ یہاں ان پر ذلت اور محتاجی ٹوٹ پڑی اور وہ خدا کے عذاب میں آگئے کیونکہ وہ اللہ کے حکموں سے انکار کرتے تھے اور نبیوں کا ناحق خون کرتے تھے۔

عزیزان اسلام! پہلے یہ دیکھئے کہ بنی اسرائیل کو کیوں عذاب دیا گیا؟ ان کا وہی مرض تھا جس میں آج ہم سب پھنسے ہوئے ہیں یعنی وہ آزادی کا صحیح استعمال نہیں جانتے تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہندوستان کے عام مزدور کر رہے ہیں۔ جب تک مالک سر پر ہوتا ہے، وہ کام کرتے ہیں، لیکن اگر وہ کام کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیئے جائیں کہ وہ بغیر کسی دباؤ کے خود اپنا فرض ادا کریں تو وہ ایک ہی منٹ میں اپنا کام چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں جب تک بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں رہے۔ وہ فرعونی پولیس کو اپنے لڑکے اور لڑکیاں تک قتل اور بے عزتی کے لئے دے دیتے ہیں لیکن جب وہ آزاد ہو گئے تو اب ان کا وہی حال ہوا جو اب سوراجی آزادی کے ہندوستانیوں کا ہو رہا ہے کہ ہر طرف سے ہندو مسلم فساد اور نااتفاقی کی صدائیں برابر چلی آرہی ہیں۔ مختصر یہ کہ بنی

Marfat.com

اسرائیل کا پہلا جرم یہ تھا کہ وہ فرعون کا دباؤ ہٹنے پر آزادانہ فضا میں ادائے فرض سے بالکل قاصر ہو گئے۔ ان کا دوسرا جرم یہ تھا کہ وہ کسی حال میں بھی قرار نہیں پکڑتے تھے اور ہر ایک نعمت جو انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی تھی، اس کی ناقدری کرتے تھے۔ اگر انہیں کوئی بہترین چیز بھی دی جاتی تھی تو وہ اس کی سخت بے حرمتی کرتے تھے اور اس کو ذلیل اور حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پرندوں کا گوشت دیا تو وہ مسور اور پیاز کا مطالبہ پیش کرنے لگے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمایئے کہ جو قوم اچھی زندگی کو اور زندگی کی اچھی حالتوں کو اس طرح ٹھکرا دے، اس کو ذلت اور محتاجی کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ بنی اسرائیل کو جو ذلت اور محتاجی ملی یہ ان کے جرم کی بالکل قدرتی سزا ہے۔ اس دنیا میں جب بھی کوئی قوم اچھائی یا آزادی کی بے قدری کرے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ برائی اور غلامی میں مبتلا ہو جائے گی جب آپ اچھے لیڈروں کی بے قدری کریں گے تو آپ پر یقیناً بُرے لیڈر مسلط کر دیئے جائیں گے جب آپ اچھے اخبارات کی بے قدری کریں گے تو ہر طرف بُرے اخبارات کی بھرمار ہو جائے گی جب آپ خدا کے لئے جان و مال کی قربانی نہ کریں گے تو انگریز اور فرانسیسی آپ کو جنگ عظیم کے میدانوں میں ذبح کرائیں گے۔ آپ یاد رکھیے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں صرف اسی قوم میں ہمیشہ باقی رہتی ہیں جو ان نعمتوں کی قدر کرے۔ ان واقعات سے سبق ملتا ہے کہ آپ اگر اچھی زندگی چاہتے ہیں تو آپ ہر اچھائی کی قدر کیجئے، آزادی اور آزاد خیال لوگوں کی قدر کیجئے۔ قربانی اور قربانی کرنے والوں کی قدر کیجئے۔ اچھے اخباروں اور کارکنوں کی قدر کیجئے۔ پھر آپ کی زندگی کا ہر قدم ترقی اور عروج کی طرف بڑھتا چلا جائیگا۔ آپ صرف یہ نہ سمجھئے کہ صرف بنی اسرائیل ہی نے نبیوں کو قتل کیا تھا۔ ہر قوم جو اخلاق، شرافت، آزادی اور نیکی سے منہ موڑتی ہے، وہ ایسی ہی ہے کہ گویا اس نے خدا کے بزرگوں کو قتل کر دیا۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاددہانی　یہود کو دعوت اسلام　بدترین شہری

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○

یہ (ہوا) کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور تھے وہ حد سے گذرنے والے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو یہ سزائیں اس لئے دی گئیں کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کی حدوں کو توڑ دیتے تھے۔

عزیزان اسلام! یہودیوں کے متعلق اب تک جو کچھ بیان ہوا، اس آیت کو ان سب کا نچوڑ سمجھنا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو جنگلوں اور پہاڑوں کی کھلی فضاؤں میں اس لئے بسایا تھا تاکہ وہ شہری عادتوں سے نکل جائیں، تکلفات سے چھوٹ جائیں اور فطرت کی سادہ زندگی اور آزاد آب و ہوا میں رہ کر اپنے اندر سپاہیانہ روح پیدا کرلیں اور پھر ایک عظیم الشان قوم بن کر اور خلافت الٰہی کا تاج پہن کر ایک خدائی لشکر کی حیثیت سے دنیا میں زندہ رہیں۔ مگر یہودی پبلک نے نہایت ہی ذلیل شہری چسکوں کے لئے اپنے عظیم الشان قومی مستقبل کو فروخت کر ڈالا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ پیش کیا کہ آپ ہمیں کسی شہر میں لے چلئے جہاں ہم کو لہسن، پیاز اور مسور مل سکے۔ آپ غور فرمائیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہودی پبلک کی حالت کس قدر خراب تھی، انہیں ککڑی اور پیاز کا کھانا، آزادی اور خلافت الٰہی سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب کسی قوم کے افراد اس قدر پست خیال، کم ظرف اور بے احساس ہوگئے ہوں تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ مشن کہ انہیں خلافت خداوندی کا تاج ملے، کس طرح پورا ہو سکتا ہے۔ ہر چند حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا لیکن یہ بدنصیب قوم نہ سمجھی، آخر کار انہیں شہر میں آباد کیا گیا اور وہاں یہ نافرمان لوگ پھر من آئی کارروائیاں کرنے لگے، جس کا نتیجہ یہ ہوا، ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ۔ وہ ایک دفعہ پھر بالکل ذلیل ہوگئے۔ وَالْمَسْكَنَةُ

Marfat.com

مسکین، محتاج اور کنگال بھی۔ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ۔ اللہ کا قہر دعذاب اُن پر ٹوٹ پڑا۔ نہ کھانے کو روٹی اور نہ پہننے کو کپڑا رہا، اُن پر نحوست سوار ہوگئی، بیماریاں ٹوٹ پڑیں اور وہ ہر طرف ذلیل دخوار ہوکر رہ گئے۔ اب آیت کا دوسرا حصہ دیکھیے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان کی یہ حالت کیوں ہوئی؟

عزیزان اسلام! کفر وانکار کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص عملی کاموں کے معجزات، نشان اور نمونے دکھلائے اور آپ اس سے انکار کر دیتے ہیں۔ دوم یہ کہ آپ خدا کے دینی اور مذہبی احکام ماننے سے انکار کردیں۔ سوم یہ کہ چند آدمی یا کوئی جماعت یا سوسائٹی آپس کی بھلائی کے لئے چند کاموں کے کرنے کا فیصلہ کریں اور آپ ان کو تسلیم کرنے سے انکار کردیں۔ چہارم یہ کہ خود آپ کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ بعض نیک کام کئے جائیں مگر آپ اُن کے خلاف چلیں۔ ۶۱ ویں آیت بتلاتی ہے کہ بنی اسرائیل پر جو ذلت، محتاجی اور مصیبت کا عذاب اُترا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن میں یہ چاروں قسم کے کفر اور انکار جمع ہوگئے تھے۔ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ ؑ سے عملی کاموں کے لئے کئی نمونے، معجزے اور نشانات دیکھے مگر پھر بھی سر نہ جھکایا۔ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ کا مطلب یہ ہے کہ مذہبی اصولوں پر چلنا اور خدا کا حکم ماننا تو درکنار، وہ حکم دینے والے سفیروں تک کو بھی قتل کردیتے تھے۔ عَصَوْا کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسے عاصی اور نافرمان تھے کہ وہ کسی پبلک قرارداد کے یا سوسائٹی کے زیراثر، شہری اور رسمی نیک کاموں پر بھی عمل نہیں کرتے تھے۔ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت اور ضمیر جن کاموں کے کرنے کا حکم دیتی ہے، وہ اُن سے بھی انکار کردیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اعمال کے بدلے میں خود ہی ذلیل ہوگئے۔ مسلمانو! سوچو، اب ہمارا کیا حال ہے؟

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی | یہود کو دعوت اسلام | نجات انسانی کا قانون

۶۲- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ

جو بھی ایمان لائیں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور کریں نیک کام پس واسطے ان کے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

ثواب اُن کا پاس رب اُن کے اور نہ خوف ان کو اور نہ وہ غم کھائیں گے

آیت کا مطلب یہ ہے: جو لوگ ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی بنے اور جو لوگ عیسائی اور صابی (ابراہیمی) ہوئے۔ اُن میں سے جو بھی خدا پر ایمان لائیں اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، اُن کا ثواب خدا کے حضور محفوظ ہوگا۔ اُن کے لئے کسی قسم کا خوف اور کوئی بھی غمگینی باقی نہیں رہے گی۔

عزیزان اسلام! آپ نے کل کے سبق میں پڑھا تھا کہ یہودیوں کی عملی حالت یہ تھی کہ وہ حد سے زیادہ ذلت کی زندگی گذار رہے تھے، حد سے زیادہ غریب اور محتاج ہو چکے تھے اور اس کے علاوہ زندگی کی عام مصیبتیں، ناکامیاں اور حق تلفیاں بھی ہر وقت اُن پر برستی رہتی تھیں۔ پھر اُن کے اعمال کی یہ حالت تھی کہ وہ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عملی خدمتوں اور خدائی نشانوں کو مانتے تھے، نہ مذہبی احکام کو، نہ شہری سمجھوتوں، پبلک قراردادوں اور عام نیکی کی باتوں کو، اور نہ خود اپنی فطرت اور ضمیر کی آواز کو۔ لیکن اُس ذلیل حالت اور اِس ذلیل عمل کے باوجود یہ یہودی لوگ اپنے عبادت خانوں اور تکیوں میں پڑے پڑے صرف زبان ہلا ہلا کر یہ ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ ہم خدا کے مقبول ہیں، ہمارے سوا کوئی بہشت میں داخل نہ ہوگا، ہم خدا کے بیٹے ہیں، آج دنیا میں

Marfat.com

ہم سے بڑا اور سچا کون ہے؟ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اسی لاف زنی کا جواب دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ تم لاف زنی نہ کرو، اصل بات کو دیکھو، نجات کا سوال کچھ یہودیوں کا قومی سوال نہیں ہے، یہ تو سارے انسانوں کا سوال ہے اور وہ ایک اصول اور قانون پر طے ہوگا، یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ ہندوؤں کو اور باٹ سے تولے اور مسلمانوں کو اور باٹ سے۔ خدا تعالیٰ نجات کے معاملے میں عام انسانوں کو ایک ہی ترازو سے تولے گا اور اس کا ترازو یہ ہے، کوئی شخص مسلمان ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، صابی ہو، کوئی ہو، وہ سب کو ایک قطار میں کھڑا کر دے گا اور پھر یہ دیکھے گا کہ جو بھی شخص خدائی قانون کے مطابق خدا پر ٹھیک ایمان لایا ہوگا اور خدائی قانون ہی کے مطابق اپنے پاس نیک عملوں کا توشہ رکھتا ہوگا، خدا تعالیٰ اسے بدلہ دے گا، اسے بے خوف کر دے گا، اور اسے غموں سے نکال کر بہترین زندگی کا وارث بنا دے گا۔ خدا تعالیٰ کے ہاں اس بات کی پرسش نہیں ہے کہ تمہارا نام یہودی ہے یا مسلمان، یا تم نور محمدی کہلاتے ہو یا آتما رام تم وہابی ہو یا حنفی، تم احراری ہو یا لیگی۔ رسمی اور رواجی طور پر تمہارا نام، فرقہ اور قوم خواہ کچھ بھی ہو، اسے نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ خدا تعالیٰ صرف اس حقیقت کو دیکھے گا.....

کیا تم اس قانون کے مطابق خدا پر ایمان لاتے؟ کیا تم اس کے قانون کے مطابق یوم آخرت پر ایمان لاتے؟ کیا تم اس کے قانون کی تشریح اور اس کے رسول کے نمونہ کے مطابق نیک عملوں کا توشہ اپنے پاس رکھتے ہو؟ جو شخص ان تینوں سوالوں کا صحیح جواب پیش کر دیگا وہ کامیاب ہے، باقی سب فیل ہیں، خواہ ان کا نام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ہے وہ قانونِ نجات جس پر تمام انسانوں کی پرکھ ہوگی۔ اے ایمان والو! سبق سیکھو اور درست ہو جاؤ۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی　یہود کو دعوت اسلام　یہود کی عہد شکنی

۶۳۔ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

اور جب لیا ہم نے اقرار تم سے اور اٹھایا ہم نے اوپر تمہارے پہاڑ

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

پکڑو جو دیا ہم نے تمکو ساتھ قوت کے اور یاد کرتے رہو جو اس میں ہے شاید کہ تم پرہیز گار ہو

آیت کا مطلب یہ ہے۔ جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور اس وقت کوہ طور تمہارے اوپر بلند تھا۔ یہ کہ ہمارے قانون کو مضبوطی سے پکڑو اور جو احکام اس میں ہیں، انہیں یاد رکھو مقصد یہ تھا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

عزیزان اسلام! انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اتنا اختیار حاصل ہے کہ وہ نیکی اور بدی کو پہچان سکتا ہے اور اپنی پسند کا راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ اب انسان کی ساری نیک بختی اسی میں ہے کہ وہ اپنے اس اختیار کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے ماتحت استعمال کرے قانون شریعت کے بھیجنے سے، نبیوں کے آنے سے، نعمتوں کے پیدا فرمانے سے اور تکلیفوں کے نازل کرنے سے خداوند پاک کی آخری منشا یہی ہے کہ ہم اپنے اس اختیار کو بالکل صحیح طریقے پر استعمال کریں۔ خدا کی یہ منشاء کیوں ہے؟ صرف اس لیے تاکہ ہمارا فائدہ ہو، ہم آرام پائیں اور انسانی زندگی مکمل ہو جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی نبی بھیجے گئے، وہ سب اسی لیے بھیجے گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی ساری کوششیں اسی خاطر تھیں کہ اسرائیلی لوگ درستی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قانون کی اطاعت کریں لہٰذا حکم خدا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب ایک آخری تدبیر یہ کی کہ قوم کو کوہ طور کے نیچے جمع کیا اور ان سے یہ اقرار لیا کہ پوری قوت کے ساتھ احکام خداوندی کی اطاعت کرو اور خدا کے ہر حکم کو یاد رکھو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اس اقرار

Marfat.com

سے میرا مقصد یہ ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ یہود نے کوہ طور کے نیچے کھڑے ہو کر اطاعت شریعت کا عہد کیا مگر اس کا یہ نتیجہ ہوا:۔

۶۴۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
پھر تم پھر گئے بعد اس کے پس اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر
وَرَحْمَتُهٗ اور رحمت اسکی لَ ضرور كُنْتُمْ تم ہوتے مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ نقصان اٹھانیوالوں میں

آیت کا مطلب یہ ہے، اے بنی اسرائیل! کوہ طور کے نیچے اقرار کرنے کے بعد تم پھر پھر گئے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی تم سے درگزر نہ کرتی کہ تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی غلامی نے یہودیوں میں کیسی کیسی اخلاقی کمزوریاں پیدا کردی تھیں۔ انہوں نے کتنی طریقوں سے خدا کی نافرمانیاں کیں۔ اب تمام قوم کو کوہ طور کے نیچے کھڑا کر کے اقرار لیا گیا مگر وہ اس پر بھی قائم نہ رہے، لیکن خدا نے پھر درگزر فرمائی اور انہیں نقصان سے بچا لیا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر کس درجہ مہربان ہے۔ بندے خدا سے فرمانبرداری کا عہد کرتے ہیں، پھر بھول جاتے ہیں، پھر عہد کرتے ہیں، پھر بھول جاتے ہیں۔ دن کو عہد ہوتا ہے، رات کو ٹوٹ جاتا ہے، رات کو عہد ہوتا ہے، دن کو ٹوٹ جاتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کی حد ہے کہ وہ بندوں کی ہزارہا نافرمانیوں اور عہد شکنیوں کے باوجود بھی اپنی رحمت کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ اس واقعہ سے ہم کو دو سبق ملتے ہیں ایک یہ کہ ہم کو بھی خدا کے خُلقوں پر عمل کرنا چاہیے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں بدلہ لینے کی بجائے صبر اور مہربانی سے پبلک کی اور اپنے تعلقداروں کی اصلاح کرنی چاہیے۔ دوم یہ کہ پبلک کی اصلاح کرنیوالے کس قدر تنگ کیے جاتے ہیں۔ آپ شروع سے لیکر اب تک حضرت موسیٰ ع کی کوششوں کو دیکھئے اور یہودیوں کی نافرمانیوں کو دیکھئے۔ جو بھی شخص اس دنیا کی اصلاح کیلئے کھڑا ہوگا، اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائیگا۔ لیکن کام کرنے والوں کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ پھر خدا کی مدد ضرور ان کے ساتھ ہوگی

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی ۸۶ یہود کو دعوت اسلام انسان سے بندر

۶۵- وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا

اور تحقیق تم جان چکے ہو جنہوں نے زیادتی کی تم میں ہفتے کے دن پس کہا ہم نے

لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۶۶- فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا

واسطے ان کے تم ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے پس بنایا ہم نے اسکو عبرت واسطے ان کے

بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○

موجود تھے جو اور جو پیچھے تھے ان کے اور نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے

حکم ہوتا ہے' اے یہود! تم ان لوگوں کا انجام جان چکے ہو جنہوں نے ہفتہ کے دن کے احکام کی نافرمانی کی تھی۔ ہم نے ان سے کہا، تم انسانیت کا کچھ بھی کام نہیں کرتے۔ تم ذلیل بندر بن جاؤ یہ واقعہ ان سب لوگوں کیلئے باعث عبرت ہوا جو موجود تھے اور بعد آنے والے تھے یہ پرہیزگاروں کے لئے نصیحت تھی

اے بندگان خدا! خدا کی طرف سے بندوں کو جتنے بھی احکام دیئے گئے' وہ پابندی نظام کی ایک مشق تھے۔ کیونکہ انسانی ترقی کے لئے سب سے زیادہ ضروری بات یہی ہے کہ ہم انسان بن کر نظام کی پابندی کریں۔ آج بہترین ترقی یافتہ قوموں کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ جان دے دیتی ہیں مگر اپنے نظام کو نہیں توڑتیں۔ یہودیوں کی سب سے بڑی بربادی یہی تھی کہ وہ کسی اصول پر کھڑے نہیں ہوسکتے تھے' اس واسطے ان کی اخلاقی تربیت اور تنظیم کیلئے لگاتار انہیں نہایت ہی ہلکے پھلکے احکام دیئے جارہے تھے مثلاً ایک وقت انہیں یہ حکم دیا کہ شہر کے دروازے کے سامنے حِطَّةٌ کہو اور اندر داخل ہو جاؤ۔ پھر ایک وقت انہیں یہ حکم دیا گیا کہ ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار نہ کرو۔ اگر بنی اسرائیل ان احکام کی پابندی کرتے تو آہستہ آہستہ ان کا قومی نظام قائم ہو جاتا اور پھر ایسا ہوتا کہ وہ ایک لیڈر کے اشاروں پر چل کر دنیا کی تمام قوموں پر چھا جاتے لیکن بنی اسرائیل کا دماغ مستقل قومی فائدوں کی طرف

Marfat.com

ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ صرف وقتی فائدوں کو دیکھتے تھے یعنی وہ جمعہ کے دن صرف اتنی بات سوچ لیتے تھے کہ اگر کل مچھلیوں کا شکار نہ کیا تو چند پیسوں کا نقصان ہوگا لیکن وہ اس پر ذرا غور نہ کرتے تھے کہ اگر ہفتے کے دن والے تھوڑے سے نقصان کے بدلے میں تمام قوم کا عمل، آواز اور نظام ایک ہوجائے تو اس سے آیندہ چل کر کتنے بڑے فائدے حاصل ہوں گے؟ بہرحال یہودیوں نے اس حکم کی بھی نافرمانی کی اور خدا اور رسول کو دھوکا بھی دیا۔ یہ لوگ جمعہ کے دن دریا پر جاتے اور گڑھوں کے اندر دریا کا پانی بھر دیتے اور ہفتہ کے دن انہی گڑھوں کے پانی سے مچھلیاں نکال لاتے۔ جب بازپرس کی جاتی تو جواب دیتے کہ یہ مچھلیاں تو جمعہ کے دن والی ہیں ہفتہ کے دن ہم نے دریا سے کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ یہود کا یہ کام اور غدر اس قدر خلاف انسانیت اور ذلیل تھا کہ انہیں یہی کہا جاسکتا تھا کہ تم انسان نہ رہو بلکہ بندر ہوجاؤ۔ خدا نے ایسا کیوں کہا؟ تاکہ موجودہ اور آیندہ زمانوں کے لوگ سبق سیکھیں اور اس سے دنیا کے ہر پرہیزگار کو عبرت ہو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک حیلہ باز، نافرمان اور قومی نظام کو توڑنے والے انسان کس قدر ذلیل اور خارج از انسانیت سمجھے گئے ہیں۔ یہاں تین باتیں دیکھیے۔ اول یہ کہ ڈارون کی تھیوری کے مطابق بندر سے ترقی پاکر انسانی شکل ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اب اگر انسان اس ترقی سے پیچھے ہٹ کر بگڑے گا تو وہ لازماً پھر بندر بنیگا۔ دوم یہ کہ آج کل جنسی تبدیلیوں کی درجنوں مثالیں بتائی جاسکتی ہیں کہ کئی عورتیں مرد اور مرد عورتیں بن گئے۔ سوم یہ کہ پچھلے دنوں امریکہ سے یہ خبر آئی تھی کہ وہاں ایک شخص بتدریج بندر بنتا چلا جارہا ہے۔ اس کی گالیں پچک گئی ہیں اور تمام جسم پر بال اُگ رہے ہیں۔ یہ صرف اشارات ہیں، ورنہ آیت کا مطلب بالکل صاف ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس انسان کو خدا نے بندر کہہ دیا، وہ ہوگیا۔ جو انسان، انسانیت کی حقیقت کو ضائع کردے وہ سچ مچ بندر ہے، اگرچہ وہ ہم شکل ہونے کی وجہ سے انسانوں کی مجلس میں بیٹھا ہو

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاددہانی یہود کو دعوت اسلام تبلیغ دین میں فتنہ مذاق

۶۷۔ وَ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِ قَوْمِہٖٓ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ کُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا

اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے تحقیق اللہ حکم دیتا ہے تمکو یہ کہ تم ذبح کرو

بَقَرَۃً ط قَالُوْٓا اَ تَتَّخِذُنَا ھُزُوًا ط قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ

ایک گائے انہوں نے کہا کیا تو بناتا ہے ہمارا مذاق اس نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی

اَنْ یہ کہ اَکُوْنَ میں ہو جاؤں۔ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ جاہلوں میں۔

آیت کا مطلب یہ ہے۔ اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خداتعالیٰ تم کو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس پہ قوم نے جواب دیا۔ اے موسیٰ! تو ہم سے مذاق کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا، خدا کی پناہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔

عزیزان اسلام! یہ گائے کے ذبح کرنے کا قصہ سلسلہ وار چلے گا۔ اس لئے یہاں پوری کہانی بیان کردی جاتی ہے۔ خداتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو حکم بھیجا تھا کہ وہ ایک گائے کو ذبح کریں۔ انہوں نے پہلی حجت یہ کی کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کو نادم کرنے لگے اور یہ کہا، کیا تو ہمارا مذاق اڑاتا ہے؟ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا، خدا کی پناہ! میں ایسی جہالت کیسے کر سکتا ہوں؟ اس کے بعد بنی اسرائیل نے دوسری حجت کی اور کہا، اے موسیٰؑ! اس گائے کا وصف بیان کردو۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ بھی بیان کردیا۔ اب بنی اسرائیل نے تیسری حجت پیش کی اور کہا، اے موسیٰؑ! اس گائے کا رنگ بتاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ مطالبہ بھی پورا فرمادیا، اب بنی اسرائیل نے ایک چوتھی حجت کی اور کہا کہ ہم کو زیادہ گایوں میں شبہ پیدا ہو رہا ہے، اس واسطے پوری تفصیل سے گائے کا وصف بیان کیجئے

Marfat.com

اس پر حضرت موسیٰ ع نے پھر لوری تفصیل بیان کی اور بڑی مشکلوں کے بعد انہوں نے گائے کو ذبح کیا

عزیزان اسلام! اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیلی لوگ کس قدر مکار، فریبی، چالاک، جھوٹے اور حیلہ باز تھے۔ اوپر کی آیت سے دو سبق ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ غلامی میں انسان کی ذہنیت کس قدر پست ہو جاتی ہے، وہ جھوٹا خود ہوتا ہے مگر جھوٹ کو تسلیم نہیں کرتا، شرمندہ نہیں ہوتا، بلکہ الٹا جھگڑا کرتا ہے، غلطی بتانے والے کے سر پر سوار ہونے لگتا ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کوشش کرتا ہے کہ نہایت چالاکی کے ساتھ سچے کو جھوٹا بنا دے اور اسے بدنام و شرمسار کر دے۔ اس کے برخلاف آزاد فطرت انسان کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سچ پر قائم رہتا ہے اور اگر کسی غلطی سے کوئی غلط کام اس سے ہو جائے تو وہ اس کو صاف تسلیم کر لیتا ہے، شرمسار ہوتا ہے اور بتانے والے سے معافی چاہتا ہے۔ اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ حیلہ بازی، بحث و جھگڑا اور مذاق، تین چیزیں جھوٹوں کا ہتھیار ہیں۔ پہلے وہ صحیح بات کو عذر، صفائی اور مکاری سے اڑا دینا چاہتے ہیں۔ اس سے بات نہیں بنتی تو جھگڑا اور بحث کرنے لگتے ہیں، اگر اس میں بھی ہر جاتے ہیں تو ہنسی مذاق میں پڑ کر سچی بات کو اڑا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ ع کے جواب سے یہ سبق ملتا ہے کہ دین کے معاملے میں اور احکام الٰہی کی تبلیغ میں مذاق کرنا، جاہلوں کا کام ہے اور خدا تعالیٰ کے حکموں کو کبھی مذاق اور تمسخر کے رنگ میں خلق خدا کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارے وہ واعظ جو صرف لوگوں کے بہلاوے کے لئے تبلیغ اسلام میں نقلیں کرتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں اور لطیفے سناتے ہیں، وہ احکام خدا کی بے حرمتی کرتے ہیں اور پبلک کے مذاق کو بھی بگاڑتے ہیں۔ مبلغین کا حق ہے کہ وہ جب بھی خدا کے حکم خلق خدا کے سامنے پیش کریں تو خائف اور مؤدب ہو کر پیش کریں تاکہ معلوم ہو کہ خدا کے بندے اپنے خالق و مالک کے احکام کو خوف، ادب اور عاجزی کے ساتھ سن رہے ہیں

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاددہانی   یہود کو دعوت اسلام   بے عمل نکتہ چین

٦٨- قَالُوْا ادْعُ لَ نَا رَبَّ كَ يُبَيِّنْ لَّ نَا مَا
انہوں نے کہا تم بلاؤ واسطے ہمارے رب اپنے کو وہ بیان کرے واسطے ہمارے کیسی ہے
هِيَ ط قَالَ اِنَّ هٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ
وہ (گائے) کہا بے شک وہ فرماتا ہے وہ ہے ایک گائے نہ بوڑھی
وَّلَا بِكْرٌ ط عَوَانٌ م بَيْنَ ذٰلِكَ ط فَ افْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝
اور نہ بیاہی درمیان ہے ان حالتوں کے پس کرو تم جو کچھ تم کو حکم ہوا

آیت کا مطلب یہ ہے۔ بنی اسرائیل نے پوچھا، اے موسیٰ! اپنے خدا سے یہ پوچھ کہ وہ جس گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، وہ کیسی ہے؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہے اور نہ بچھیا ہے، بلکہ ان دونوں حالتوں کے درمیان ہے۔ اب تم خود پہچان کر اسے ذبح کرو۔

عزیزان اسلام! کچھ یہ بات نہیں تھی کہ بنی اسرائیل اس گائے کو جانتے نہیں تھے۔ وہ خدا کے حکم کو بھی جانتے تھے اور حکم کے مقصد کو بھی جانتے تھے، ان کی یہ تمام حجت بازی صرف اُن کی بدفطرتی کا نتیجہ تھی اور ان کی غلامانہ ذہنیت کو جھگڑے، بحث، سوال و جواب اور نافرمانی میں مزا ملتا تھا۔ آج بھی دنیا کی غلام قوموں کا یہی حال ہے، اس بارے میں خود مسلمانوں کا حال سب سے بُرا ہے۔ اس ملک میں ہماری ترقی اور کامیابی کا مسئلہ صرف اسی قدر ہے کہ ہم سب مسلمان، بغیر کسی فرق کے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کریں ہمارا یہی ایک نصب العین ہو اور اس کے لئے پیدائش سے لے کر موت تک ہماری تمام کوششیں وقف رہیں۔ یہ ایک ہی کام کی بات ہے مگر ہم اسے نہیں کرتے اور ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں، وہ صرف جھگڑا اور حجت بازی ہے۔ ایک لیڈر، ایک بات کہتا ہے اور دوسرا اس

Marfat.com

کی تردید کر دیتا ہے۔ ہمارے جلسوں میں شور ہے، ہمارے اخباروں میں نفاق ہے، ہماری کمیٹیوں میں جھگڑا اور بحث ہے، ہماری مسجدوں میں اختلاف ہے اور کفر کے فتوے ہیں۔ ہم صبح سے لے کر شام تک دس ہزار جھگڑے کرتے ہیں مگر سال کے ۳۶۵ دنوں میں کام ایک بھی نہیں کرتے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ہم محسوس بھی نہیں کرتے کہ ہم بے عمل ہیں۔ اس دنیا میں کبھی جہاد کرنے والوں نے بھی اس قدر جوش وخروش نہ دکھایا ہوگا جس قدر کہ ہم حجت بازی اور بال کی کھال نکالنے میں ہر روز دکھاتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے ایک گائے کے معاملے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چند حجتیں کی تھیں، مگر ہم دین، دنیا، مذہب، سیاسیات، دوزخ، جنت، خدا، رسول، ملائکہ، شیطان ہر ایک معاملے میں ہزار ہزار حجتیں کر رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کی خوبی یہ تھی کہ چار سوالوں کے بعد آخر کار انہوں نے گائے ذبح کر دی، مگر ہم دس ہزار سوالوں اور حجتوں کے بعد بھی وہ کام نہیں کرتے۔ ہماری نکتہ چینیاں لامحدود ہیں اور ہماری حجتیں لامتناہی ہیں۔ اگر ہماری آج کی حجتیں پورا پورا جواب دے کر ختم کر دی جائیں تو ہم کل ہی دس نئی حجتیں اور لے آتے ہیں۔ تمام دنیا تعلیم، صنعت، تجارت، سائنس، جنگی تیاری، مالی اصلاح اور قومی تنظیم میں مصروف ہے۔ مگر ہم نفاق اور حجت بازی کے علم وفن کو ترتیب دے رہے ہیں

اے عزیزان اسلام! اسلام کا سبق سمجھو، ہر معاملے میں لڑائی کرنے اور اعتراضات اٹھانے کی پالیسی کبھی اچھے نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ جب تک حجت بازی سے نہ نکلو، تم خدا کی رحمتوں سے کبھی قریب نہیں ہوگے۔ افسوس ہے کہ آج کل مسلمانوں کا وقت، حکومت کو، کانگرس کو، ہندوؤں کو اور آپس میں ایک دوسری پارٹیوں کو برا بتانے میں خرچ ہو رہا ہے۔ فرض کرو یہ سب برے ثابت ہو گئے ہیں۔ پھر کیا اسی بات سے آپکو حکومت مل جائیگی؟ آپ کیوں اپنی طاقت اپنے آپکو نیک بنانے میں خرچ نہیں کرتے؟ یاد رکھیے کہ عزت اور ترقی کی اصلی راہ یہی ہے کہ آپ خود اچھے بنیں۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاددہانی یہود کو دعوت اسلام حجت بازی کا چکر

۶۹- قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ط قَالَ

وہ کہنے لگے پکار ہمارے لئے اپنے رب کو وہ بیان کرے واسطے ہمارے کیا ہے رنگ اُسکا اُس نے کہا

إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ

بے شک وہ کہتا ہے وہ ہے ایک گائے زرد گہرا رنگ اُس کا خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو

آیت کا مطلب یہ ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا، اے موسیٰ! اپنے خدا سے پوچھو کہ اُس گائے کا رنگ کیا ہے؟ جواب دیا، وہ فرماتا ہے کہ زرد بھڑک والا رنگ ہے اور دیکھنے والوں کو بہت بھلا لگتا ہے۔ عزیزانِ اسلام! قرآن پاک کتاب فطرت ہے، وہ آپ کو بتاتا ہے کہ آپ دنیا میں رہ کر ہر قوم اور ہر جماعت کی فطرت پہچان لیں اور پھر دھوکا نہ کھائیں، آپ پہلے سبقوں میں مومنوں کی فطرت، کافروں کی فطرت، منافقوں کی فطرت، شیطان اور ملائکہ کی فطرت، فاسقین کی فطرت، فرعونی حکام کی فطرت اور یہودیوں اور غلاموں کی فطرت کا حال دیکھ چکے ہیں۔ ان آیتوں میں بے عمل حجت بازوں کی فطرت کا نقشہ بتایا جا رہا ہے

عزیزانِ اسلام! آپ پچھلے سبقوں میں پڑھ چکے ہیں کہ جس گائے کو ذبح کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، پہلے تو بنی اسرائیل نے اس حکم ہی کو مذاق قرار دے دیا لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ حجت توڑ دی تو پھر انہوں نے گائے کی عمر پوچھ لی، جب عمر بتائی تو رنگ پوچھ لیا، اس کے یہ معنی ہیں کہ جن لوگوں کو کام کرنا منظور نہیں ہوتا اُن کی حجتیں اور نکتہ چینیاں کبھی ختم نہیں ہوا کرتیں۔ جب ان کے ایک اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے تو وہ زبان بدل کر جھٹ دوسرا اعتراض پیش کر دیتے ہیں، جب اسے بھی توڑ دیا جاتا ہے تو وہ کوئی اور اینچ پیچ نکال لیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انہیں خود تو کوئی کام کرنا منظور نہیں ہوتا لہٰذا مارے حسد اور شرارت کے وہ دوسرے باعمل لوگوں کا راستہ بھی روکتے رہتے ہیں تاکہ

Marfat.com

وہ قوم میں کہیں اقتدار حاصل نہ کر لیں؟ عزیزانِ اسلام! ہر ایک قوم میں بے عملوں کی ایک مستقل جماعت ایسی ہوتی ہے جنہوں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہوتا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نکتہ چینی کے لئے کیا ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ حصولِ عزت کے لئے اس دنیا میں جتنے بھی کام موجود ہیں، ان میں سب سے زیادہ کم خرچ، سستا اور آرام وہ کام صرف نکتہ چینی اور حجت بازی ہے اس لئے کہ اگر یہ اصحاب تعلیم حاصل کریں تو دماغ سوزی کی ضرورت ہے۔ اگر تبلیغ کریں تو سرمایہ اور محنت کی ضرورت ہے، اگر صنعتی کام کریں تو ہنر اور مشق کی ضرورت ہے، اگر حکومت سے لڑیں تو ایثار و قربانی کی ضرورت ہے۔ اگر خود کوئی پروگرام بنا کر کوئی تعمیری کام کریں تو جوابدہ ہونے اور کچھ نہ کچھ نتیجہ نکال کر دکھانے کی ضرورت ہے۔ لیکن دوسروں پر نکتہ چینی اور حجت بازی کرنے میں کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں۔ ان کے پاس فتنہ پسند عقل موجود ہوتی ہے جس سے وہ بات پیدا کر لیتے ہیں، زبان موجود ہوتی ہے، اُسے وہ ہر وقت ہلا ہلا کر بولتے رہتے ہیں۔ وہ سادہ لوگوں کے سامنے دوسروں کو گراتے ہیں اور خود قوم کے ہمدرد، بہی خواہ، صحیح الخیال عالم اور روشن خیال لیڈر بن جاتے ہیں۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کا حال بالکل یہی ہے، انہوں نے حجت بازی، اختلاف اور نکتہ چینیوں پر کمریں باندھ رکھی ہیں۔ ہم میں ایسے آدمی تو شاذونادر ہی نظر آتے ہیں جو اپنی محنت سے کوئی ٹھوس نتائج نکال کر قوم کے سامنے پیش کریں، مگر نکتہ چینی کرنے والے اور بحث اور جھگڑے شروع رکھنے والا سارا جہان ہے۔ اے عزیزانِ اسلام! جب تک آپ اس حجت بازی کی یہودیت سے نہیں نکلیں گے، آپ کی قوم پر کبھی عملی زندگی کے دروازے کشادہ نہیں ہو سکتے۔ آؤ! خدا تعالیٰ کے کلام سے کچھ سبق سیکھیں اور بحث جھگڑے اور شرارتیں چھوڑ کر عمل اور نیکی کا فکر کریں، اللہ تعالیٰ قیامت میں یہ نہیں پوچھے گا کہ آپ نے کتنے مناظرے کئے تھے؟ بلکہ وہ نیکی اور عمل کے متعلق سوال کریگا۔ آؤ! اس سوال کا جواب تیار کریں۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی یہود کو دعوت اسلام حجت بازی کی صفائی

۷۰- قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ لا

وہ کہنے لگے تم پکارو واسطے ہمارے رب اپنے کو وہ بیان کرے واسطے ہمارے کیسی ہے وہ گائے

اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ط وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ

تحقیق گائے کا شبہ ہو گیا ہے ہم پر اور ہم اگر چاہا اللہ نے ضرور راہ پالیں گے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو گائے کا رنگ بھی بتا دیا تو انہوں نے کہا، اے موسیٰ! آپ خدا سے پوچھیں کہ وہ گائے ہے کس قسم کی؟ کیونکہ ہم کو غلط فہمی ہو رہی ہے، اگر خدا نے چاہا تو ہم ضرور حکم کی تعمیل کرینگے اور ہدایت پا جائیں گے۔

عزیزان اسلام! گائے کے معاملہ کے یہ سوالات و جوابات، آپ کو بتا رہے ہیں کہ کسی قوم کے بے عمل لوگ قومی کاموں میں شامل نہ ہونے کے لئے کیا کیا حیلے کیا کرتے ہیں؟ یہودیوں کی بے عمل جماعت یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ گائے کا معاملہ کیا ہے؟ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں گائے کے ذبح کرنے کا حکم سنایا تو صفائی کی بات صرف یہ تھی کہ وہ حکم خدا کے سامنے سر جھکا دیتے اور اسی وقت ذبح کر ڈالتے مگر بے عملی کی فطرت، اس سیدھے راستے کو کیوں کر اختیار کر سکتی تھی؟ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلا جواب وہی سنایا جو آج مسلمانان ہندوستان کی بے عمل جماعت، ہمیں روزمرّہ سنا رہی ہے آپ اپنی بے عمل جماعت کے سامنے کوئی بہتر سے بہتر عملی پروگرام پیش کر دیکھیں، وہ سب سے پہلے یہ کوشش کریں گے کہ آپ کی بات ہی کو گرا دیا جائے، وہ چھوٹتے ہی یہ کہیں گے سُبحان اللہ! آپ یہ کیا پروگرام لاتے ہیں؟ کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟ اجی توبہ کرو، کیا ہماری قوم میں یہ باتیں بھی قابل عمل ہیں، آپ نے پہلے بھی فلاں کام شروع کیا تھا پھر کیسی زک ہوئی۔ اب پھر آپ وہی غلطی کر رہے ہیں، اب آپ خدا کے لئے ہمارا اور قوم کا مذاق

نہ اڑائیں"۔ اے عزیزان اسلام! آپ سمجھے، بے عمل لوگوں کا پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کی بات ہی کو گرادیں اور ٹال مٹول کر دیں۔ پھر اگر موقع ملے تو آپ پر اُلٹا سوار ہو جائیں۔ لیکن اگر آپ اُن کی اس شرارت کو مات کر دیں تو پھر وہ جرحی سوالات کرنا شروع کر دیں گے اور ساتھ ہی ساتھ صفائی بھی پیش کرتے چلے جائیں گے۔ وہ ایک طرف اعتراض کریں گے اور دوسری طرف یہ کہدیں گے۔" معاف فرمایئے، میں مخالف نہیں ہوں، آپ جانتے ہیں، میں ہمیشہ سے آپ کا حامی ہوں۔" پھر دوسرا اعتراض کریں گے اور ساتھ ہی یہ کہدیں گے" آپ براہ کرم ناراض نہ ہوں، میں صرف تسلّی کے لئے یہ باتیں عرض کر رہا ہوں"۔ بے عمل یہودی ایک طرف تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجت بازی کر رہے تھے اور دوسری طرف یہ بھی کہے جاتے تھے، وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ، اے موسیٰ ؑ! آپ بے فکر رہیں، ہم آپ کے ساتھ ضرور متفق ہو جائیں گے، ہم انشاءاللہ ضرور ہدایت پا جائیں گے۔

اے عزیزان اسلام! اگر آپ بے عمل لوگوں کی ان صفائیوں پر بھی قابو پا جائیں تو پھر آخری درجہ میں وہ اپنا رنگ بدل لیں گے اور کہنے لگیں گے، اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ط ہم کو صرف غلط فہمی ہوئی تھی، ہمیں تو صرف متعدد گایوں میں شبہ پیدا ہو رہا تھا یہ غلط فہمی اور تشابہہ کا نام لے کر اپنی تمام پہلی حجت بازی پر پانی پھیرنے کی کوشش کرنا، بے عملوں کا آخری ہتھیار ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب اُن کی دھوکا بازیاں ہیں، وہ پہلے ہی سے جانتے تھے کہ گائے کونسی ہے؟ جب انہوں نے حضرت موسیٰ ؑ کی بات کو گرانے کی کوشش کی اور انہیں ٹالنا چاہا تو یہ بھی اُن کی مکاری تھی۔ پھر جب انہوں نے بھولے بھالے بنکر ایک سادہ سا سوال کر دیا کہ اسکی عمر ہی کیا ہے؟ تو یہ بھی انکی فریب کاری تھی۔ پھر جب حجت بازی کے ساتھ ساتھ صفائی پیش کرنا شروع کیا تو یہ بھی ایک چالاکی تھی پھر آخر میں جب غلط فہمی کا عذر کیا یہ بھی اُن کا ایک نیا دھوکا تھا۔ ہمارے بے عمل بھی آج ایسی ہی چالاکیاں کر رہے ہیں، انہیں ضرور سمجھئے

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاددہانی ۹۳ یہود کو دعوت اسلام عمل کے باوجود بے عملی

۷۱۔ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ
کہا وہ کہتا ہے وہ ہے گائے نہ محنت والی ہے نہ زمین جوتتی ہے

وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ج مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ط قَالُوا الْئٰنَ
اور نہ پانی پلاتی ہے کھیت کو بدن سے پوری نہ داغ اس میں وہ کہنے لگے اب

جِئْتَ بِالْحَقِّ ط فَ ذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ
لایا تو حق بات پس ذبح کیا اس کو اور نہ امید تھی وہ کریں گے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ع نے انہیں سب نشانیاں بتادیں تو انہوں نے گائے کو ذبح کیا اگرچہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔ "وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ" نے تمام معاملے کو صاف کردیا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کئی اُلٹے الزامات لگانے سے سادہ لوح بن کر گائے کی عمر پوچھنے سے، صفائی پیش کرنے سے، حجت بازی سے اور آخر میں "غلط فہمی ہو رہی ہے" کے الفاظ کی آڑ لینے سے یہود کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ معاملہ کی تحقیق کریں بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اس کام کو کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ آپ پوچھیں گے کہ جب وہ اس کام کو کرنا نہیں چاہتے تھے تو صاف کیوں نہ کہہ دیا؟ اگر صاف کہہ دیتے تو بھرم کھل جاتا کہ وہ اطاعت کرنا نہیں چاہتے اور قوم ان سے جدا ہو جاتی، اس واسطے وہ ایسی پوزیشن کس طرح لے سکتے تھے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک قوم میں بے عملوں کی جماعت کا ارادہ یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح طے شدہ پروگرام کے مطابق کام کرنے سے بچ جائیں مگر اسی کے ساتھ ہی اُن کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اُن کا یہ ارادہ نہایت ہی خوشنما عذرات اور خوبصورت دلائل کے غلافوں میں چھپا رہے تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ یہ کام کرنے ہی سے انکاری ہیں۔ معاملے کا یہ ایک سادہ پہلو ہے، لیکن اس سے زیادہ باریک

Marfat.com

اور خوفناک پہلو یہ ہے کہ جب اُن کے عذرات، حیلے بہانے اور حجت بازیاں نہیں چلتیں تو وہ اس آخری درجے میں بھی "انکار" کا لفظ اپنی زبان پر نہیں لاتے بلکہ کام میں شامل ہو جاتے ہیں۔ قید کا سوال ہو تو جیلوں میں چلے جاتے ہیں اور سول نافرمانی کا سوال ہو تو قانون شکنی کر دیتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے "وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ" کا فتویٰ دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ تعمیل حکم کے باوجود بھی انہیں نافرمان ہی خیال کرنا چاہیئے، دیکھو، یہ نازک مقام سمجھنے کے قابل ہے، اس لئے کہ ہماری قوم کو سب سے بڑا دھوکا یہیں سے لگ رہا ہے۔ فرض کرو، ایک جگہ سول نافرمانی شروع ہوتی ہے، مسلمانوں کی بے عمل جماعت بڑی کوشش سے تحریک کو ٹالتی ہے، حجت بازی کرتی ہے، سازشیں بناتی ہے، کئی قسم کی آڑیں لیتی ہے کہ کسی طرح تحریک رک جائے اور ہم قید نہ ہوں، فرض کرو کہ تحریک نہیں رکتی۔ اب یہ بے عمل لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے لئے شمولیت کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تو اب یہ پبلک کے سردار بن جائیں گے، تقریریں کریں گے اور جھتے لے کر قید ہو جائیں۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ان کی پہلی حجت بازیاں دھوکا تھیں، اسی طرح اب ان کا عمل بھی دھوکا ہے، اس لئے کہ ان کے دل میں تو شروع ہی سے "وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ" کا انکار بھرا ہوا ہے۔ عزیزانِ اسلام! بے عمل جماعت کی طرف سے انکارِ حکم کے تین طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حکم سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ یہود نے کوہ طور کے نیچے اطاعت شریعت کا وعدہ کیا اور پھر پھر گئے۔ دوم یہ کہ حکم کی تعمیل اس طرح کرتے ہیں کہ حکم کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہود کو ہفتہ کے دن دریا سے مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت تھی مگر یہ جمعہ کے دن دریا کا پانی گڑھوں میں بھر لیتے اور ہفتہ کے دن ان گڑھوں سے مچھلیاں نکال لاتے۔ سوم یہ کہ وہ تعمیل حکم میں سو طرح کی حجتیں نکال کر مجبوراً عمل کرتے ہیں جیسا کہ یہود نے گائے کے معاملے میں کیا یہودیوں کی تین بیماریاں (۱) عہد شکنی (۲) حیلہ بازی (۳) کٹ حجتی اس لئے بیان کی گئی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ قانون شریعت بہرحال ترک کر چکے ہیں اس واسطے ایک نئی جماعت کی ضرورت ہے جو خدا کے دین کی غلام اور خلافت الٰہی کی وارث ہو

Marfat.com

۷۲۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ط وَاللّٰهُ

اور جب تم نے قتل کیا ایک شخص پھر ایک دوسرے پر الزام لگایا اُس میں اور اللہ

مُخْرِجٌ نکالنے والا تھا۔ مَّا كُنْتُمْ جو تھے تم۔ تَكْتُمُوْنَ چھپاتے۔

آیت کا مطلب یہ ہے، اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو جبکہ تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور تم اس کا الزام ایک دوسرے پر لگاتے تھے۔ اللہ کو منظور یہ تھا کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو، ظاہر کر دے۔ دراصل اِس آدمی کو اُس کے وارثوں نے قتل کیا تھا لیکن الزام وہ دوسروں پر لگاتے تھے تاکہ وہ خود تو بچے رہیں اور دوسرے لوگ سزا پا جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ چھپی ہوئی بات نکل آئے اور وہ بے گناہ اشخاص جن پر مقتول کے وارثوں نے الزام لگایا اور جنہیں انہوں نے پھانسی کے تختے پر لا کر کھڑا کر دیا تھا، موت سے بچ جائیں اور اصلی مجرم جن کو انہوں نے زندہ رکھنے کی کاروائی مکمل کر لی تھی سزایاب ہوں۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی لوگ کس قدر سنگدل اور جعلساز تھے، وہ گناہ کا ارتکاب خود کرتے تھے اور چاہتے یہ تھے کہ سزا دوسروں کو مل جائے۔

عزیزانِ اسلام! آج ہندوستان کے تھانوں اور عدالتوں کا حال بھی یہی ہے ہر شہر اور ہر تھانے بلکہ ہر گلی محلے میں اصلی مجرموں کو پناہیں دی جا رہی ہیں اور بے گناہوں کو پھنسایا جا رہا ہے۔ آج جرم کر کے عدالت سے بری ہو جانا، ایک جوہر اور فن سمجھا جاتا ہے اور بے گناہوں کو پھنسا دینا بھی ایک بڑی خوبی اور ایک بڑا وصف خیال کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ انسانیت کی موت ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر کبھی صحابہ سے کوئی جرم اور گناہ سرزد ہو جاتا تو اُن کی سب سے بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کہ انہیں پوری سزا ملے۔ وہ خود قاضی کے پاس چلے جاتے اور اپنا جرم بتا کر مطالبہ کرتے کہ

Marfat.com

ہمیں جلد سے جلد سزا دی جائے۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ انسانی زندگی کا کوئی جرم سزا سے بچ نہیں سکتا۔ اگر دنیا میں رہائی ہو گئی تو آخرت میں گرفت ہو گی۔ لیکن آج ہم اپنے چاروں طرف یہ دیکھ رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص جرم کر لیتا ہے تو بڑی کوشش کر کے اسے چھڑایا جاتا ہے، اس کے متعلقین اور وکلاء پوری طاقت خرچ کر دیتے ہیں کہ اسے سزا نہ ہو، وہ رشوتیں دیتے ہیں، مقدمات کی کہانیاں گھڑتے ہیں، جھوٹے گواہ بناتے ہیں جعلی تحریریں پیدا کرتے ہیں، یہ سب کچھ ایمان بالآخرۃ کے ضائع ہو جانے کا نتیجہ ہے، ورنہ اگر آپ یہ سمجھ لیں کہ اس زندگی میں انسان کی کوئی بھی نیکی یا برائی بغیر بدلے کے نہیں رہ سکتی تو آپ کبھی اپنے نامۂ اعمال پر جھوٹ اور جعلسازی کے اس قدر انبار نہ لادیں۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ مجرم کو پوری سزا دلوائی جائے۔ خود مجرم کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ دنیا میں اپنے جرم کی سزا بھگتے، ملک اور سوسائٹی کا امن اس پر منحصر ہے کہ مجرموں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں سب سے پہلے خود مجرموں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جرم کر کے دلیری کے ساتھ اعتراف کرنا سیکھیں اور مردانگی کے ساتھ سزائیں قبول کریں۔ گواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مجرموں کو سزا دلوائیں۔ پھر عام پبلک پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر کسی بے گناہ کو سزا مل رہی ہو اور کوئی مجرم گناہ کر کے بری ہو رہا ہو تو وہ مداخلت کر کے حق کو ناحق اور ناحق کو حق بننے کی کبھی اجازت نہ دیں۔ سب سے پہلے یہ جرأت مسلمانوں کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے۔ اگر بیٹا بھی جرم کرے تو باپ کا اسلامی حق یہ ہے کہ وہ اس کو سزا دلوائے۔ اگر باپ جرم کرے تو بیٹے کا اسلامی حق ہے کہ وہ اسکی رعایت نہ کرے۔ تاریخ اسلام ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ مسلمان، عدل وانصاف کے معاملے میں کبھی بھی باپ یا بیٹے کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ خلافت الٰہی کی بنیاد ہی عدل پر ہے اس واسطے جب یہودی لوگ قانون عدل سے منحرف ہوئے تو اس وقت اُن کی سلطنت کا چراغ بھی گل ہوا۔ یہی حال مسلمانوں کا ہوا۔ آؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پاک سے سبق سیکھیں اور اپنے اندر عدل کا وصف پیدا کریں۔

Marfat.com

۷۳۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ط كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ
پس کہا ہم نے مارو اس کو ساتھ بعض اس کے سے اسی طرح اللہ زندہ کرتا ہے
الْمَوْتٰى لا وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥
مُردے اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں شاید کہ تم سمجھو

آیت کا مطلب یہ ہے۔ گائے کے ایک حصہ کو مقتول کے جسم پر مارو۔ خداوند پاک اسی طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور اپنے بندوں کو اپنی قدرت کے نشان دکھاتا ہے تاکہ وہ عقل سے کام لینا سیکھیں۔ یہاں معجزات پر چند الفاظ عرض کرنا ضروری ہیں ہمارے زمانے میں سکولوں اور کالجوں کے طلباء کا ایک طبقہ ایسا ہے جو معجزات سے انکار کرتا ہے حالانکہ زندگی کا ہر فعل ایک معجزہ ہے۔ کیا لکڑی سے آگ نکلنا معجزہ نہیں؟ کیا انسان کی پیدائش معجزہ نہیں؟ کیا تیل کا لکڑی کی طرح جلنا معجزہ نہیں؟ کیا ایک کانٹے کے اندر سے پھول کا نکلنا معجزہ نہیں؟ کیا پانی کی لہروں سے بجلی کی پیدائش معجزہ نہیں؟ فرق صرف یہ ہے کہ ان چیزوں کو روزمرہ دیکھنے کے باعث ہم ان کے عجوبہ ہونے کو محسوس نہیں کر سکتے۔ ہم صرف اُسی وقت انکار کرتے ہیں جبکہ کوئی چیز ہمارے روزمرہ مشاہدات کے خلاف نظر آتے۔ ہم اس وقت یہ نہیں سوچتے کیا ہمارے مشاہدات کامل ہو چکے ہیں؟ کیا ہم نے تمام قدرتی معاملات کا علم حاصل کر لیا ہے اور کیا قدرت اُنہیں اصولوں پر چل رہی ہے جو ہم کو معلوم ہیں؟ پھر اس کے علاوہ جو ہم نے یہ عقیدہ پیدا کر لیا ہے کہ فطرت میں ہمیشہ تمام چیزیں یکساں طور سے ظاہر ہوتی ہیں اس کی دلیل کیا ہے؟ حالانکہ روزمرہ کی زندگی سے صدہا مثالیں ایسی پیش کی جا سکتی ہیں جن سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جن باتوں کو انسان صدہا سال تک فطرت کا اٹل قانون سمجھتا رہا ہے

Marfat.com

وہ اٹل قانون نہیں تھا۔ پھر ایک اور بات۔ جن چیزوں کے متعلق ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ انہیں ضرور ایسا ہونا چاہئے، یہ صرف ہمارا اپنا خیال یا تجربہ ہے۔ ہم کسی طرح یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ہمارا یہ خیال درحقیقت بھی اس چیز کے اندر لپٹا ہوا ہے؟ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ سنکھیا کھانے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ آپ سنکھیے کی ڈلی کو دیکھئے، اس میں کہیں موت کا فرشتہ نظر نہیں آتا، پھر یہ فتویٰ لگا دینا کہ سنکھیے سے ہمیشہ موت واقعہ ہوگی کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ ایک زمانے تک ہم یہ سمجھتے تھے کہ کوئی مرد، عورت نہیں بن سکتا کوئی مُردہ زندہ نہیں ہو سکتا، کوئی بوڑھا آدمی جوانی کی طرف لوٹ نہیں سکتا، لیکن آج یہ جنسی تبدیلیاں کثرت سے واقع ہو رہی ہیں، بعض جگہ پھانسی پائے ہوئے لوگ جن پر ڈاکٹر موت کے فتوے دے چکے تھے، دوبارہ زندہ کیے گئے، اسی طرح کئی بوڑھے آدمیوں کو غدودوں کی تبدیلی سے جوانی کی طرف لوٹایا جا رہا ہے۔ ہم کو عرصہ تک شبہ رہا کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں دریا کے اندر کس طرح خشکی کا راستہ پیدا ہو گیا تھا لیکن بہار کے زلزلے میں سینکڑوں لوگوں نے یہ شہادت دی کہ خود دریائے گنگا میں یہی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ (۱) پتھر سے پانی کا نکلنا (۲) مُردے کا زندہ ہونا (۳) آدمی سے بندر بن جانا (۴) کسی مُردہ جانور کا اُڑنا (۵) عصا کا اژدھا بننا (۶) بغیر باپ کے پیدا ہونا ناممکن چیزیں ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک چیز ایسی ہے کہ اگر قدرتی مثالوں ہی سے اس کی توضیح کی جائے تو ان میں سے کوئی چیز ناممکن نہیں رہتی۔ آج کی سائنس یہ سارے نمونے دکھا رہی ہے۔ ماہرین علم تنویم بھی اسی قسم کی کرامتیں دکھا رہے ہیں اور ماہرین روحانیت بھی یقین دلا رہے ہیں کہ اوپر کے تمام واقعات روحانی قوت کے اثر و عمل سے باہر نہیں ہیں۔ انسان جس قدر آگے بڑھتا جائیگا۔ ناممکنات کا دائرہ اُسی قدر محدود ہوتا چلا جائیگا اور آخر کار ہم کو قائل ہونا پڑے گا کہ جو لوگ خدا تعالےٰ کے نبیوں کے معجزات کا انکار کرتے تھے، ان کا علم، عقل اور تجربہ نہایت ہی محدود تھا۔

Marfat.com

٧٤۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ
پھر سخت ہو گئے دل تمہارے اس کے بعد پس ہیں وہ مثل پتھر کے یا
اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ
اور زیادہ سخت اور بے شک بعض پتھر ہیں کہ پھوٹتی ہیں اُس سے نہریں
وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا
اور بعض اُس سے جو پھٹتے ہیں پھر نکلتا ہے اس سے پانی اور بعض اُس سے
لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝
جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور نہیں اللہ غافل اس سے جو تم کرتے ہو

آیت کہتی ہے، اے یہود! اگرچہ تم کو خدا تعالیٰ کے کئی نشانات دکھائے گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا پتھر سے بھی زیادہ سخت کیونکہ پتھروں میں تو بعض وہ بھی ہیں جن سے دریا نکلتے ہیں، بعض وہ ہیں جب وہ پھٹتے ہیں تو ان سے پانی جاری ہو جاتا ہے اور بعض وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔

عزیزانِ اسلام! قرآن کریم، غالباً دنیا کی وہ پہلی کتاب ہے جس میں نافرمان اور بے عمل انسانوں کا پتھر سے مقابلہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ برے اور بے عمل انسان سے پتھر اچھا ہے۔ اوپر کی آیت میں پتھر کے تین وصف بیان کئے گئے ہیں، بعض پتھر وہ ہیں جن سے مستقل طور پر دریا جاری رہتے ہیں اور اس طرح ہزارہا خلق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے بعض پتھر ایسے ہیں کہ جب ان میں کوئی شگاف آجاتا ہے تو پانی بہ نکلتا ہے۔ یہ پتھر بھی بہر حال کسی نہ کسی طرح نوعِ انسان کو فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ بعض پتھر

Marfat.com

ایسے ہیں جن سے اگرچہ پانی جاری نہیں ہوتا تاہم جب وہ کسی نہ کسی وقت نیچے کو لڑھکتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بالاتر ہستی کا خوف یا اطاعت انہیں زمین کی طرف جھکائے لئے جارہی ہے لیکن وہ انسان جو نافرمان ہو، وہ ان پتھروں سے بھی بدتر ہے۔ اس سے نہ تو خلق خدا کو کوئی مستقل فائدہ پہنچتا ہے، نہ وقتی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ان کی ظاہری صورت ایسی ہوتی ہے کہ کوئی صاحب دل اسی کو دیکھ کر کسی قسم کی عبرت یا نصیحت حاصل کرے

عزیزان اسلام! اس آیت میں ایک ایسی حقیقت بیان کی گئی ہے جو کسی انسان کے خیال تک میں بھی نہیں آسکتی۔ آپ اس آیت پر مجموعی حیثیت سے نظر کریں اور یہ دیکھیں کہ آخر وہ بات کیا ہے کہ وہی پروردگار عالم جس نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب بنایا تھا، اب انسان کا پتھر سے مقابلہ کرتا ہے اور اُس پر پتھر کو ترجیح دیتا ہے۔ اِس کے لئے آپ کل کی آیت کو یاد کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے ایک بیگناہ شخص کو قتل کر دیا تھا۔ یہ ان کا ایک سنگین ترین جرم تھا۔ پھر انہوں نے دوسرا جرم یہ کیا کہ ایک اور بے گناہ آدمی پر اُس کے قتل کا الزام لگا دیا۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ایسے انسانوں کے متعلق اس سے کم اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ پتھر بھی خدا کے خوف سے ڈر جاتے ہیں مگر یہ انسان نہیں ڈرتے۔ انسانیت، راستی اور عدل کا نام ہے خدا تعالیٰ ان لوگوں سے کس طرح خوش ہو سکتا ہے جو ایک تو خود برائی کرتے ہیں اور پھر سزا کے وقت دغا اور فریب سے دوسروں کو لا کر کھڑا کر دیتے ہیں کہ انہیں سزا دی جائے۔ ایسے لوگوں کی نمازیں اور روزے انہیں کچھ کام نہیں دے سکتے۔ ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ خلق خدا کے ساتھ عدل، احسان اور خیر خواہی کا سلوک کرے۔ مذہبی احکام کا آخری مقصد بھی یہی ہے کہ آپ معاملات میں عادل، نیک اور راستباز بنیں۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا۔ سمجھنا چاہیئے کہ وہ انسان نہیں، پتھر ہے، بلکہ اس سے بھی بُرا ہے۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی | یہود کو دعوت اسلام ۹۵ | تحریف کتاب

۷۵۔ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَ قَدۡ کَانَ

کیا پھر تم امید رکھتے ہو کہ مان لیں گے تم کو حالانکہ ہے

فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَہٗ

ایک گروہ اُن میں وہ سنتے اللہ کا کلام پھر وہ بدل دیتے اُس کو

مِنۡۢ بَعۡدِ (بعد) مَا عَقَلُوۡہُ (اُس کو سمجھنے کے) وَ ہُمۡ (اور وہ سب) یَعۡلَمُوۡنَ جانتے ہیں

پہلے آیت کا مطلب سمجھئے۔ اس آیت میں یہودیوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے خطاب ہے، حکم ہوتا ہے، اے مسلمانو! کیا تم ایسے لوگوں سے امید رکھتے ہو کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے حالانکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کی ایک جماعت اللہ کا کلام سنتی ہے اور پھر سمجھنے کے باوجود اس میں ردّ و بدل کر دیتی ہے اور وہ اس کام کے جرم، بوجھ اور ذمہ واری کو بھی جانتے ہیں

زمانۂ رسالت میں مسلمانوں نے اسلام کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں اور بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں، اس واسطے انہیں ہر وقت یہی فکر رہتی تھی کہ دنیا میں اسلام پھیلے۔ اس لئے وہ یہود مدینہ کے متعلق بھی یہی سوچتے رہتے تھے کہ وہ کسی طرح اسلام قبول کر کے خدا کی رحمتوں کے مستحق بن جائیں۔ لیکن یہودیوں کی حالت حد درجہ خراب تھی، انہوں نے مذہب کے نام کو دشمنی، عناد، جعلسازی اور فریب دہی کا ایک ذریعہ بنا رکھا تھا، وہ خدا کے کلام کو سنتے تھے، اس کی سچائی اور عزت و حرمت سے بھی واقف تھے مگر اپنا دھڑہ قائم رکھنے کی خاطر خود کلام الٰہی کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ انہیں خیال تھا کہ اگر توریت سے پیغمبر اسلام کی صداقت ثابت ہو گئی یا قرآن کی آیات سن کر یہودی پبلک کا یہ خیال ہو گیا کہ قرآن، حضرت موسیٰ ع کے پیغام کی صحیح ترجمانی کرتا ہے تو دونوں صورتوں میں یہودی پبلک اُن کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس واسطے وہ ہمیشہ اپنے عوام کو قرآن

اور توریت دونوں کی صحیح صحیح آیتیں سننے اور سمجھنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔

عزیزانِ اسلام! خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو خلافت دی، اُس کی بنیاد خدا کے قانون پر تھی، جب تک کوئی قوم اس قانون پر قائم رہی، اس کی سلطنت بھی قائم رہی لیکن جب اُس نے اپنے قانون شریعت کو چھوڑ دیا، بدل دیا، اُس کے مقصد کو بھلا دیا، یا خواہشات کے تابع کر دیا تو اس کی سلطنت بھی ختم ہو گئی۔ اوپر کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہودی لوگ کس کس طرح چھوٹے چھوٹے فائدوں کے لئے اپنے مذہبی قانون میں ردّ و بدل کر دیا کرتے تھے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اب یہ قوم کسی طرح بھی خلافت الٰہی کے قابل نہیں رہی۔ آیت میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ یہودیوں میں فرقہ بندی کا تعصب کس حد تک پہنچ چکا تھا، اگرچہ انہوں نے حکم خدا کے نام پر یہودی مذہب کو قبول کیا تھا مگر اب وہ فرقہ بندی کی خاطر خود خدا کے کلام ہی کو ذبح کر رہے تھے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اُن کے نزدیک فرقہ بندی کا قائم رکھنا، خدا تعالیٰ کی عزت و شان سے بھی زیادہ عزیز ہو گیا تھا، انہیں شرک قبول تھا، خدا کے کلام کو بدلنا قبول تھا، توریت کی آیتوں کے ساتھ دھوکا کرنا قبول تھا مگر دھڑہ بندی کو ترک کرنا قبول نہیں تھا۔ یہود کی اس مثال سے سبق ملتا ہے کہ کوئی قوم اپنے اصل مذہب پر اُسی وقت قائم رہ سکتی ہے جبکہ وہ فرقہ بندی کے تعصب کا شکار نہ ہو۔ افسوس کہ آج ہم مسلمان بھی صدہا فرقوں میں تقسیم ہیں اور فرقہ بندی کے تعصب میں اندھے ہو کر خدا کے کلام، اسلام کی حکومت اور اُمت کے اتحاد سے بے پروا ہو گئے ہیں مسلمانو! اللہ کے کلام کا سبق یہ ہے کہ ہم لوگوں کو فرقہ فرقہ بن کر اپنی اسلامی طاقت اور اتحاد کو برباد نہیں کرنا چاہئے۔ اے اللہ! ہمیں متفق اور متحد رہنے کی توفیق عطا فرما۔

Marfat.com

تاریخی واقعات کی یاد دہانی ۹۷ یہود کو دعوت اسلام سچ کیلئے شکست اچھی

۷۶۔ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُ

اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوں بعض

ھُمْ اِلٰی بَعْضٍ، قَالُوْٓا اَ تُحَدِّثُوْنَ ھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰہُ

اُن کے پاس بعض کے، کہتے ہیں، کیا تم بتاتے ہو اُن کو جو ظاہر کیا اللہ نے

عَلَیْکُمْ، لِ یُحَآجُّوْ کُمْ بِ ہٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

تم پر، تاکہ وہ حجت قائم کریں تم پر ساتھ اس کے تمہارے خدا کے ہاں، کیا پھر نہیں تم سمجھتے

جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم بھی ایمان دار ہیں مگر جب آپس میں اکیلے بیٹھتے تو یہ کہتے کہ توریت کی جو آیتیں خدا تعالیٰ نے تم پر ظاہر کی ہیں، تم انہیں مسلمانوں پر کیوں ظاہر کرتے ہو؟ اس سے تو وہ خدا کے روبرو تم پر حجت قائم کریں گے۔

عزیزان اسلام! یہ آیت بتاتی ہے کہ زوال کی حالت میں، قوم کا اخلاق اور چال چلن کس قدر پست ہو جاتا ہے، اُن کی زندگی کا کوئی اصول نہیں ہوتا، اُن کے ضمیر کی کوئی آواز نہیں ہوتی، وہ دوسرے آدمیوں کے پاس جاتے ہیں تو کچھ اور کہتے ہیں، آپس میں بیٹھتے ہیں تو کچھ اور بات کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدا اور مذہب کے نام پر کیا جاتا ہے۔ یہودیوں میں بعض لوگ تھے جو مسلمانوں کے پاس جاتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، آپس میں بیٹھتے تھے تو کہتے تھے کہ توریت کی جن آیتوں سے پیغمبر اسلام کی تصدیق ہوتی ہے، انہیں ظاہر نہ کیا کرو، تاکہ مسلمان خدا کے سامنے تمہیں نیچا نہ دکھائیں، حالانکہ خدا کو سب کچھ معلوم ہے۔ اس واقعہ میں سبق یہ ہے کہ مسلمان اپنا اپنا ظاہر اور باطن ایک رکھیں، دوست اور دشمن سب کے سامنے ایک بات کہیں۔ اگر ہمارے سچ بولنے سے ہمارے خاندان یا قبیلہ کو بھی شکست ہوتی ہو تو ہمیں ہمیشہ سچ بولنا چاہئے، خدا کے مقبول بندے وہی ہیں جو یہاں کچھ اور وہاں کچھ کی پالیسی اختیار نہ کریں۔

Marfat.com

۷۷۔ اَوَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ ۝

کیا　وہ جانتے نہیں　بیشک اللہ جانتا ہے　جو　وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں

عزیزانِ اسلام! یہ منافقین یہود کا ذکر ہے۔ یہ لوگ جب مسلمانوں کے پاس آتے تو کہتے کہ ہم ایمان لاتے ہیں اور جب آپس میں بیٹھتے تو کہتے کہ مسلمانوں کے پاس توریت کی وہ آیتیں جن سے پیغمبر اسلام کی سچائی ثابت ہوتی ہے، ظاہر نہ کرو تاکہ مسلمان ہمیں خدا کے ہاں جھوٹا نہ کریں۔

عزیزانِ اسلام! چونکہ اکثر آدمیوں کا ظاہر اور باطن ایک نہیں ہوتا اور انسانی زندگی کے ۹۹ فیصدی فساد، اختلاف، جھگڑے، غلط فہمیاں، بدگمانیاں اور دشمنی انہی لوگوں کے پیدا کردہ ہیں جو لوگوں کے پاس اپنے مطلب کے لئے بدل بدل کر باتیں کرتے ہیں۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں منافقوں کی بار بار مذمت کی ہے۔ سورۂ بقر کی ابتدا میں یہ کہا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے دل بیمار ہوتے ہیں، اب اوپر کی آیت میں کہا گیا ہے کہ انہیں خدا تعالیٰ کی ذات پر یقین نہیں ہوتا اور اسی واسطے یہ لوگ جس شخص یا جماعت کے پاس جاتے ہیں اُسی کو خوش کرنے کے لئے اُس کے موافق بات کر دیتے ہیں۔

۷۸۔ وَمِنۡهُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ

اور ان میں ہیں اَن پڑھ　جو نہیں جانتے　کتاب　مگر آرزوئیں　اور　نہیں ہیں　مگر خیالی باتیں کرتے

مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں بعض لوگ جو کتاب کا علم نہیں رکھتے، صرف اپنے ہی اوہام و وسائس میں پھنسے ہوئے ہیں اور محض خوش اعتقادی کے سوا ان کے کچھ پلے نہیں۔ آج مسلمانوں پر یہ آیت سو فیصدی صادق آ رہی ہے۔ مسلمان، اپنی حالت، علم، دین، عمل، اخلاص کی طرف ذرا نہیں دیکھتے، مگر گداگروں، دیوالیوں اور بھنگی چرسی فقیروں تک یہ دعویٰ سب کو ہے کہ صرف ہمیں بہشت کے مالک ہیں۔ کتابِ الٰہی کا علم و عمل ختم اور دعویٰ بہشت موجود۔ یہ نری خوش اعتقادی نہیں، تو اور کیا ہے؟

Marfat.com

۷۹- فَ وَیْلٌ لِّ لَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِ اَیْدِیْ ھِمْ

پس افسوس ہے واسطے ان کے جو لکھتے ہیں کتاب ساتھ ہاتھوں اپنے

ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ

پھر وہ کہتے ہیں یہ (ہے) طرف سے اللہ (کی)

وَیْلٌ کے معنی افسوس۔ یَکْتُبُوْنَ کے معنی وہ لکھتے ہیں۔ اَیْدِیْ کے معنے ہاتھوں۔ یَدٌ ہاتھ کو کہتے ہیں۔ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ کے معنی خدا کی طرف سے۔ مِنْ کے معنی سے۔ عِنْدَ کے معنی طرف۔ آیت کا مطلب یہ ہے، یہودیوں کے مولویوں پر افسوس ہے کہ وہ اپنی راؤں، خواہشوں اور فرقہ بندیوں کے مطابق خود کتابیں لکھتے ہیں۔ مگر قوم کو کہتے ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے۔

عزیزان اسلام! کسی قوم کی حالت کا اندازہ، اُس قوم کے عالموں اور لیڈروں سے کرنا چاہیے۔ اسی اصول کے مطابق یہودی سوسائٹی کا اصل نقشہ پیش کرنے کے لئے خدا تعالیٰ بتاتا ہے کہ یہودی عالموں اور لیڈروں کا حال کیا تھا؟ ۷۵ ویں آیت میں یہ کہا کہ یہودی مولویوں کی ایک بدعادت یہ تھی کہ وہ خدا کا کلام سنتے ہیں اور سمجھنے اور جاننے کے باوجود اُسے بدل دیتے ہیں اور اپنی غرض پوری کرنے کے لئے اور کے اور معنی کر دیتے ہیں آپ غور کیجئے جو مولوی کلام خدا کے معنی بدلانے سے دریغ نہیں کرتے، وہ عام انسانوں کے قول وقرار، وعدوں اور معاملات کو بگاڑنے اور بدلانے سے کیونکر دریغ کرتے ہوں گے؟ افسوس کہ آج مولویوں اور لیڈروں کی عام حالت بھی یہی ہو رہی ہے۔ آپ جس مولوی سے پوچھئے، وہ اپنے فرقہ کا مسئلہ، قرآن سے نکال کر دکھائے گا۔ قادیانی لوگ قرآن سے یہ دکھاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ع گذر گئے ہیں۔ مسلمان عالم یہ دکھاتے ہیں کہ نہیں گزرے۔

Marfat.com

چکڑالوی فرقہ قرآن سے یہ دکھاتا ہے کہ حدیثوں کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے مگر مسلمان عالم یہ دکھاتے ہیں کہ ضرورت ہے۔ کلام الٰہی کو بدلنا یہی ہے کہ بات تو ہوتی ہے، اپنے فرقے کی، یا اپنے نفس کی اور کہتے یہ ہیں کہ یہ شریعت کا حکم ہے، اسی طرح ووٹ لینے والوں کا حال ہے۔ لیگی اور کانگرسی سب لوگ قرآن سے بتاتے ہیں کہ ہمیں ووٹ دیا جائے۔ مذہب کو اپنی اغراض کے لئے آڑ بنانے کے معنی یہی ہیں۔ اس کے بعد ۷۶ ویں اور ۷۷ ویں آیت ہے۔ ان میں بیان کیا گیا ہے۔ یہودی علماء، منافق اور حق پوش تھے۔ جب مسلمانوں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور جب اپنے جتھے میں بیٹھتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ تم توریت کی باتیں مسلمانوں کو کیوں بتلاتے ہو؟ وہ تو ان باتوں سے اپنی سچائی کی سند لے کر اسلام میں پکے ہوتے جارہے ہیں۔ افسوس کہ آج ہمارے اکثر عالموں اور لیڈروں کی حالت بھی یہی ہے، جدھر اُن کی رائے ہوتی ہے، وہ اُدھر کا مسئلہ کر دیتے ہیں آپ انہیں چندہ جمع کردیں، تر لقمے کھلادیں، پھر جیسی آپ چاہیں گے، یہ تقریر کردیں گے اور فتویٰ دے دیں گے۔ خدا تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے۔

عزیزان اسلام! آج کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کے عالم اور مولوی، اپنی رائے سے مسئلے گھڑا کرتے تھے، اپنے پیٹ کے لئے رسمیں ایجاد کیا کرتے تھے، اپنے دھڑوں کو قائم رکھنے کے لئے فتوے تیار کرتے تھے مگر کہتے یہ تھے کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ خلاصہ آیت یہ ہے کہ یہودی علماء بدعتی تھے اور انہوں نے اپنے من گھڑت مسائل کو خدا کا دین قرار دے رکھا تھا۔

عزیزان اسلام! کیا آج آپ کے اکثر عالموں کی یہ حالت نہیں ہے؟ آج ہم میں بیسیوں ایسی بدعتیں موجود ہیں، جن کا رسول خدا اور صحابہ کرام کے زمانے میں کوئی نام ونشان نہیں ملتا، مگر اپنے علماء سے پوچھئے، وہ ان سب بدعتوں کو قرآن سے ثابت کر رہے ہیں۔ مسلمانو! ایسے علماء سے بچ جاؤ اور بے نفسی کے ساتھ خود قرآن پاک کا مطالعہ کرو۔

Marfat.com

یہودی سوسائٹی کا حال (۹۹) خود غرض مُلّا

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط

لِيَشْتَرُوْا کے معنی تاکہ وہ خریدیں۔ لَ کے معنی تاکہ۔ يَشْتَرُوْا کے معنی وہ سب خریدیں عربی زبان میں خریدار کو مشتری کہتے ہیں، خریدنے کو شرا کہتے ہیں، بیچنے کو بیع کہتے ہیں۔ بِهٖ کے معنی اس سے۔ ثَمَنًا کے معنی قیمت۔ قَلِيْلًا کے معنی تھوڑی۔ یہ لفظ تین طرح ہوسکتا ہے۔ بِهٖ کے معنی اس سے۔ بِهِمَا کے معنی ان دونوں سے۔ بِهِمْ کے معنی ان سب سے۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔ یہودی علماء اپنی راؤں کے مطابق اس لئے شرعی فتوے، مسائل اور رسمیں گھڑتے ہیں تاکہ وہ اس کے عوض ثمن قلیل یعنی چھوٹے چھوٹے دنیوی فائدے حاصل کریں۔

عزیزان اسلام! پہلے یہ کہا گیا ہے کہ یہودیوں کے مولوی بدعتیں نکالتے رہتے ہیں، من گھڑت فتوے دے دیتے ہیں، من گھڑت کتابیں اور مسائل ایجاد کرتے ہیں اور پھر انہیں اپنی قوم میں جاری رکھنے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ اب اس آیت کے دوسرے حصے میں بتایا گیا ہے کہ یہودی مولوی خدا کے دین میں نئے نئے رواج اور بدعات اس لئے پیدا کرتے ہیں تاکہ اس کے عوض میں اپنی ذات کے لئے چھوٹے چھوٹے دنیوی فائدے حاصل کریں۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا کے معنی ہیں، تھوڑی قیمت، یعنی چھوٹے چھوٹے فائدے۔ بڑے قومی فائدے یہ ہیں کہ قوم میں علم پھیلے۔ قوم تجارت میں ترقی کرے۔ قوم میں صنعت و حرفت کا رواج ہو، قوم سیاسی طور پر آزاد اور متحد ہو، افراد قوم شریف، با اخلاق، سلجھے ہوئے، مہذب اور متمدن ہوں۔ قوم با کار اور خوشحال، صاحب ثروت اور دیندار ہو۔ انہی چیزوں سے کوئی قوم اس دنیا کے اندر با عزت اور بآرام زندگی گذار سکتی ہے۔ لیکن یہودی ملاؤں کو ان قومی فائدوں کی کچھ فکر نہ تھی، وہ صرف ایسے جھگڑوں

Marfat.com

مسئلوں اور بدعتوں کے ایجاد کرنے میں مصروف رہتے تھے جن سے اُن کا پیٹ بھرے یا کچھ نذرانہ ملے۔

عزیزانِ اسلام! اب آپ کے اکثر ملّاؤں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ مسلمانوں کی تعلیم، تبلیغ، تجارت اور اتفاق کے لئے کبھی جھگڑا نہیں کرتے۔ ان کو صرف ایسے مسئلوں سے محبت ہے جن سے خود انہیں چھوٹے چھوٹے فائدے حاصل ہوں۔ مثلاً میت کی اسقاط کرادی اور سوا روپیہ لے گئے۔ جمعرات کو ختم پڑھ دیا اور چند تر نوالے کھا گئے۔ چالیسواں کرا دیا اور کپڑے اور کھانے لے گئے۔ گیارھویں کرادی اور پیر صاحب کا نام لے کر دعوت کھا گئے۔ معراج، شبرات، ستائیسویں رمضان اور میلاد کی مجلسیں لگادیں اور مٹھائی یا پلاؤ لے کر تھوڑا تھوڑا حاضرینِ مجلس کو دے دیا اور باقی گھر بھیج دیا۔ قبروں پر عرس کرا دیا اور پیر صاحبان نذریں لے گئے۔ بمبئی کاٹھیاواڑ کی طرف محرم کے پہلے دس دنوں میں محلہ وار دس دس وعظ ہوتے ہیں اور ان وعظوں پر لاکھوں روپے نان ختائی بانٹنے پر خرچ آجاتے ہیں۔ مگر ملّا لوگ مسلمانوں کو روکتے نہیں، صرف اس لئے کہ اس موقع پر انہیں بھی سو پچاس روپے سالانہ ضرور مل جاتے ہیں، آپ یقین کریں کہ وہ تمام رسمیں جو پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بالکل موجود نہ تھیں، اب صرف اس لئے جائز اور ضروری قرار دے دی گئی ہیں کہ ملّا لوگوں کو اُن سے روزانہ چھوٹے چھوٹے فائدے حاصل ہو رہے ہیں۔ ان رسموں کا ہماری قومی ترقی یا اسلامی فرائض کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اب مسلمان فرضوں کو چھوڑ رہے ہیں اور رسموں کو کر رہے ہیں۔ ہمارا دین سراپا عمل تھا مگر اب ہماری ساری قوت زبان کے لفظوں پر خرچ ہو رہی ہے۔ تلاوت زبانی، وعظ زبانی، ورد وظیفہ زبانی، دعائیں زبانی مگر عمل کچھ بھی نہیں۔ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ سب مسلمانوں کو دین کی سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم نماز و دعائیں جو کچھ زبانی کہتے ہیں، اُس پر عمل پیرا بھی ہوں۔

Marfat.com

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَ
پس افسوس (رہے) واسطے ان کے جو کچھ لکھا ان کے ہاتھوں نے، اور
وَيْلٌ (برا ہے) لَّهُمْ (واسطے انکے) مِّمَّا (جو کچھ) يَكْسِبُونَ ۝ (وہ کماتے ہیں)۔

عزیزان اسلام! اس آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں اُن تحریروں، فتووں، کتابوں یا رسموں پر خدا تعالیٰ نے افسوس ظاہر کیا ہے جنہیں یہودی علماء اپنے دل سے گھڑتے تھے اور پبلک کو یہ کہتے تھے کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ آیت کے دوسرے حصے میں خدا تعالیٰ نے اس آمدنی اور کمائی پر افسوس ظاہر کیا ہے جو یہودی علماء اپنی نو ایجاد رسموں کے ذریعہ سے خود حاصل کیا کرتے تھے۔

عزیزان اسلام! آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ خدا کی شریعت اس لئے نہیں ہوتی کہ اس کے ذریعے سے عالموں، پیروں اور مولویوں کی پرورش کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اصل توریت یا قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں مل سکتی جس میں یہ کہا گیا ہو کہ فلاں موقع پر ملاجی کو کھانا کھلایا جائے، یا کپڑے پہنائے جائیں، یا ساز و سامان خرید کر دیا جائے۔ خدا کے نبیوں کی زندگی کا نمونہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو خدا کا حکم پہنچاتے تھے اور کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ اب اگر خاص طور پر دین حق کے اصولوں کی پیروی کی جاتی تو اس سے مُلّا جی کو کچھ بھی وصول نہ ہو سکتا تھا۔ اس واسطے یہودی ملاؤں نے دین کے نام پر اپنی طرف سے کئی ایسی رسمیں ایجاد کر لیں جن سے انہیں مختلف قسم کے فوائد حاصل ہو جاتے تھے۔ اگرچہ دینِ موسوی میں ان رسموں کے لئے کوئی جگہ موجود نہ تھی، تاہم ملا لوگ یہی کہتے رہتے تھے کہ یہ تمام رسمیں موسوی دین کا حصہ ہیں، نہایت ضروری ہیں اور باعث ثواب ہیں۔ چونکہ عام لوگوں کو اصل کتاب کا علم تو تھا نہیں اس واسطے وہ اپنے ملاؤں ہی کے پیچھے چل دیئے۔

Marfat.com

اور محض رسموں پر اپنا اعتقاد جما لیا اور اس طرح موسوی شریعت ختم ہو گئی اور اس کی بجائے رسموں کا دین قائم ہو گیا۔ یہودی قوم اپنے دینی اصولوں سے گر گئی اور خلافتِ الٰہی کا تاج کھو بیٹھی۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ یہودی علماء پر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنے گھڑے ہوئے مسائل جاری کر کے اپنی قوم کو برباد کر ڈالا ہے۔ اب اسی آیت کا دوسرا حصہ لیجئے۔ یہودی ملاؤں نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اگر یہودی لوگ، خدائی اصولوں پر چل کر حاکم، آزاد اور خوشحال رہیں گے تو وہ اپنی زندگی بھی اچھی طرح گزاریں گے اور علماء کی خدمت بھی کریں گے۔ انہوں نے صرف اپنی وقتی کمائی کا فکر کیا اور قوم کا ستیاناس بھی کر ڈالا اور خود بھی برباد ہو گئے۔ خدا تعالیٰ اسی واقعہ کا ذکر کر کے کہتا ہے، فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ۔ یہودی ملاؤں کی ایسی کمائی پر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنا ذاتی فائدہ تو سوچ لیا مگر اپنی قوم اور جماعت کو تباہی کے غار میں ڈال دیا۔

عزیزانِ اسلام! آپ کے بدعتی علماء کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کس قدر رسمیں ایجاد کر رکھی ہیں جن کی دین میں کچھ بھی اصل اور حقیقت نہیں ہے، یہ نذریں اور نیازیں۔ یہ تعویذ اور گنڈے، یہ چڑھاوے، عرس اور چالیسویں کیا ہیں؟ آپ یقین کریں کہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کا حکم قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔ مگر ملّا لوگ آپ سے ہر وقت انہیں رسموں کی مشق کراتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ۹۹ فیصدی مسلمانوں نے انہیں رسموں کو اپنا دین بنا لیا ہے۔ مسلمان کی زندگی اور نجات کا راز توحید، تعلیم، اتحاد، حق گوئی جہاد محنت، عمل، دیانت وغیرہ میں مضمر ہے۔ مسلمانو! عمل کی طرف توجہ کرو، ہاتھ سے کام کرو، دیانت دار بنو، صرف زبان کے ورد وظیفوں سے تم کبھی ورثہ اسلام حاصل نہیں کر سکو گے۔ اے اللہ! مسلمانوں کو توفیق عمل عطا فرما۔

Marfat.com

۸۰۔ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً ط

وَ کے معنی اور۔ قَالُوْا کے معنی انہوں نے کہا۔ لَنْ تَمَسَّنَا کے معنی، ہم کو نہیں چھوئیگی، لَنْ کے معنی نہیں۔ نَا کے معنی ہم کو۔ النَّارُ کے معنی آگ۔ اِلَّآ کے معنی مگر۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً کے معنی چند روز۔ ایام کہتے ہیں دنوں کو۔ معدودہ کے معنی گنے ہوئے یعنی چند۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہودیوں کا قول دُہرایا ہے۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے خواہ ہم کتنے ہی بُرے ہوں، ہم صرف چند دن دوزخ میں رہیں اور پھر بہشت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہودی لوگ ایسے ایسے دعوے کیوں کرتے تھے؟ یہ یہودی ملّاؤں کی غلط تعلیم کا نتیجہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودی ملّاؤں نے اپنے پیٹ کے لئے یہودی عوام کو طرح طرح کی رسموں، فرقہ بندیوں، وظیفوں، بدعتوں اور نذر و نیاز کے رواجوں میں غرق کر رکھا تھا اور اس گھڑے ہوئے مذہب کو رواج دینے کے لئے وہ انہیں عجیب و غریب سبز باغ دکھاتے رہتے تھے، کسی کو وظیفہ بتاتے اور کہتے کہ اب تم بہشت کے حق دار ہو گئے۔ کسی کو مرید بناتے اور کہتے کہ ہم خود تمہیں بخشوا لیں گے۔ کسی کو اپنے فرقے میں شامل کرتے اور یہ کہتے کہ بس تمہارا ہی فرقہ بہشتی ہے اور باقی سب دوزخی ہیں۔ چونکہ یہودی ملّا بات بات پر اپنی قوم کو جنت کے ڈھکوسلے دیتے رہتے تھے اس واسطے یہودی لوگوں میں یہ عام اعتقاد پیدا ہو گیا تھا کہ ہم عمل کریں یا نہ کریں، دنیا کی سب قوموں میں صرف ہمیں لوگ جنت کے ٹھیکیدار ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے اس اعتقاد کا ذکر کر کے فرماتا ہے، اے نبی!

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗٓ

کہا کیا پکڑا ہے تم (نے) اللہ سے اقرار کہ نہیں خلاف کریگا اللہ عہد سے اپنے

Marfat.com

یعنی اے نبی! ان یہودیوں سے کہو، اگر تم جنت کے مدعی بنتے ہو تو کوئی خدا تعالیٰ کی سند پیش کرو۔ کیا تم نے خدا تعالیٰ سے جنت میں جانے کا کوئی اقرار نامہ لکھوا لیا ہے جس کو اب وہ توڑ نہیں سکتا؟ اگر تمہارے پاس ایسا اقرار نامہ نہیں ہے تو پھر یہ واہی تباہی دعوے کیوں کرتے ہو؟ کیوں تم خدا تعالیٰ پر ایسی بات کہتے ہو جس کو تم جانتے نہیں ہو۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

یا تم کہتے ہو اوپر اللہ کے جو نہیں تم جانتے

عزیزانِ اسلام! جس طرح آج کل کے علماء نے مسلمانوں کے الگ الگ فرقے بنا رکھے ہیں اور وہ ان سے ذاتی فوائد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہودی ملاؤں نے بھی کھانے کمانے کے لئے اپنے اپنے گلے قائم کر رکھے تھے اور انہیں یہ یقین دلا رکھا تھا کہ صرف تم سیدھے راستے پر ہو اور بہشتی ہو تاکہ وہ جنت کی اس طمع خام میں ملاؤں کا پیٹ بھرتے رہیں۔ مگر خدا کہتا ہے، لوگوں کو چاہئے کہ وہ ان فریبوں کی اصل حقیقت کو سمجھیں اور ان کا شکار نہ ہوں۔ یہودیوں کی اس خوش اعتقادی میں مسلمانوں کے لئے بڑا سبق ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ تم ایمان اور عمل کا توشہ لاؤ گے تو نجات ہوگی۔ اگر کوئی ملا اور پیر اس قرآنی تعلیم کے خلاف کوئی دعوے کرے تو آپ اس پر ہرگز ہرگز یقین نہ کریں۔ آپ کے لئے قرآن کے ہر حکم کی پابندی ضروری ہے۔ آپ لاکھ وظیفے پڑھ لیں، ہزار چلے کریں، کروڑوں خانقاہوں پر جائیں، لاکھوں پیروں کے قدم چومیں اور مریدی کریں۔ جب تک آپ حکم قرآن کی پابندی نہ کریں گے، نہ دنیا میں آپ کو کچھ ملے گا اور نہ آخرت میں قرآن کو سیکھو اور قرآن کے ایک ایک حکم پر عمل کرو۔ تمہاری نجات کا راز صرف یہی ہے۔ اے اللہ! ہمیں قرآن کے حکموں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

Marfat.com

یہودی سوسائٹی کا حال (۱۰۲) **برائی کا گھیر**

۸۰۔ بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتْ بِہٖ
ہاں جس نے کمائی برائی اور گھیر لیا (ساتھ) اُس کو
خَطِیْٓـَٔتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝
برائی اسکی (نے) پس وہ سب (ہیں) دوزخی، وہ سب (ہیں) اس میں ہمیشہ رہنے والے

عزیزان اسلام! پہلے بیان ہوا کہ یہودی لوگ یہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں کبھی چھونے والی نہیں کیونکہ ہماری اُمت خدا کے نزدیک بخشی ہوئی اُمت ہے اور اگر ہم آگ میں ڈالے بھی جائینگے تو اس لئے نہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں بلکہ صرف چند دنوں کے لئے تاکہ گناہوں سے پاک و صاف ہو کر پھر جنت میں جا داخل ہوں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ یہودیوں کے اس دعویٰ کو رَدّ کر دو اور ان لوگوں سے کہہ دو کہ یہ بات جو تم کہتے ہو، دو حالتوں سے خالی نہیں، یا تو یہ ہے کہ تم نے خدا سے اپنی نجات کا کوئی پٹہ لکھوا لیا ہوگا کہ وہ اب اس کے خلاف نہیں جا سکتا۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر تم نجات کا دعویٰ کر کے خدا کے نام پر ایک ایسا بہتان باندھ رہے ہو جس کے متعلق تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یا تو کوئی اپنی نجات کی سند دکھاؤ ورنہ خدا پر بہتان نہ باندھو۔ اب انہی لوگوں کو غلطی سے نکالنے کے لئے یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کے ہاں دوزخ سے بچنے کا قانون کیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے کہ آخرت کی نجات کسی خاص اُمت اور جماعت کا جدّی ورثہ نہیں کہ دوسری جماعتیں محروم رہیں اور وہ اکیلی جنت کی ٹھیکیدار بن جائے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ کوئی انسان ہو، کسی اُمت اور جماعت کا ہو، جس کسی نے بھی اپنے اعمال سے برائی کمائی اور اس کے گناہوں نے اُسے گھیرے میں لے لیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہوگا، ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ جنت اور دوزخ کو

Marfat.com

قوموں کی بنا پر تقسیم نہیں کیا جائے گا کہ فلاں خاص قوم جنت میں چلی جائے اور باقی قومیں دوزخ میں بھیج دی جائیں۔ بلکہ قانون الٰہی کے مطابق جنت اور دوزخ کا انحصار ایمان اور عمل پر ہے۔ جو شخص برائی کمائے گا وہ سزا پائے گا۔ خواہ وہ ہندوستانی ہو، یا ایرانی، برہمن ہو یا پٹھان، مسلمان ہو یا غیر مسلم، گورا ہو یا کالا۔ (مفاد ترجمان القرآن)

عزیزان اسلام! آپ جانتے ہیں کہ قرآن سے زیادہ سچی اور پکی کوئی کتاب نہیں ہے، غیر مسلموں یا مسلمانوں کے پیشوا، پیر، پنڈت اور ملّا اگر کوئی بات بیان کریں تو آپ کبھی کلام خدا کی سند کے بغیر اُسے تسلیم نہ کریں۔ فرض کرو کہ ایک شخص آپ سے یہ کہتا ہے کہ تم میرے مرید بن جاؤ اور تعویذ لے لو اور یہ وظیفہ رات اور دن میں ایک ہزار دفعہ پڑھتے رہو تو تم دوزخ سے چھوٹ جاؤ گے۔ آپ اس شخص کو آج کی آیت سنائیے۔ قرآن کہتا ہے کہ جس انسان نے بھی، وہ گورا ہو یا کالا، برائی کمائی اور ان برائیوں نے اس کو اپنے گھیرے میں لے لیا، وہ دوزخی ہے اور وہیں ہمیشہ رہے گا۔ برائیوں کے گھیرے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص برائیوں میں ایسا گھر جاتا ہے کہ وہ ان سے نکل کر نہ اپنی اصلاح کر سکتا ہے اور نہ توبہ۔ اسی حالت کو حدیثِ رسولؐ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دِل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے، دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا داغ پڑ جاتا ہے، اسی طرح آہستہ آہستہ تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے، یہ حالت ایسی سخت ہے جس میں انسان برائی کرتا ہے اور محسوس نہیں کرتا۔ جب کسی شخص کی یہ حالت ہو گئی تو پھر اُسے کوئی پنڈت، پیشوا یا پیر بچا نہیں سکتا۔ بچاؤ کی راہ یہ نہیں کہ آپ فرقہ بندی کی رسموں میں الجھیں بلکہ نجات کی راہ یہ ہے کہ حکم قرآن اور نمونۂ رسول کے مطابق اپنے تمام اعمال دُرست کریں، اپنے معاملات اپنی تجارت، اپنی خانگی زندگی، اور اس کے ساتھ اپنے عقائد و عبادات بھی۔ مسلمانو! اپنے عمل درست کرو۔ عمل کے بغیر کامیابی نہ ہو گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق عمل عطا فرمائے۔

Marfat.com

۸۱۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہ سب جنت والے
هُمْ (وہ سب)۔ فِيْ (بیچ)۔ هَا (اس کے)۔ خٰلِدُوْنَ (ہمیشہ رہنے والے (ہیں)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، وہ بہشت میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ آرام کی زندگی بسر کریں گے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں پھر نجات کا قانون بتایا گیا ہے۔ خدا کا لکھا یہ ہے کہ ایمان لاؤ اور نیک کام کرو، پھر تم نجات کے مستحق ہو جاؤ گے۔ پہلے آپ یہ سمجھئے، ایمان اور اور عمل کا کیا مطلب ہے؟ ایک شخص زبان سے کہتا ہے کہ میں ایمان لایا اور میں نے نیک کام کئے، صرف اتنا کہہ دینے سے اس کی نجات نہیں ہو سکتی۔ ایمان اور عمل سے کبھی یہ مطلب نہیں ہے کہ زبان ہلا دیں اور باتیں بنائیں۔ آپ ایک مثال سے ایمان اور عمل کا مطلب سمجھیں۔ فرض کیجئے کہ ایک عورت روٹی پکا رہی ہے۔ سامنے سے اس کا خاوند کہتا ہے کہ جاپان میں زلزلہ آیا اور دس لاکھ آدمی مر گئے۔ عورت یہ خبر سنتی ہے مگر اپنی روٹی بدستور پکاتی رہتی ہے۔ اس واقعہ کے چند ہی منٹ بعد اس کا خاوند وہیں بیٹھا بیٹھا یہ کہتا ہے کہ "وہ دیکھو، تمہارا بیٹا کوئیں میں گرنے لگا"۔ اب یہ سنتے ہی وہ عورت آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔ وہیں آٹا رہ جاتا ہے، وہیں روٹی رہ جاتی ہے، وہ عورت ننگے سر اور ننگے پاؤں کوئیں کی طرف دوڑنے لگ جاتی ہے۔ اے عزیزان اسلام! علم اور ایمان کی مثال سمجھی ہی ہے عورت نے جب دس لاکھ جاپانیوں کی موت کی خبر سنی، تو وہ اپنی جگہ سے بھی نہ ہلی۔ یہ علم ہے۔ مگر اسی عورت نے جب اپنے بیٹے کا گرنا سنا تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کنوئیں کی طرف بھاگنے لگی، یہ ایمان ہے۔ علم یہ ہے کہ آپ نے کسی شخص سے خدا کا نام سن لیا، رسول

Marfat.com

کا نام سن لیا اور قیامت کا نام اور حال سن لیا اور یہ سب کچھ سننے کے بعد آپ عورت کی طرح اپنے نفسانی کاموں میں لگے رہے۔ مگر ایمان یہ ہے کہ جب آپ کو خدا کا حکم سنایا جائے تو آپ بے اختیار ہو جائیں اور سب کچھ چھوڑ کر حکم خدا کی تعمیل کے لئے دوڑنے لگیں۔ ایمان بالرسول یہ ہے کہ آپ حکم خدا سنتے ہی اس طرح اپنے رسول کی طرف دوڑیں کہ آپ کو اور سب کچھ بھول جائے۔ ایمان بالآخرۃ یہ ہے کہ آخرت کی ذمہ داری کا خیال آتے ہی آپ تمام تر گناہوں سے دست بردار ہو جائیں اور نیکی کے کاموں سے لپٹ جائیں۔ ایمان ایسے یقین کو کہتے ہیں جو انسان کو عمل کے لئے اسی طرح بے اختیار کر دے جس طرح کہ وہ عورت اپنے بچے کا کنوئیں میں گرنا سن کر بے اختیار ہوئی تھی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کنوئیں کی طرف نکل بھاگی تھی۔ صحابہ کرام کے ایمان کا حال یہی تھا، وہ اللہ اور رسول کا حکم سنتے ہی جان، مال، اولاد اور آرام سے بے پروا ہو جاتے تھے اور اس طرح دوڑتے تھے کہ انہیں لقمہ چبانے اور جوتہ پہننے کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کو خدا اور رسول کوئی حکم کریں تو تم اس حکم کو سچا یقین کرو، اور اسی کے ساتھ اپنا مال، جان، اولاد اور عزت سب کچھ قربان کر ڈالو مگر تعمیل حکم سے باز نہ آؤ۔ تم ایسا کرنے سے ہمیشہ کی زندگی کے مالک بن سکتے ہو۔ اب یہ دیکھئے، ہماری موجودہ حالت کیا ہے؟ دین کا تمام معاملہ صرف لفظوں کے اندر قید ہو کر رہ گیا ہے۔ مسجدوں میں، وعظوں میں، تلاوتوں میں تسبیح پر صرف لفظوں کا تکرار ہو رہا ہے مگر اس کے بعد عمل کچھ بھی نہیں۔ پھر عمل کے لفظ کو ہم نے نماز روزہ اور ورد و وظیفہ کے اندر بند کر دیا ہے، حالانکہ عمل میں، محنت، مزدوری تجارت، دستکاری، جہاد، خدمت اور تبلیغ سب چیزیں شامل ہیں، مسلمانو! نمازیں بھی پڑھو اور ہاتھ پاؤں سے بھی کام کرو۔ لوگوں سے مانگ کر کھانا، بالکل بیکار بیٹھنا اور پھر اللہ اللہ کرتے رہنا بالکل بے معنی ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے تمام حکموں پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۰۴) (۱) خدا کی عبادت

۸۲- وَ اِذْ اَخَذْ نَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف

اور جب لیا ہم نے اقرار بنی اسرائیل سے نہ ہم عبادت کرینگے مگر اللہ کی

عزیزان اسلام! پہلے یہ بیان ہُوا کہ بنی اسرائیل کو اپنی فرقہ بندی پر بڑا گھمنڈ تھا، وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں، اس واسطے وہ ہمیں صرف چند دن دوزخ میں رکھ کر بہشت کے اندر لے جائیگا۔ خداوند تعالیٰ بنی اسرائیل کی اُس غلط فہمی کو دور کر رہا ہے پہلے یہ کہا کہ جنت کی نعمتوں کو فرقہ دار حقوق کی طرح قوموں میں تقسیم نہیں کیا جائیگا بلکہ یہ چیز سراسر ایمان و عمل پر موقوف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا لکھا یہ ہے کہ جو شخص گناہوں میں گھر جائیگا وہ دوزخی ہے اور جو ایمان اور اعمال نیک کی کسوٹی پر پورا اُترے گا وہ بہشتی ہے۔ آج کی آیت میں یہ بتایا ہے کہ نیک عمل کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوتا ہے کہ نیک عمل تین حصوں میں تقسیم ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے دوم یہ کہ والدین، اقرباء، یتیم و مسکین اور عام پبلک کے حقوق ادا کئے جائیں۔ تیسرے یہ کہ نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ دی جائے۔ خدا کی عبادت اللہ کا حق ہے۔ والدین، اقرباء اور یتیم مسکین کی خدمت، بندوں کا حق ہے اور نماز و زکوٰۃ ایک قومی اور جماعتی ضرورت ہے اور ان تینوں کے مجموعے کا نام عمل صالح ہے۔

عزیزان اسلام! اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پہلا اقرار یہ لیا تھا۔ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ یہ چار لفظوں کا فقرہ، سارے دین اسلام کی جڑ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں جتنے بھی نبی بھیجے ہیں، وہ سب کے سب اسی ایک پیغام کو پہنچانے کے لئے بھیجے گئے۔ سورۂ نحل میں لکھا ہے کہ "ہم نے ہر قوم میں ایک نبی بھیجا جس کا پیغام یہ تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچتے رہو"۔ اللہ کے

سوا ہر وہ شخص یا قوم جو خود حاکم ہونے کا دعوےٰ کرے، طاغوت ہے، اس کا حکم ماننا شرک اور خدا کا حکم ماننا عبادت۔

عزیزانِ اسلام! اس دنیا میں سچائیاں دو نہیں ہیں بلکہ سچائی صرف ایک ہے اور وہ سچائی خدا کی توحید ہے۔ توحید اور عبادت کا فرق سمجھ لیجئے، توحید، عقیدے کا نام ہے اور عبادت، عمل کا نام ہے۔ جب آپ دل سے یقین کرتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ صرف ایک خدا ہے تو اس کا نام ہے توحید کا عقیدہ۔ لیکن جب آپ اُسی ایک خدا کو اپنا ایک بادشاہ تسلیم کرکے عملی طور پر اس کے قوانین پر عمل کرتے ہیں تو یہ عبادت ہے۔ آپ یاد رکھئے کہ تسبیح لے کر صرف زبان سے اللہ اللہ کرنا ہی عبادت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا عبادت ہے۔

عزیزانِ اسلام! کوئی درخت جڑ کے بغیر قائم نہیں ہوتا۔ انسانی زندگی کی جڑ یہ ہے کہ تمام انسان خدا کو اپنا بادشاہ تسلیم کریں، وہ ایک دوسرے کے حاکم نہ بنیں، بلکہ سب مل کر خدا کے حکموں کی پابندی کریں۔ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو سمجھئے کہ وہ کافروں کے طریقے پر عمل کر رہا ہے۔ اسلام کسی شخص کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ بادشاہ بنے اور دوسرے لوگوں کو اپنی رعیت سمجھ کر اُن پر اپنا حکم چلائے یہ طریقہ کافروں کا تھا۔ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں اور بادشاہ اُن سب کا ایک ہے یعنی خدا! سب انسانوں کا ایک جیسا فرض ہے کہ وہ خدا کے حکم کی اطاعت کریں۔ اے عزیزانِ اسلام! آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اسلامی زندگی کا پہلا حرف یہ ہے کہ آپ کا بادشاہ صرف ایک خدا ہے اور آپ کو اسی کے حکموں پر چلنا چاہئے۔ جب آپ نے یہ طے کر لیا تو سمجھو کہ آپ کے دین اور زندگی کی بنیاد قائم ہو گئی۔ اس کے بعد باقی کی ساری چیزیں اسی ایک بنیاد کو مضبوط کرنے والی ہیں۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۰۵) (۲) خاندانی زندگی کے حقوق

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

عزیزانِ اسلام! آپ نئے لفظوں کے معنی یاد کرلیں۔ بِ کے معنی ساتھ۔ وَالِدَيْنِ کے معنی ماں باپ۔ بِالْوَالِدَيْنِ کے معنی ماں باپ سے۔ ذِی الْقُرْبٰی کے معنی رشتہ دار حُسْنًا کے معنی نیک بات، یعنی ماں، باپ، اقرباء اور یتیم و مسکین کے ساتھ نیکی کرو۔

عزیزانِ اسلام! پہلے یہ کہا، لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ جب بندے نے صرف ایک خدا کے بادشاہ ہونے کا اقرار کرلیا تو سمجھو کہ وہ بنیاد قائم ہوگئی جس پر انسانی زندگی کا حق اور عمارت بنائے جائے گی۔ اس کے بعد یہ کہا کہ والدین قریبی رشتہ داروں، یتیم، مسکین اور عام پبلک کے درجہ بدرجہ حقوق ادا کرو۔ یہ خدا کو بادشاہ ماننے کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کی تمام مخلوق کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے۔

عزیزانِ اسلام! خدا کی عبادت کے بعد دوسرا حق یہ ہے کہ ماں باپ پر احسان کیا جائے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص ایک سو روپیہ تنخواہ پاتا ہے اور ستر روپے ماں باپ کو بھیج دیتا ہے اور باقی تیس میں خود اپنے ہاں لطف اور بے پروائی کی زندگی بسر کر رہا ہے، کہا جائے گا کہ اس شخص نے ماں باپ کے ساتھ احسان کا پورا حق ادا نہیں کیا۔ احسان یہ نہیں ہے کہ آپ ماں باپ کو دس پچاس روپے بھیج دیں اور پھر انہیں بھول جائیں۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ کا دل نہایت درجہ کی توجہ کے ساتھ اپنے ماں باپ کی طرف لگا رہے اور کسی وقت بھی آپ کی توجہ اُن سے غیر حاضر نہ ہو، آپ توجہ سے ان کی بات سنیں اور اپنا اسلامی اور انسانی فرض سمجھ کر اُن کا حکم مانیں۔ اُن کی خوشی اور اُن کی تکلیف سے بے قرار ہوں۔ آپ اُن کے وجود کو اپنے لئے برکت اور غنیمت سمجھیں، قلب انسانی کی ایسی ہی توجہ اور جھکاؤ کا نام احسان ہے۔ منشائے الٰہی یہ ہے کہ اولاد کا دل ہر وقت اپنے ماں

باپ پر جھکا رہے، یہ ہے مطلب احسان کا۔

عزیزانِ اسلام! ماں باپ کے بعد، قریبیوں کا حق ہے۔ رشتہ دار بھی آپ کے قریبی ہیں اور ہمسائے بھی۔ حدیث کی کتابیں صلہ رحمی کرنے کے ثوابوں سے بھری پڑی ہیں۔ جو شخص رحم والوں سے اپنا تعلق کاٹتا ہے، خدا کی رحمت سے اس کا تعلق خود بخود کٹ جاتا ہے یہ ضروری ہے کہ رشتہ داری یا جائداد و زمین کے بارے میں رشتہ داروں کے ساتھ جھگڑے ہوں۔ لیکن ان جھگڑوں کی وجہ سے اقرباء کے ساتھ محبت اور مہربانی کے تعلقات کاٹنے نہیں چاہئیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمسایہ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی اس قدر تاکید فرمایا کرتے تھے کہ بعض صحابہ نے خیال کر لیا کہ آپ ہمسایوں کے لئے بھی جائداد میں حصّہ دینے کا حکم صادر فرمائیں گے۔ جب تک ہر ایک شخص اقرباء اور ہمسایوں سے نیک برتاؤ نہ کرے گا، اچھا تمدن کبھی شکل پذیر ہی نہیں ہو سکتا۔

عزیزانِ اسلام! پہلے خدا کی عبادت کے لئے کہا۔ یہ اُس کی خالقیت کا حق تھا، پھر ماں باپ پر احسان کا حکم دیا، یہ اُن کے پالنے پوسنے کا حق تھا۔ پھر اقرباء اور ہمسایوں سے نیک سلوک کا ارشاد فرمایا، یہ اُن کی برادری، برابری اور مساوات کا حق تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یتیم اور مسکین کی خبر گیری کرو۔ یہ گرے ہوئے طبقوں کو اوپر اٹھانے کی کوشش ہے۔ پیغمبرِ اسلام نے ایک دفعہ دو انگلیاں اٹھائیں اور فرمایا، یتیم کو پالنے والا ان دو انگلیوں کی طرح میرا ساتھی ہوگا۔ یتیموں اور مسکینوں کی پرورش کی بہتر صورت یہ ہے کہ طاقت والے لوگ اپنے گھر میں ایک ایک یتیم بچہ یا بچی لے کر اُسے داخل اولاد کریں۔

عزیزانِ اسلام! یہ وہ احکام ہیں جو یہود کو دیئے گئے۔ مگر انہوں نے نافرمانی کی اب یہی احکام آپ کے لئے ہیں۔ آپ ان سب کے حقوق کا احساس کیجئے، کوئی شخص اس کے بغیر اسلام کی نعمت حاصل نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

(۴۳) انسانیت کا حق (۱۰۶) بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور

وَ (اور) قُوْلُوْا (کہو) لِلنَّاسِ (لوگوں سے) حُسْنًا (نیک بات)

عزیزانِ اسلام! آیت کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں سے میٹھے بول بولو۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی نبی آئے ہیں، خدا تعالیٰ نے اُن سب کو ایک جیسی ہدایت سکھائی تھی، آپ نے سکولوں میں دیکھا ہوگا، وہاں جماعتیں اور ماسٹر الگ ہوتے ہیں مگر آخر میں جو سند دی جاتی ہے وہ سب لڑکوں کے لئے ایک ہوتی ہے۔ کام کی سہولت کے لئے سکول کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ جیسی لیاقت لڑکوں کی ہو، اُسی کے مطابق اُن کو تعلیم دی جائے۔ خدا تعالیٰ کے نبیوں کی بات بھی یہی ہے، وہ نسلِ انسانی کے اُستاد ہیں، جس زمانے میں انسانوں کی جیسی لیاقت تھی، اُسی کے مطابق خدا کے نبی انہیں تعلیم بھی دیتے تھے اور سند بھی دیتے تھے۔ جس طرح پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک سب لڑکوں کو حساب پڑھایا جاتا ہے، اُسی طرح نبیوں کی جماعتوں میں بھی سب انسانوں کو اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی۔ توریت میں بنی اسرائیل کے لئے اخلاق کی تعلیم ادھوری تھی۔ قرآن پاک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بالکل پورا کر دیا ہے۔ جن احکام کو ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں جس طرح یہ حکم بنی اسرائیل کیلئے ہیں، اُسی طرح یہ آپ کے لئے بھی ہیں۔

عزیزانِ اسلام! اوپر کی آیت نے آپ کے اخلاقی فرائض کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اوّل حق خدا کا ہے، آپ اُسے اپنا واحد بادشاہ سمجھیں اور اس کے قانون کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ خدا کے اس حق میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ خدا کے بعد بندوں کا حق ہے۔ یہ حق چار حصوں میں تقسیم ہے، جنہیں آیت نے (۱) وَالِدَیْنِ (۲) ذِی الْقُرْبٰی (۳) الیتامیٰ والمساکین (۴) للنّاس کے الفاظ میں بیان کیا

ہے۔ اوّل حق، اپنے سے اونچے سے بزرگوں یعنی والدین کا، اُن سے احسان کرو۔ دوسرا حق قریبیوں اور ہمسایوں یعنی اپنے خاندانی حلقے کا ان کے ساتھ عدل اور محبت کا برتاؤ رکھیں۔ تیسرا حق، یتیم و مسکین یعنی پس ماندہ حلقوں کا، ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کریں چوتھا حق، وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بھی انسان جو اس دنیا میں پیدا ہو گیا ہے، وہ آپ سے بے تعلق نہیں ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یہ ضروری فرض عائد کیا گیا ہے کہ آپ ہر ایک انسان کے ساتھ انسانی برادری کا حق ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ آپ ہر انسان کو نہ کھانا دے سکتے ہیں نہ روپے دے سکتے ہیں۔ اس واسطے صرف یہ کہا، وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً۔ یعنی انسانی برادری کے متعلق تم پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ تم سب انسانوں کے ساتھ میٹھا بول بولو، خوش خلقی سے پیش آؤ، ہنستے ہوئے چہرے سے ملو۔ غور کیجئے، یہ کتنی اچھی اور کیسی فطری تعلیم ہے۔ خدا کا حق، عبادت۔ ماں باپ کا حق احسان۔ اقربا کا حق، نیکی۔ یتیم مسکین کا حق شفقت اور عام پبلک کا حق میٹھا بول اور ہنستے ہوئے چہرے سے ملنا، گویا یہ بھی خدا کی عبادت کا حصہ ہے۔ مگر افسوس کہ امیر لوگ غریبوں سے اچھا نہیں ملتے۔ حاکم، محکوموں کے ساتھ کبر و نفرت روا رکھتے ہیں۔ بعض خاندان، دوسرے خاندانوں کو خواہ مخواہ حقیر سمجھتے ہیں۔ تعلیم یہ ہے کہ کوئی انسان خواہ کتنا بھی غلط کار، مجرم غریب، جاہل اور گداگر وغیرہ ہو، اس کا یہ انسانی حق ہے کہ آپ اُسے اپنا ابنائے جنس سمجھیں اور عزت کے ساتھ پاس بٹھا کر میٹھی زبان میں اسے جو کچھ بھی کہنا ہو کہیں۔ کوئی غلط کار ہو تو اسے بھی اچھی طرح پاس بٹھا کر سمجھائیں، اولاد کو بھی پاس بٹھا کر سمجھائیں، گداگروں کو بھی پاس بٹھا کر نرم زبان سے سمجھائیں۔ مسلمانوں میں ترشی اور تلخی زیادہ ہو گئی ہے انہیں دنیا میں میٹھا بن کر رہنا چاہئے۔

Marfat.com

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا

اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے

مِّنْکُمْ (تم میں) - وَاَنْتُمْ (اور تم رہو) - مُّعْرِضُوْنَ (نافرمان)

عزیزان اسلام! آج ۸۲ ویں آیت پوری ہوگئی - اس آیت میں پہلے یہ کہا کہ ایک خدا کی عبادت کرو کہ یہ انسان کا فطری اور نوعی حق ہے - دوسرے یہ کہ والدین پر احسان کرو، رشتہ داروں اور ہمسایوں سے نیک برتاؤ کرو، یتیم و مسکین کو امداد دو اور ہر انسان کے ساتھ میٹھا بولو اور ہنس کر ملو - یہ سب باتیں انسان کا خاندانی اور مجلسی حق ہیں - اب یہ فرمایا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو، یہ دونوں کام ایسے ہیں جن سے کسی قوم کی جماعتی زندگی کا نظام درست ہوتا ہے - گویا بنی اسرائیل کو آخری حکم یہ دیا گیا کہ تمہارے لئے صرف خدا کی عبادت، خاندانی اور مجلسی زندگی کی درستی، اور پس ماندہ لوگوں کو سہارا دے کر کھڑا کرنا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ تم نماز ادا کر کے ایک جماعت بن جاؤ اور زکوٰۃ ادا کر کے اپنے پاس ایک خزانہ جمع رکھو تاکہ قوم کی سیاسی قوت اور حکومت بھی قائم ہو جائے - غور کیجئے کہ یہ تمام احکام کتنے اچھے تھے مگر آیت کہتی ہے: ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ - صرف چند ہی آدمیوں نے ان حکموں کی تعمیل کی اور باقی سب انکاری ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل پر ایک دفعہ پھر ذلت و خواری کا عذاب برس پڑا - کیوں؟ چونکہ زیادہ نے نافرمانی اور تھوڑوں نے عمل کیا، اس واسطے سب وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ (اور تم سب نافرمان ہو) کی وعید میں آگئے -

عزیزان اسلام! آیت بتاتی ہے کہ سب یہودیوں نے اطاعت حکم سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ زبانی اقرار زیادہ نے کیا اور عمل تھوڑوں نے کیا - آپ یاد رکھئے کہ بدقسمت قوموں

Marfat.com

کی اصل نشانی یہی ہے، کوئی کام کتنا بھی فائدہ مند اور نیک کیوں نہ ہو، اُس پر صرف چند آدمی عمل کرتے ہیں اور باقی سب یا تو مزے سے بستروں پر لیٹے رہتے ہیں یا عمل کرنے والوں کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ رازِ ترقی صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ قوم کے اندر جو بھی قدم اٹھایا جائے، سب لوگ دلی درد کے ساتھ اُس میں شامل ہو جائیں اور اُسے مکمل کر دیں۔ آپ گھڑی کی مثال دیکھئے، اگر گھڑی کا ایک پرزہ کام نہ کرے تو ساری گھڑی بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قوموں کا حال ہے، اگر کسی قومی کام میں ایک شخص بھی رکاوٹ ڈال دے یا خوش دلی سے کام نہ کرے تو پھر اس کام میں عزت اور خوشی باقی نہیں رہ جاتی۔ افسوس کہ آج کل کے عام مسلمانوں نے اس معاملے میں بھی یہود کی چال اختیار کر لی ہے۔ ہمارا کوئی بھائی کتنا بھی نیک کام شروع کرے، صرف چند ہی آدمی اس کا ساتھ دیتے ہیں اور باقی سب لوگ یا تو توجہ ہی نہیں کرتے یا مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ اسی نقص کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کام بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اے عزیزانِ اسلام! آپ ذاتی اور قومی کام کا فرق سمجھیں۔ میں اپنا مکان تعمیر کر رہا ہوں، یہ ذاتی کام ہے، میں سکول کی عمارت بنوا رہا ہوں، یہ قومی کام ہے۔ یہ آپ کا اسلامی فرض ہے اگر آپ کا کوئی بھائی کوئی نیک قومی کام شروع کرے تو آپ سب مل کر اس کی امداد کریں، اس کے کام کو اپنا کام سمجھیں اور محض خدا کے لئے اس کا ہاتھ بٹائیں اور ثواب کا درجہ حاصل کریں۔ اب آپ کے سامنے یہی درس قرآن سنانے کا معاملہ ہے، اگر تمام مسلمان، دوسرے بھائیوں کو اپنے گھر میں درس قرآن سنانے پر مجبور کریں تو ایک دن میں سارا ہندوستان ایک قرآنی سکول بن سکتا ہے۔ مسلمانو! آؤ، قرآن کی خدمت کریں اور اپنے بھائیوں میں ہدایت پھیلائیں۔ ہماری ترقی اور نجات کا اصلی راستہ یہی ہے۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۰۸) (۵) نفاق باہمی سے بچنے کا عہد

۸۳- وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ

اور جب لیا ہم نے اقرار تمہارا نہ تم بہاؤ گے خون اپنے

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ

اور نہ تم نکالو گے جانوں کو اپنی گھروں میں سے اپنے پھر اقرار کیا تم نے اور تم سب گواہ ہو

(ترجمہ) اے بنی اسرائیل! ہم نے تم سے یہ بھی اقرار لیا تھا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ اپنے آدمیوں کو گھروں سے نکالنا اور تم گواہ ہو کہ تم نے یہ اقرار کر لیا تھا

عزیزان اسلام! یہودیوں کے بہت سے قبیلے تھے جو صدہا سال تک فرعون کی غلامی میں پڑے رہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اُن میں اتفاق نہیں تھا، فرعون کے افسر انہیں آپس میں لڑائے رکھتے تھے اور خود بے فکر ہو کر مزے کی زندگی گذارتے تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُن کی رہنمائی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بنی اسرائیل کے باہمی نفاق کو مٹا کر انہیں ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا اور ان کا قومی اتفاق قائم رکھنے کے لئے یہ حکم دیا، اے قوم! خدا سے اقرار کرو کہ تمہارا کوئی قبیلہ دوسرے قبیلے کے آدمی کو قتل نہیں کرے گا، نہ کوئی قبیلہ دوسرے قبیلے پر چڑھائی کر کے اُسے گھر سے نکالے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ قانون جاری کر کے بنی اسرائیل کی آپس کی لڑائیاں بند کرا دیں، اُن کی اندرونی طاقتیں محفوظ کر دیں اور وہ دشمن لوگ جو بنی اسرائیل کی آپس کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھاتے تھے، انہیں پیچھے ہٹا دیا اور بنی اسرائیل کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو گئی۔

عزیزان اسلام! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کہا تھا مگر افسوس کہ ہم آج اپنا اقرار بھول گئے ہیں۔ آپ کی تعداد نو کروڑ ہے مگر نا اتفاقی اور دھڑہ بندی کے باعث

Marfat.com

آپ کی زبردست طاقت کمزور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کے جان، مال اور عزت کو دوسرے مسلمان پر حرام ٹھیرایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ میرا اُمتی وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے بھائی کو نقصان نہ پہنچے آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص مسلمان کو گالی دے، وہ فاسق ہے اور جو شخص مسلمان کو قتل کرے، وہ کافر ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی مثال آپس میں ایسی ہے جیسے ایک دیوار کی اینٹیں جو ایک دوسرے کو مضبوط رکھتی ہیں۔ رسولؐ اللہ کے یہ سارے احکام اس لئے تھے تاکہ سب مسلمان بھائی بھائی بن کر دنیا میں باعزت زندگی بسر کریں۔ اے مسلمانو! رسولؐ اللہ کے ان احکام کی رُو سے تم کو آپس میں ایک دوسرے کا درد ہونا چاہئے، تم کو ایک دوسرے سے مل کر رہنا چاہئے، ایک دوسرے کے کام میں امداد دینی چاہئے۔ اگر آپ کا نفس کسی دوسرے مسلمان کی مخالفت کے لئے تیار ہو تو آپ کو خود اپنے آپ کو سمجھانا چاہئے اور اپنے مسلمان بھائی کے متعلق درگزر سے کام لینا چاہئے تاکہ آپ کی قوم میں دھڑہ بندی اور نا اتفاقی کی ترقی نہ ہو۔ نا اتفاقی کا بڑا سبب سیاسی اور مذہبی فرقہ بندیاں ہیں الیکشن کی وبا نے گھر گھر میں نا اتفاقی پھیلا رکھی ہے۔ اسی طرح حنفی، وہابی، دیوبندی اور بریلوی جھگڑوں نے۔ وقت آگیا ہے کہ آپ ان جھگڑوں کی بے حقیقتی کو سمجھ کر کسی طرح ان سے نکلنے کی کوشش کریں۔ مسلمانو! ہر قسم کے لڑائی جھگڑوں، نا اتفاقیوں اور زیادتیوں سے باز آجاؤ اور رسولؐ اللہ کے اقرار کو پورا کرو اور اچھی طرح سن لو، تمہارے لئے عزت اور بھلائی کی راہ یہی ہے کہ تم اتفاق و اتحاد سے ایک جسم اور ایک جان بن کر رہو۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو ناحق نقصان نہ پہنچائے، کوئی مسلمان غیر طاقتوں کا آلہ کار بن کر نہ کسی مسلمان پر حملہ آور ہو، نہ اسلامی خاندان پر اور نہ اسلامی ملک پر۔ اگر تمہارا بھائی ناحق پر ہو تو تم اسے انصاف پر قائم کرو۔ یہ بھی اس کی صحیح امداد ہے۔

Marfat.com

۸۴۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا

پھر تم وہی ہو قتل کرتے ہو شخصوں کو اپنے اور نکالتے ہو ایک گروہ کو

مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اپنے گھروں سے ان کے زیادتی کرتے ہو اُن پر ساتھ گناہ اور ظلم کے

عزیزانِ اسلام! توریت کا حکم تھا کہ بنی اسرائیل کے قبیلے نہ ایک دوسرے کو قتل کریں اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالیں۔ مگر بنی اسرائیل کا عمل یہ تھا کہ وہ آپس میں خوب سینہ زوریاں دکھاتے تھے، ہر شخص اور ہر قبیلہ یہ ظاہر کرتا تھا کہ سینہ زوری میں کوئی ہم سے بڑا نہیں اور ہماری چوٹ کا کوئی جواب نہیں دے سکتا، وہ اپنی شیخی اور گھمنڈ کی وجہ سے ایک دوسرے کی بے قدری کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھتے تھے اور سینہ زوری کے ساتھ چڑھائی کرکے ایک دوسرے کو قتل بھی کروا لیتے تھے اور گھروں سے بھی نکال دیتے تھے۔ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت دکھانے کے لئے ظالم اور بدکار کا لباس پہن لیتے تھے

عزیزانِ اسلام! پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عہد لیا، لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ تم اپنی جانوں کو گھروں سے نہ نکالنا۔ آج کی آیت میں بتایا، اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ، تم وہی ہو جو اپنی جانوں کو قتل کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ جو شخص اپنے بھائیوں کو گھر سے نکالے یا قتل کرے، وہ درحقیقت اپنے آپ ہی کو قتل کر رہا ہے۔ بھائی کا قتل اور اخراج یہی ہے کہ کسی غیر کی فوج میں بھرتی ہو کر مسلمان کو قتل کیا جائے یا غلام بنایا جائے اب آپ بھی اپنی جگہ پر غور کیجئے۔ آپ میں کتنے آدمی رسول اللہ کے اقرارِ اخوت پر قائم ہیں۔ قرآن کا حکم یہ تھا کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ مگر آپ کا عمل یہ ہے کہ مسلمان

Marfat.com

ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ آج مسلمانوں کو غیروں کے ہاتھ سے پناہ مل جاتی ہے مگر مسلمانوں کے ہاتھ سے نہیں ملتی۔ آپ خود ہی غور فرمائیے کہ وہ لوگ کون تھے جنہوں نے بغداد پر حملہ کیا، جنہوں نے عربوں کو قتل کیا، جنہوں نے ترکوں کے سینے پر گولیاں چلائیں۔ آپ برطانیہ، اٹلی، فرانس، ہسپانیہ کسی بھی ملک میں چلے جائیے، آپ عیسائیوں کی لڑائی میں دونوں طرف مسلمانوں ہی کو تلواریں اٹھائے ایک دوسرے کو قتل کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ ہماری اسلام دشمنی کی حد ہو گئی ہے۔ آج مسلمان اپنی تلوار سے مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں اور کفار کو بچا رہے ہیں۔ یہودی تو صرف آپس کے جھگڑوں میں ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور گھروں سے نکالتے تھے مگر ہم اُن سے بھی سینکڑوں میل آگے نکل گئے ہیں۔ ہم کفار کی حمایت میں مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور گھروں سے نکالتے ہیں، آپ خود ہی یاد کریں، کتنے ملک ایسے ہیں جنہیں خود آپ نے مسلمانوں سے خالی کرالیا ہے اور کفار کے حوالے کر دیا ہے۔

خیر، وہ تو بڑی جنگ تھی، یہاں الیکشنوں کی چھوٹی جنگ دیکھ لیجئے۔ کانگرس اور لیگ کے مقابلے میں دونوں طرف مسلمان سپاہی سینے تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کر دینے کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ قرآن نے یہودیوں پر الزام لگایا تھا کہ وہ قتل کرتے تھے تو ایک دوسرے کو۔ گھروں سے نکالتے تھے تو ایک دوسرے کو۔ اپنی پہلوانی اور سینہ زوری کا مظاہرہ کرتے تھے تو ایک دوسرے کے خلاف۔ مگر آج ہماری حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ آج مسلمان کفار کے جھنڈے تلے ایک دوسرے کو قتل کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہم غازی ہیں۔ مسلمان، کفار کو جگہ دینے کے لئے مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہم طاقتور ہیں۔ ہم مہذب اور رحیم ہیں صرف دوسروں کے لئے۔ لیکن اگر کسی مسلمان بھائی کا معاملہ ہو تو ہم دھوکا دینے اور جھگڑا ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔

اے خدا! ہماری حالت پر رحم فرما۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۰) (۷) بعدِ قتل ہمدردی

وَ اِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ

اور اگر وہ آئیں تمہارے پاس قید ہوکر تم فدیہ دیتے ہو اُن کا اور وہ تھا حرام

عَلَیْكُمْ (تم پر)۔ اِخْرَاجُ (نکالنا)۔ هُمْ (اُن کا)۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے نکالے ہوئے آدمی قیدی بن کر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیتے ہو۔ حالانکہ یہی بات حرام تھی کہ تم پہلے دن اُن کو اپنے گھروں سے نکالو۔

عزیزانِ اسلام! یہودیوں کا عمل یہ تھا کہ وہ اپنی طاقت دکھانے کے لئے دھڑہ بندیاں کرکے اپنی قوم کے کمزوروں کو ملک سے نکال دیتے تھے۔ پھر جب یہی لوگ اپنے ملک سے نکل کر دشمنوں کا شکار ہو جاتے تو چندے جمع کرکے انہیں چھڑا لیتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی سینہ زوری اور گھمنڈ حد کو پہنچ چکا تھا، وہ جانتے تھے کہ جس گروہ کو گھروں سے نکالا جا رہا ہے وہ دشمنوں کا شکار ہوگا اور پھر قومی عزت کے لئے ان گرفتار شدوں کو معاوضہ دے کر چھڑانا پڑے گا مگر اس کے باوجود وہ محض اپنی طاقت دکھانے اور کمزور کو زیر کر ڈالنے کے لئے دوسروں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ گویا انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اپنا گھمنڈ جتانا اور کمزور کو نیچا دکھانا ضروری ہے، خواہ بعد میں پاس سے روپیہ خرچ کرکے اپنے ظلم کی تلافی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ یہ آپس کی ضد کا نتیجہ تھا۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ ایک یہودی کے سامنے دوسرا یہودی گردن اونچی کرے، وہ اس کی گردن جھکاتے تھے تاکہ ایک دفعہ اپنی ضد پوری کریں۔ جب یہ ضد پوری ہو جاتی تھی تو پھر وہ چندہ کرکے خود ہی انہیں چھڑالاتے تھے۔

عزیزانِ اسلام! اب آپ اپنا حال دیکھیں، یہودی آپس کی ضد میں ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے، مسلمان بھی آپس کی ضد میں ایک دوسرے کے قتل سے دریغ نہیں کرتے۔

Marfat.com

اور اس سے زیادہ یہ ہے کہ اگر انگریز یا اطالوی آپ کو دعوت دیں کہ مسلمانوں کے قتل میں ہمارا ہاتھ بٹائیے تو آپ نہایت خوشی سے اس دعوت کو قبول کرتے ہیں اور دشمنانِ اسلام کی صف میں کھڑے ہو کر قتلِ مومن سے ذرا دریغ نہیں فرماتے بلکہ آپ دشمن کو پیچھے رکھتے ہیں اور خود آگے ہو کر جان دیتے ہیں۔ یہ بے غیرتی کی حد ہے کہ جب آپ اپنے دونوں ہاتھوں سے حاملانِ قرآن کو قتل کرتے ہیں تو اس وقت بھی آپکی بغل میں قرآن اور زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہوتا ہے

عزیزانِ اسلام! یہودی لوگ اپنی قوم والوں کو آپس کی ضد میں گھروں سے نکالتے تھے اب آپ نے اس سنت کو بھی مکمل کر دیا ہے۔ آپ ساہوکاروں کے گواہ بنتے ہیں اور مظلوم مسلمانوں کے خلاف ڈگریاں لا کر انہیں گھروں سے بے دخل کراتے ہیں۔ آپ حنفی یا وہابی بن جاتے ہیں اور مسلمانوں کو مسجدوں تک سے نکال دیتے ہیں۔ آپ مسلمانوں کی شکایتیں کرتے ہیں اور انہیں اُن کی ملازمتوں سے برخاست کراتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان آپکے پنجے میں پھنس جائے تو آپ موت تک اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتے، اس کی آئندہ نسل تک کو معاف نہیں کرتے۔ اگر کوئی یورپین قوم اشارہ کر دے کہ فلاں اسلامی قوم کو گھروں سے نکال دینا چاہئے تو آپ سب سے پہلے اس ظالمانہ دعوت کو لبیک کہتے ہیں۔ غور کیجئے، کتنے اسلامی ممالک ایسے ہیں جن کے رہنے والوں کو خود مسلمانوں نے ان کے گھروں اور ملکوں سے بے دخل کر دیا ہے۔

عزیزانِ اسلام! آیت بتاتی ہے کہ یہودی قبائل جن لوگوں کو اپنے گھروں سے نکالتے تھے۔ جب وہ دشمنوں کے ہاتھوں میں پھنس جاتے تھے تو پھر چندے جمع کر کے انہیں چھڑاتے تھے۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کا حال بھی یہی ہے۔ آپ نے ترکوں کو مارا اور جب وہ تڑپنے لگے تو پھر چندے جمع کئے۔ آپ نے عراق اور فلسطین پر چرکے لگائے۔ جب یہ بھی تڑپے تو اب اُن کے لئے بھی آپ چندے جمع کر رہے ہیں۔ مسلمانو! خدا سے ڈرو، مسلمانوں کو ستانے کے بعد اُن کی ہمدردی کا شور بے معنی ہے۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۱) (۸) دکھاوے کی دینداری

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ؕ

کیا پھر تم مانتے ہو کچھ حصّہ کتاب اور نہیں مانتے دوسرا حصّہ

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہود اصل میں خدا کی کتاب کو نہیں مانتے تھے بلکہ اپنی خود غرضیوں کے پیچھے چلتے تھے۔ اگر کوئی حکم غرض کے مطابق ہوتا تو اس کو مان لیتے اور اگر خواہش نفس کے خلاف ہوتا تو اس سے انکاری ہو جاتے۔ کتاب کے ایک حصے کو ماننے اور دوسرے کو نہ ماننے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ دین کے اصولوں کو چھوڑ بیٹھے تھے اور دین کی ظاہری رسموں کو پکڑے ہوئے تھے۔ وہ ایسے حکموں کو نہیں مانتے تھے جن میں کچھ تکلیف ہو، کچھ قربانی ہو، کچھ کھونا پڑے، کچھ جان، مال اور اولاد کو نقصان پہنچے اور جن سے آرام و راحت میں خلل ہو۔ لیکن وہ ایسے حکموں کو مانتے تھے جن میں کوئی شیخی کی بات ہو، اپنی بڑائی اور دکھاوے کی بات ہو، جو صرف زبانی جمع خرچ تک محدود ہوں، جن کی مصلے پر بیٹھے بیٹھے تکمیل ہو جائے، جو ہر قسم کے خطرے سے خالی ہوں۔ یہود کی اسی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا دین صرف دکھاوا، رسم اور نمائش بن گیا اور دین کے وہ اصلی اصول جن کی وجہ سے بنی اسرائیل کو تاج خلافت دیا گیا تھا، بالکل مٹ گئے۔

عزیزان اسلام! آج مسلمانوں کی حالت بھی یہی ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا، لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ۔ یعنی اسلام میں کچھ باقی نہ رہ جائیگا مگر صرف نام اور قرآن میں کچھ باقی نہ رہ جائیگا مگر صرف دکھاوا۔ مطلب یہ کہ دین کی حقیقت مٹ جائے گی اور رسم باقی رہ جائے گی۔ مسلمان ایثار و قربانی والے حکموں کو چھوڑ دیں گے اور ورد، وظیفے اور تعویذ دھاگے جیسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے اور ان ہی کو دین کا اصل اصول بنا دیں گے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت یہی ہے،

Marfat.com

وہ اپنے فائدوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ ورثوں کی تقسیم میں اگر رواج کی پابندی سے مطلب نکلتا ہو تو عدالت میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم رواج کے پابند ہیں۔ اگر شریعت سے مطلب نکلتا ہو تو عدالت میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم شریعت کے پابند ہیں۔ قادیانیوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ جہاد موقوف ہو گیا۔ ممکن ہے کہ کل ہی کوئی دوسری جماعت زکوٰۃ کو جواب دے دے، پیغمبر اسلام کے زمانے میں منافقین کی یہی حالت تھی۔ جب جہاد آتا تھا تو وہ بھاگ جاتے تھے مگر جب مال غنیمت آتا تھا تو وہ جھولیاں بچھا دیتے تھے۔ اب بھی ہزارہا مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ اگر قربانی کرنا ہو تو وہ بھاگ جاتے ہیں۔ اگر ممبری لینا ہو تو سامنے آجاتے ہیں۔ آپ نے جلسوں میں دیکھا ہوگا۔ تقریروں کے وقت سب موجود ہوتے ہیں لیکن اگر اذان ہو تو سب بھاگ جاتے ہیں۔ جب وعظ ہو رہے ہوں تو سوتے رہتے ہیں، جب نیاز بٹنے لگے تو اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ یہ ساری خرابیاں اس لئے ہیں کہ مسلمانوں کا اللہ اور اس کے رسول پر حقیقی طور سے ایمان باقی نہیں رہا۔ ہم نے دین کو دنیا طلبی کی آڑ بنا لیا ہے، اگر خواہش کے موافق حکم ہو تو ہم اس پر لٹو ہو جاتے ہیں، اگر خواہش کے خلاف ہو تو ہم اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم نے دین کی اصولی تعلیم کو ترک کر دیا ہے اور فروعی جھگڑوں کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ بڑے بڑے عالموں اور پیروں کی حالت یہ ہے کہ وہ دھڑلے سے لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہیں مگر جب زکوٰۃ کا مہینہ آجائے تو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہاں کوئی دیندار عالم موجود ہے۔ یہ لوگ وظیفوں کے لئے ہر وقت کمربستہ ہیں لیکن اگر دین کے لئے کچھ کھونا اور چھوڑنا پڑے تو لمبی تان کر سو جاتے ہیں۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ یہودی کتاب کے بعض حصے کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے صحابہ کرام کی یہ حالت نہیں تھی۔ وہ نماز میں بھی آگے تھے اور جہاد میں بھی آگے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے چند ہی سالوں میں تمام دنیا کی کایا پلٹ دی۔

Marfat.com

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي
پس نہیں بدلہ جو کرے گا یہ کام تم میں سے سوائے ذلت بیچ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط
زندگی دنیا کے، اور قیامت کے دن وہ پھیرے جائینگے طرف بہت سخت عذاب کے
وَمَا اللّٰهُ (اور نہیں اللہ) بِغَافِلٍ (بے خبر) عَمَّا (اس سے جو) تَعْمَلُوْنَ (تم کرتے ہو)

عزیزان اسلام! اس آیت کا مطلب سمجھ لیں۔ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو چند احکام دیئے تھے۔ مثلاً خدا کی عبادت کرو۔ والدین، رشتہ دار، ہمسایہ اور یتیم و مسکین کے حقوق سے غافل نہ رہو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اپنے بھائیوں پر تلوار نہ چلاؤ اور انہیں گھر سے نہ نکالو۔ بنی اسرائیل نے ان احکام کو اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کا ذریعہ بنا لیا جس سے بنی اسرائیل کی دنیا برباد ہوگئی مگر اس کے باوجود وہ زبان سے یہی دعوے کرتے رہتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں، ہم خدا کے پیارے ہیں اور ہمارے سوا کوئی نہیں جو جنت میں جا سکے۔ آج کی آیت میں خدا تعالیٰ اُن کو فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنی نفسانی خواہشات کے ماتحت کتاب کے بعض حصوں کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، اُن کی جزا بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ دنیا کی زندگی میں بھی خوار ہوں گے اور آخرت میں بھی عذاب سخت کی طرف لوٹائے جائیں گے، کیونکہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو، اللہ اس سے غافل نہیں ہے، وہ ضرور تمہیں عملوں کی سزا دے گا۔

عزیزان اسلام! آپ اس بات کو ایک دفعہ پھر سمجھئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین سر سے پاؤں تک سچا تھا مگر اس دین کے ماننے والوں کا طریق یہ تھا کہ جن حکموں میں کوئی فائدہ، ذاتی غرض یا آسانی ہوتی تھی، وہ انہیں مان لیتے تھے اور جن میں قربانی

Marfat.com

تکلیف اور نفس وخواہش کی مخالفت ہوتی ہے، وہ انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہودیوں کے اس عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی دنیا اور آخرت برباد ہوگئی مگر یہودی لوگ آخر تک اِسی غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ چونکہ ہم دین کے ظاہری حکموں پر عمل کر رہے ہیں اس واسطے ہمارے سوائے کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہودیوں کی اِسی غلط فہمی کا جواب دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ جو ذلّت تمہاری دنیا میں ہے، وہی آخرت میں ہوگی۔ اس سے صاف نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی قوم دین کے صرف اُس حصہ پر جو زبان یا رسم سے تعلق رکھتا ہے، عمل کر کے یہ دعویٰ کرے کہ ہم جنتی ہوں تو اس کا یہ دعویٰ غلط ہوگا اس کی نہ دنیا درست ہوسکتی ہے اور نہ آخرت خدا کا قانون یہ ہے کہ سارے دین پر عمل کرو، پھر تم کو دنیا بھی ملیگی اور آخرت بھی۔ بہت سے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے یہ دنیا، کافروں کو دے دی ہے اور دوسری دنیا ہم کو دے دی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس نے تو سب انسانوں کو ایک ہدایت نامہ دیا ہے، جو اس پر پورا عمل کرے گا، وہ دونوں جہانوں کا وارث ہوگا۔ آج کے مولوی، اسلام کے رسمی یا زبان ہلانے والے حکموں پر خوب عمل کر رہے ہیں، وہ نمازیں پڑھتے ہیں، ڈاڑھی رکھتے ہیں، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنتے ہیں، قرآن کی منزل اور ختم درود پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جنت کے ٹھیکیدار بن گئے۔ حالانکہ انہی لوگوں نے دین کا زبانی والا حصہ بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ وہ پوری زکوٰۃ نہیں دیتے، جہاد نہیں کرتے، سچ نہیں بولتے وغیرہ وغیرہ۔ خدا یہ کہتا ہے کہ پورے دین پر عمل کئے بغیر تم کو نہ دنیا مل سکتی ہے اور نہ آخرت۔ آج دنیا کے ہر ایک حصہ میں جہاں مسلمان اور غیر مسلم ساتھ ساتھ آباد ہیں مسلمان، غیر مسلموں سے تعلیم، دولت، وغیرہ میں پیچھے ہیں، اس کا سبب بھی صرف یہ ہے کہ وہ دین کی زبان ہلانے والی باتیں تو کر لیتے ہیں مگر محنت، مشقت اور ذمہ داری والی باتیں نہیں کرتے

Marfat.com

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۳) دنیا کو آخرت پر ترجیح

۸۶۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ ز فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ع

یہ سب ہیں جنہوں نے خریدی زندگی دنیا کی بدلے آخرت کے پس نہیں کم ہوگا اُن سے عذاب اور نہ وہ سب مدد دیئے جائیں گے

عزیزانِ اسلام! پہلے بتایا گیا ہے کہ احکام دین کے دو حصے تھے۔ ایک ظاہری یا بے تکلیف حصہ اور دوسرا اصولی یا جانی اور مالی جہاد والا حصہ۔ یہودیوں نے ظاہری رسموں، دکھاوے کی باتوں اور بے تکلیف حکموں پر عمل کر لیا اور جانی اور مالی تکلیف والے حصے کو چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی دنیا بھی برباد ہوگئی اور آخرت بھی۔ اب آج کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اصل غلطی کیا تھی جس سے یہودیوں کے دونوں جہان برباد ہوئے؟ خدا کہتا ہے کہ یہودیوں کا دراصل آخرت پر ایمان ہی نہیں تھا۔ دنیا کی محبت ان کے دلوں کو کھا چکی تھی اور وہ موت کے بعد کی زندگی سے بے پروا ہوکر دنیوی لذتوں اور نعمتوں پرست ہو گئے تھے، اس لئے دینی معاملات میں بھی وہ دنیوی فائدوں ہی کے پیچھے چلتے تھے۔ اُن کا مقصود یہ تھا کہ دنیا ملے اور اس کیلئے وہ دینی حکموں کو آڑ بنا لیتے تھے۔ آج کی آیت میں یہودیوں کی اسی چال ڈھال کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ آیت بتاتی ہے کہ ایسے لوگ جو دنیا کی لذتوں اور راحتوں کو آخرت کے بدلے خریدیں، نہ کبھی اُن کا عذاب گھٹے گا اور نہ انہیں پناہ دی جائے گی۔

عزیزانِ اسلام! اہل یورپ اور بنی اسرائیل کا مقابلہ کیجئے۔ دونوں کے سامنے مقصد یہ ہے کہ دنیا حاصل ہو مگر راہیں الگ الگ ہیں۔ یہودی لوگ دکھاوے، دنیا کاری اور آرام و آسائش کے پیچھے لگ گئے مگر اہل یورپ جہاد، قربانی اور محنت و ہمت کے راستے

Marfat.com

پر دوڑے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں کی حکومت مٹ گئی اور اہل یورپ کی حکومت قائم ہو گئی اب دونوں کے اتفاق کا پہلو دیکھئے۔ موت کے بعد کی زندگی سے دونوں غافل ہیں اور اسی لئے اہل یورپ ہر قیمت پر حصول دنیا کے لئے تیار رہتے ہیں، وہ ظلم کرتے ہیں، بے گناہوں کا خون گراتے ہیں اور طرح طرح کی مکاریوں سے پسماندہ قوموں کو لوٹتے ہیں، اس پالیسی سے انہیں دنیا تو حاصل ہو گئی مگر اُن سے عذاب کم ہوا اور نہ انہیں پناہ مل سکی۔ آپ جنگ یورپ کو دیکھئے۔ یورپ والوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی ہر نعمت، لذت، طاقت اور سامان خرید لیا ہے مگر پھر بھی عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی بمباریوں سے درندوں کی طرح غاروں کے اندر چھپ چھپ کر وقت پورا کر رہے ہیں اور اُن کا یہی حشر موت کے بعد بھی ہو گا۔

عزیزانِ اسلام! اب آپ کے سامنے تینوں راستے صاف ہو گئے۔ یہود کی راہ یہ ہے کہ دنیا طلب کرو اور جہاد سے دُور بھاگو۔ اہل یورپ کی راہ یہ ہے کہ جہاد اور قربانی سے دنیا طلب کرو مگر ظلم و فریب سے بھی دریغ نہ رکھو۔ دونوں جگہ اس پالیسی کا نتیجہ دنیا کی تباہی اور آخرت کی بربادی ہے۔ اسلام کی راہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کے فائدوں کو سامنے رکھو۔ کوشش کرو مگر ظلم و فریب سے بچو۔ اس پالیسی کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی آبادی ہے۔ دعا کرو، اے اللہ! ہم کو جہاد و قربانی کی توفیق عطا فرما، ہم کو دنیا میں عزت اور آخرت میں سرخروئی عنایت کر۔ تاکہ ہم دنیا والوں کے لئے ایک مثال بن جائیں۔ پیغمبر اسلام نے صرف وظیفوں اور دعاؤں سے دنیا کو فتح نہیں کیا تھا، بلکہ اپنی عملی مثال سے فتح کیا تھا۔ آج دنیا پھر برباد ہو رہی ہے، صرف اس لئے کہ اس کے سامنے کوئی عملی مثال نہیں ہے۔ مسلمانو! تم حکم قرآن اور نمونہ رسول ؐ کی پیروی کر کے دنیا کو نجات کا راستہ دکھاؤ اور اسلام کا حق ادا کرو۔

Marfat.com

۸۷۔ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ
اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور لگاتار بھیجے بعد
بِالرُّسُلِ ز وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ
اسکے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو نشانات اور
اَیَّدْ نٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ
قوت دی ہم نے اسکو ساتھ روح پاک کے، پھر جب کبھی لایا تمہارے پاس
رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ ج
کوئی رسول جو نہ چاہا دلوں نے تمہارے، غرور کرنے لگے تم،
فَ فَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝
پس بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم مار ڈالتے

مطلب یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ کو کتاب دے کر بھیجا، پھر ان کے بعد لگاتار رسول بھیجے، اور حضرت عیسیٰ کو صریح معجزات اور روح پاک کی قوت دے کر بھیجا، جب بھی کوئی رسول تمہارے خلاف منشاء کوئی حکم لاتا تم تکبر کرنے لگتے، پھر یا تو انہیں جھٹلا دیتے اور یا مار ڈالتے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا کا پیغام لانے والے نبیوں کے ساتھ بنی اسرائیل کا کیا سلوک تھا؟

عزیزان اسلام! اللہ تعالیٰ جن پاک بندوں کی اصلاح عالم کے لئے کھڑا کرتا ہے وہ نوع انسان کے بڑے ہی ہمدرد اور خیر خواہ ہوتے ہیں اور سچ بات کہنے سے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ کوئی ذاتی فائدہ اٹھائیں بلکہ وہ خود تکلیفیں اٹھاتے ہیں، لوگوں کے طعن سنتے ہیں، اپنے جسم اور جان کو بے آرامی میں ڈالتے ہیں۔ صرف اس

Marfat.com

لئے تاکہ بے سمجھوں کو سمجھ آئے اور بھولے ہوئے لوگ سچ کے راستے پر چل کر دونو جہانوں میں سرخرو اور شادکام ہو جائیں۔ لیکن یہودی لوگوں کو دنیا کی محبت نے اندھا کر دیا تھا اس لئے جب کوئی خدا کا بندہ انہیں فرقہ بندی سے روکتا، یا اُن کی دنیوی خواہش اور فائدے کے خلاف کوئی درستی کی بات کہتا تھا تو وہ فرعون بن کر خدا کے نیک بندے کی سخت بے قدری کرتے تھے، اُسے جھٹلاتے تھے اور جان لینے پر تیار ہو جاتے تھے۔

عزیزانِ اسلام! نبی کی ناقدری کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اُس کے احکام کی اطاعت نہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ اس کی ذات یا اس کی جماعت اور مشن کو نقصان پہنچانا، تیسرے یہ کہ جھوٹے لوگوں کے پیچھے لگ جانا۔ افسوس ہے کہ یہ سب باتیں اب مسلمانوں میں پیدا ہو رہی ہیں۔ کیا ہم سچوں کے دشمن اور جھوٹوں کے دوست نہیں؟ جو شخص ہمارے ساتھ منافقت کرے ہم اس کی قدر کرتے ہیں مگر جو شخص ہم کو صفائی کے ساتھ سچ بات کہہ دے، ہم اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ہم دینِ اسلام کی بے قدری اس طرح کرتے ہیں کہ سینکڑوں دینی حکم سنتے ہیں مگر ان پر پوری طرح عمل نہیں کرتے۔ مثلاً ہم جھوٹ بولتے ہیں، ہمسایوں کو دکھ دینے سے اور جھوٹی گواہی اور فریب کاری سے باز نہیں آتے، پھر نماز ہم نہیں پڑھتے، زکوٰۃ ہم نہیں دیتے، اپنے بھائی کی عزت ہم نہیں کرتے۔ کیا یہ دینِ رسول کی بے قدری نہیں ہے؟ دینِ حق کے بعد ہم ان لوگوں کی بھی بے قدری کر رہے ہیں جو ہم کو پابندیٔ اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کو لڑانے والے مولویوں کے قدردان ہیں، ہم بے شرع پیروں، فقیروں باتونی واعظوں اور سبز باغ دکھانے والے بے عمل لیڈروں کے پیچھے لگ جاتے ہیں لیکن اگر کوئی بندۂ خدا حق بات کہہ دے اور دین کا حکم سنائے تو ہم اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ مسلمانو! سچے رہنماؤں کو پہچانو اور ان کی قدر کرو اور منافقوں سے بچو۔ زندگی کا راز یہی ہے

Marfat.com

۸۸۔ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

اور انہوں نے کہا دل ہمارے غلاف (میں ہیں)، نہیں لعنت کی ہے اُن پر اللہ نے

بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

بوجہ انکار ان کے پس تھوڑے (ہیں) جو ایمان لاتے ہیں

عزیزانِ اسلام! خدا تعالیٰ نے اس آیت میں مذہب کے ماننے والوں کو ایک بڑی ہی مہلک غلطی سے بچایا ہے۔ یہودیوں کو اس بات پر بڑا فخر تھا کہ ہمارا عقیدہ بہت ہی پکا ہے۔ پکے عقیدے کی اصل پہچان تو یہ تھی کہ وہ خدا کے حکموں پر عمل کرتے اور ایک ذرا سے حکم کو بھی نہ توڑتے۔ مگر یہودیوں کے عقائد کی پختگی صرف یہ تھی کہ وہ کسی دوسرے شخص کی بات تک نہیں سنتے تھے اور حد یہ ہے کہ وہ سچی بات بھی نہیں سنتے تھے اور ماننے والی بات بھی نہیں مانتے تھے۔ یہ یہودیوں کے عقائد کی پختگی نہیں تھی بلکہ اُن کی ضد تھی، اُن کے دل کا اندھا ہو جانا تھا اور ان کے کفر کی سختی اور سنگدلی کا نتیجہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے آج کی آیت میں انکی اسی غلطی کا پردہ فاش کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے سامنے کوئی بھلی اور سچی بات کہتے ہیں تو وہ بات پر غور نہیں کرتے صرف سنگدل بن کر یہ کہہ دیتے ہیں، اے نبی! آپ ہمیں کیا سناتے ہیں؟ ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہم پر آپ کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ خدا انہیں جواب دیتا ہے کہ اصل بات کو یہودی لوگ سمجھے نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انکارِ حق کی وجہ سے اُن پر خدا کی پھٹکار برس چکی ہے اور اب اُن میں کلامِ حق سننے اور اس سے متاثر ہونے کی قابلیت ہی نہیں رہی۔ اس لئے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ حق بات سنیں، اور قبول کریں۔

Marfat.com

عزیزان اسلام! افسوس کہ آج فرقہ بندیوں کے باعث مسلمانوں کا حال بھی کچھ اسی قسم کا ہو رہا ہے۔ ہمارے بہت سے مذہبی اور سیاسی فرقے اپنے تعصب میں اس قدر اندھے ہو رہے ہیں کہ انہوں نے خدا اور رسولؐ کے پیغام کو بھی فرقہ بندیوں کا غلاف پہنا دیا ہے۔ حنفی یہ کہتے ہیں، قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ہم دوسرے فرقوں کی بات کیوں سنیں۔ شیعہ کہتے ہیں، قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ہم دوسرے فرقوں کے دلائل سے متاثر نہیں ہو سکتے؛ احراری کہتے ہیں، قُلُوْبُنَا غُلْفٌ مسلم لیگ کے جلسے ہی میں نہ جاؤ۔ لیگ والے کہتے ہیں، قُلُوْبُنَا غُلْفٌ احرار والے کانگرسی پٹھو ہیں، ان کی بات تک نہیں سننی چاہیئے حالانکہ ان میں سے کسی کے پاس بھی خدائی سند موجود نہیں ہے، یہ آپس میں مل کر نہ بیٹھنا، یہ ایک دوسرے کی بات نہ سننا، یہ آپس کا بائیکاٹ، ثباتِ حق اور پختگیٔ عقائد کا ثبوت نہیں بلکہ تعصب اور دھڑا بندی کا اندھاپن ہے جس کے باعث نہ ایک مسلمان دوسرے کی بات سنتا ہے، نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ قوم پر اتحاد و اتفاق کا دروازہ کھلتا ہے۔

عزیزان اسلام! آپ خدا کے لئے فرقہ بندی کے تعصب سے نکلیں، فرقہ پرست لیڈروں اور مولویوں کی چالوں کو سمجھیں، یہ لوگ اس لئے آپ کو دوسرے کے پاس جانے سے منع کرتے ہیں تاکہ آپ کو معاملے کا دوسرا پہلو نظر نہ آئے اور آپ صرف انہی کے ہو رہیں چونکہ اسلام نے آپ کو آزادیٔ خیال کی نعمت دی ہے اس لئے آپ کو دوسرے کی بات سمجھنی چاہیئے، اپنی بات سمجھانی چاہیئے بلکہ کافروں تک کی بات سننی چاہیئے۔ اخباروں کا فرض ہے کہ وہ ہر جماعت کے خیالات دیانتداری کے ساتھ اخبار میں چھاپیں۔ علماء کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو اندھا بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس لئے کہ جب کسی قوم کا دماغ اندھا ہو جاتا ہے تو پھر اس کا عمل بھی اندھا ہو جاتا ہے۔ اے خدا! ہم کو عقل اور ضمیر کی روشنی عطا فرما اور گڑھے والی اطاعت سے محفوظ رکھ۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کا اخلاقی دستور (۱۱۶) خود غرضی کا کفر

۸۹۔ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

اور جب آئی اُن کے پاس کتاب خدا کے ہاں سے سچا بتاتی

لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى

اس کو جو (تھا) ساتھ اُن کے اور تھے پہلے وہ فتح مانگتے اوپر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَ لَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا

کافروں کے ، پس جب آیا اُن کے پاس جسے وہ پہچانتے تھے انکار کیا

بِ هٖ ۚ فَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

ساتھ اُس کے ، پس لعنت ہو اللہ کی اوپر کافروں کے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہودی لوگ پیغمبر اسلام کے تشریف لانے سے پہلے آپ کا انتظار کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ آپ تشریف لا کر یہود کو کافروں پر غالب کر دیں گے لیکن جب آپ تشریف لے آئے تو انہوں نے آپ کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہو گئے۔ لعنت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت سے دُور ہو گئے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص یا قوم کس طرح لعنتی بن جاتے ہیں؛ مختصر بات یہ کہی گئی کہ جو بھی شخص یا قوم سچ کو پہچان لے اور پھر اس پر عمل نہ کرے وہ رحمتِ الٰہی دُور ہو جاتی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے یہودی لوگ آپ کے منتظر تھے، ان کا یہ انتظار بھی دراصل خود غرضی کا انتظار تھا کہ آپ آئیں اور ہم کو کافروں پر غالب کر دیں۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے سچ مچ ایسا راستہ پیش کیا جس سے یہودی لوگ کافروں پر غالب آ سکتے تھے، لیکن چونکہ آپ کا بتایا ہوا راستہ یہودیوں کے

Marfat.com

چھوٹے چھوٹے فائدوں، آراموں، نفسانی خواہشوں اور ذلیل قسم کی لذتوں کے خلاف تھا اس لئے یہودیوں نے اس پر چلنے سے انکار کر دیا۔ وہ تو گویا عمل و جہاد کے بغیر صرف منتروں سے غالب آجانا چاہتے تھے۔ جب پیغمبر اسلام نے عمل و جہاد کی دعوت دی تو آپ کی صداقت کو پہچاننے کے باوجود یہودی لوگ انہی کفار کے ساتھ شامل ہو گئے جن پر غالب آنے کے لئے یہ عرصے سے طلبگار رہتے تھے۔ اور ذلت و خواری کے غاروں میں گر پڑے۔

عزیزان اسلام! قرآن پاک نے آپ کے سامنے بڑی باریک بات کہی ہے۔ اس دنیا میں صرف یہودی ہی فتح کے طالب نہیں تھے بلکہ سبھی انسان فتح کے طلبگار ہیں۔ لیکن اصل سوال قیمت کا ہے۔ جب یہودیوں سے فتح کی قیمت طلب کی گئی تو وہ ادا نہ کر سکے، اس دنیا کی ہر قوم کی حالت یہی ہے ؎

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم — پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

آج اٹلی یا جرمنی کو جو فتوحات حاصل ہو رہی ہیں یا پہلے مسلمانوں کو جو فتوحات حاصل ہوئیں، وہ صرف اس لیئے کہ انہوں نے فتحمندیوں کی پوری پوری قیمت ادا کر دی، انہوں نے جانیں دیں، مال لٹائے، آرام چھوڑا، درختوں کے پتے کھائے، گھر بار چھوڑا، وطن چھوڑا، کھانے پینے کی لذتیں چھوڑیں، پھر لڑائی کے میدانوں میں کھڑے ہو کر خون بہایا، گردنیں کٹائیں اور اپنے رشتہ داروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا، جب قیمت پوری ادا کر دی گئی تو فتح بھی حاصل ہو گئی۔

عزیزان اسلام! آج ہماری حالت کس قدر یہودیوں کے مشابہ ہے۔ وہ بھی فتح چاہتے تھے مگر اس شرط کے ساتھ کہ نہ تو لذتوں کو چھوڑیں، نہ بے آرام ہوں، نہ بستر سے اٹھیں، مصلے پر بیٹھے رہیں، شرائیں کرتے رہیں اور فتح حاصل ہو جائے۔ ہمارے پیر، لیڈر، مولوی اور خطاب یافتہ حضرات بھی یہی چاہتے ہیں۔ خطاب یافتہ حضرات صاحب کے ساتھ چائے پیتے ہیں اور فتح اسلام کی دعائیں کر رہے ہیں حالانکہ اتفاق، تنظیم اور جہاد کے بغیر فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

٩٠. بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ
برا (ہے) وہ کہ انہوں نے خریدا (ہے) بدلے جس کے جانوں کو اپنی یہ کہ منکر ہوئے اس کے جو
اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
اتارا اللہ نے، ضد سے، یہ کہ (کیوں) اتارا اللہ نے فضل سے اپنے اوپر جس کے وہ چاہتا
مِنْ عِبَادِهٖ ج (بندوں میں سے اس کے)۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہودیوں کی اس تنگدلی پر افسوس ہے کہ انہوں نے کتنی بری قیمت لے کر اپنی جانوں کا سودا چکایا کہ سمجھنے بوجھنے کے بعد اللہ کی بھیجی ہوئی سچائی کا انکار کر دیا، صرف اس ضد میں کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کسی پر چاہتا ہے، اپنا فضل نازل کر دیتا ہے۔ گویا یہودی یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ ہم اللہ کے پیارے ہیں اس لئے نبوت بھی ہمارا نسلی، جماعتی اور شخصی حق ہے۔ وہ یہ گوارا ہی نہیں کر سکتے تھے کہ خدا کسی غیر یہودی کو نبی بنادے یا کوئی غیر یہودی نبوت کا دعوے کردے، آیت کہتی ہے کہ یہودیوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود جو کفر کیا تو اس کا ایک بڑا سبب ان کا جماعتی حسد و غرور تھا۔

عزیزان اسلام! اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ حاسد لوگ کس طرح قبول حق سے محروم رہتے ہیں؟ جب وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص بڑا بن گیا ہے، عام لوگوں میں مقبول ہو گیا ہے، یا دولت مند بن گیا ہے اور یہ خود وہیں کے وہیں پڑے ہوئے ہیں تو ان کا دل کباب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ خدا کی قبولیت کو روک نہیں سکتے لیکن اپنے دل کی آگ زبان کی پھونکوں سے نکالتے رہتے ہیں اور ہر کسی سے یہ کہتے پھرتے ہیں "دیکھو! اب فلاں شخص کو بھی پر لگ گئے ہیں۔ اجی کل اس کی حیثیت کیا تھی جو اب افلاطون بنا پھرتا ہے۔ اہل حسد اس قسم کی زہریلی باتیں صرف اس لئے کہتے تھے کہ وہ خود ایسے کیوں نہیں بنے؟ وہ اپنی محنت

Marfat.com

اور لیاقت سے ضرور بڑا درجہ حاصل کر سکتے تھے مگر لیاقت اُن میں ہوتی نہیں اور محنت کی تکلیف وہ اٹھاتے نہیں۔ اس واسطے حسد کی آگ میں جلتے ہیں اور ذلیل ہوتے ہیں۔

عزیزانِ اسلام! اللہ تعالیٰ نے حاسد یہودیوں پر کتنی سخت تنقید کی ہے؟ یہودی لوگ اسلام کو قبول کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی زندگی کی تمام بھلائیوں کو فروخت کر دیا اور اس کے بدلے میں کفر و انکار خرید لیا، ان کے دل کی جلن صرف یہ تھی کہ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسمٰعیل کو نبوت کی نعمت کیوں دی گئی ہے اور ہم لوگ جو جنت اور سچائی اور خاندانی شرافت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے، کیوں ذلیل ہوئے جا رہے ہیں؟

عزیزانِ اسلام! پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ حاسد پر نیکی کا دروازہ بند ہے۔ اگر ساری دنیا بھی سچائی کے نور سے روشن ہو جائے تو حاسد پھر بھی اندھیرے سے نہیں نکلتا۔ افسوس کہ ہم مسلمانوں میں بھی حسد کی بیماری بُری طرح پھیل رہی ہے۔ ایک بھائی کی ترقی سے دوسرے بھائی کو خوش ہونا چاہئے اور اس کی مثال سے فائدہ اٹھا کر خود کو آگے بڑھانا چاہیے، مگر افسوس کہ ہم خود تو آگے نہیں بڑھتے، البتہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا بھائی غار میں گر پڑے۔ ایک مسلمان کو عہدہ ملتا ہے تو اس کا حاسد ساتھی اس کو گرانے کے در پے ہو جاتا ہے۔ ایک اخبار کی اشاعت کم ہوتی ہے تو کم اشاعت والے اخبار اس سے جلنے لگتے ہیں۔ ایک عالم یا لیڈر کے اقتدار میں اضافہ ہوتا ہے تو دوسرے عالم یا لیڈر اس کے خلاف خواہ مخواہ بدگمانیاں پھیلانے لگ جاتے ہیں۔ جب کسی قوم کی ایک جماعت دوسری جماعت کو گرا رہی ہو تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ قوم ترقی کرے؟ مسلمانو! حسد سے بچو، حاسدوں کو پہچانو، ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش نہ کرو۔ ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ قومی زندگی کا راز یہی ہے۔

Marfat.com

یہود کا قبول اسلام سے انکار (۱۱۸) تخریبی ذہنیت کا انجام

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ؕ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ

پس وہ کما لائے غضب اللہ کا اوپر غضب کے اور واسطے کافروں کے عذاب (ہے) ذلت کا

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حسد کی تجارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں پر عذاب پر عذاب ٹوٹ پڑا اور وہ ذلیل ہوگئے۔

عزیزان اسلام! جب پیغمبر اسلام اور آپ کے صحابہ کرام مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو انصار نے آپ کی بڑی آؤ بھگت کی، رسول خدا کا جلوس نکالا، قریش کو اپنا بھائی بنالیا اور جائدادیں تک اُن میں تقسیم کردیں۔ آہستہ آہستہ اردگرد کے لوگ بھی اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ مدینہ کے یہودی جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم خدا کے پیارے، جنت کے ٹھیکیدار اور دنیا کی تمام قوموں سے اونچے ہیں، مسلمانوں کی اس ترقی کو برداشت نہ کرسکے اور رسول اللہ کی مخالفتیں شروع کردیں، ایک دفعہ یہودیوں نے پیغمبر اسلام کو زہر دلوایا، ایک دفعہ پیغمبر اسلام پر چھت پر سے پتھر گرادیا۔ ایک دفعہ مسلمان، کفار مکہ سے جنگ کررہے تھے تو یہودیوں نے مدینہ منورہ کے اندر شورش مچادی۔ یہود کی یہ ساری حرکتیں اس لئے تھیں تاکہ اسلام کی ترقی رک جائے۔ لیکن اُن کی یہ تمام کوششیں ناکام رہیں اور آخر کار انہیں مدینہ سے نکلنا پڑا۔ پھر خیبر میں جنگ ہوئی اور یہ لوگ وہاں سے بھی نکالے گئے اور اسلام کے پیرو اُن کی آنکھوں کے سامنے چند ہی سال کے اندر اندر عرب و عجم پر چھا گئے۔ آج کی آیت نے بتایا ہے کہ حاسد یہودیوں کو غضب الٰہی اور عذاب ذلت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور واقعات نے ثابت کردیا کہ قرآن کی پیشگوئی کس قدر صحیح تھی؟

عزیزان اسلام! خدا کا لکھا یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ ذلیل ہوگا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ حاسد آدمی اپنے دل و دماغ کی ساری قوت دوسرے کے گرانے

Marfat.com

ہیں صرف کرتا ہے حالانکہ یہ قوت اس کو خود اپنی ذات کی تعمیر پر صرف کرنی چاہئے۔ چونکہ وہ خود ہی اپنی قوتوں سے شاداب نہیں ہوتا، اس لئے مرجھا جاتا ہے اور یہی اُسکی ذلت ہے۔

عزیزانِ اسلام! یہود مدینہ کی ساری قوت مسلمانوں پر نکتہ چینی کرنے میں صرف ہوتی تھی اور افسوس کہ اب یہی حال ہمارا ہے۔ آپ کو مسلمانوں میں ہزارہا آدمی ایسے ملیں گے جو صبح سے شام تک کام کرنے والوں پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں مگر خود کچھ نہیں کرتے۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ اب ساری قوم کا دماغ ہی ایسا بن گیا ہے، اگر کسی کام کو بگاڑنا ہو تو ہزارہا مسلمان متحد ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی بگڑے ہوئے کام کو بنانا ہو تو پھر کوئی شخص دم نہیں مارتا۔ یاد رکھو جب تک آپ اپنی اس عادت کو نہیں بدلیں گے، آپ کبھی ترقی کا منہ نہیں دیکھیں گے مسلمانو! اللہ سے ڈرو، حسد سے بچو، بنے ہوئے کاموں کو بگاڑنے کی عادت چھوڑ دو، اپنے آپ کو بناؤ، اپنے بھائیوں کی عزت بڑھاؤ، اپنے قومی جسم کے اعضاء کو تقویت دو، اپنے بھائیوں کی امداد کرو، بنے ہوئے جماعتی کاموں کو مضبوطی دو۔ ایک دوسرے کو بگاڑنے اور ذلیل کرنے کے کمینے خیالات کو چھوڑ دو، اور اس راز کو سمجھو کہ اپنے ہم قوم بھائیوں کو ذلیل کرنے اور ان کے کاموں کو بگاڑنے کے معنی یہ ہیں کہ تم خود ہی اپنے قومی جسم کے حصوں کو کاٹ رہے ہو۔ وہ قوم کس طرح عزت پاسکتی ہے، جو خود ہی اپنی پگڑی کو اچھال رہی ہو۔

عزیزانِ اسلام! آج آپ کے اخبار نویس، آپ کے لیڈر، آپ کے عالم، آپ کے قومی کارکن کس شغل میں مصروف ہیں؟ یہ حد ہو گئی ہے کہ اگر ہندو یا انگریز کو بھی ضرورت ہوتی ہے تو وہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے مٹانے پر مقرر کرتے ہیں۔ اسلام کے دشمن اسلام پر رحم کر سکتے ہیں مگر مسلمان نہیں کرتے، یہ ہمارے حسد اور نفسانیت کا نتیجہ ہے۔ خدا کے لئے اپنی حالت پر غور کرو۔ اے اللہ! ہم کو حسد اور جلن کی لعنت سے محفوظ رکھ۔

Marfat.com

۹۱- وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ
اور جب کہا جائے واسطے اُن کے مانو اُسکو جو اتارا اللہ نے کہنے لگے، ہم مانیں گے

بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ یَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَ هُوَ
اُسکو جو اتارا گیا ہے اوپر ہمارے، اور وہ نہیں مانتے اُسکو جو بعد آیا اس کے، حالانکہ وہ

اَلْحَقُّ (حق ہے) مُصَدِّقًا (تصدیق کرتا ہے) لِّمَا (اُسکی جو) مَعَهُمْ (پاس ہے اُنکے)

آیت کا سادہ مطلب یہ ہے۔ جب یہود سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے اتارے قرآن پر ایمان لاؤ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو ہم پر اتری ہے اور وہ دوسروں سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کی حیثیت یہ ہے کہ وہ سچ بھی ہے اور خود ان کی کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں یہود کے نسلی غرور اور حجت بازی کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ یہود اس بات میں اپنی توہین سمجھتے تھے کہ وہ بنی اسمٰعیل کے نبی پر ایمان لائیں انہوں نے خدا کے دین کو بھی ایک نسلی ورثہ بنا لیا تھا۔ وہ سچ کو ماننا چاہتے تھے مگر اس سچ کو جو ان کی اپنی نسل پر اترا ہو، حالانکہ سچ ایک ہے، نسلی تمیز بالاتر ہے اور سب کے لئے ہے۔ ان کا قول یہ تھا کہ ہم اس دین کو مانیں گے جو صرف ہم پر اترا ہو، خواہ وہ کتنا ہی ہل چکا ہو اور ہم اس دین سے انکار کریں گے جو دوسروں پر اترا ہو۔ خواہ وہ کیسا ہی سچا ہو۔ حالانکہ وہ جس دین قرآن کو اپنی فرعونیت سے اچھوت قرار دے رہے تھے، اس کی حیثیت یہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰ ع کی عظمت کے گیت گاتا تھا اور توریت کی سچائی پر ایمان لانے کا حکم دیتا تھا لیکن یہودیوں کا اس سے کچھ مطلب نہ تھا کہ قرآن سے حضرت موسیٰ ع کی شان بڑھتی ہے یا توریت کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ وہ تو اپنی نسلی بزرگی کے دعوے کو توریت اور حضرت موسیٰ ع کی

Marfat.com

سچائی سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ اگر ان کا توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دلی تعلق ہوتا تو وہ قرآن سے لپٹ جاتے، اس لئے کہ توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو صحیح شان قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی تھی، وہ نہ انجیل سے ظاہر ہوتی تھی اور نہ توریت سے۔ لیکن یہود مدینہ ذاتیات میں پڑ گئے تھے، اُن کا خیال صرف یہ تھا کہ ہمارا سر نہ جھکے اس لئے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ جب ہمارے پاس ہمارا دین موجود ہے تو ہم دوسرے دینوں کو کیوں مانیں؟ یہاں سوال پیدا ہوگا، کیا وہ اپنی کتاب اور اپنے دین کو سچ مچ مانتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں مانتے تھے۔ اگر وہ توریت کو مانتے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار نہ کر سکتے، اس لئے کہ توریت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف صاف نشانیاں موجود تھیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہود مدینہ کا یہ عذر کہ ہم صرف اپنی کتاب کو مانیں گے، عذر لنگ سے زیادہ نہ تھا۔ یہ اُن کی صرف حجت بازی تھی۔ اصل بات صرف یہ ہے کہ قرآن کے بہت سے احکام ان کی خواہشات کے خلاف تھے اور ایسی صورت میں خود توریت ہو یا قرآن، وہ انہیں کس طرح تسلیم کر سکتے تھے؟

عزیزان اسلام! قرآن پاک نے اس واقعہ کو پیش کر کے سبق دیا ہے کہ سچائی کو ذاتیات کے پیمانے میں نہیں تولنا چاہئے۔ دین الٰہی کا حق، نسل اور خاندان سے بہت اونچا ہے افسوس ہے کہ آج ہم مسلمانوں کو یہ سبق یاد نہیں رہا۔ ہم سچ اُس کو سمجھتے ہیں جس پر ہمارے فرقے کا عالم یا لیڈر مہر کر دے۔ ایسی مہر اگر جھوٹ بھی ہو تو ہم فوراً مان لیتے ہیں۔ لیکن دوسرے فرقے کا آدمی اگر قرآن و حدیث بھی پیش کرے تو ہم "وہابی" کہہ کر اُس سے پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دین، مذہب اور حق کے اصولوں کو دھڑوں اور فرقوں سے بالاتر رکھ کر قبول کرے اور اس معاملے میں نہ خاندان کا لحاظ رکھے، نہ اولاد کا، نہ فرقہ بندی کا اور نہ ذاتی فائدوں کا۔

Marfat.com

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
کہدو پھر کیوں مارتے رہے ہو نبی خدا کے پہلے اگر تم ہو ایمان والے

یعنی اے پیغمبر! ان سے کہہ دو، اگر تم درحقیقت ایمان لانے والے ہو تو پھر پیغمبر اسلام کی تشریف آوری سے پہلے خدا کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو؟

عزیزانِ اسلام! بات کا سلسلہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے یہود مدینہ کو قبول اسلام کی دعوت دی۔ اس پر یہود نے یہ عذر کیا کہ ہم اُس کتاب پر ایمان لائیں گے جو ہم پر اُتری ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر تم پہلے نبیوں پر ایمان لانے والے ہوتے تو پھر حضرت موسیٰؑ کے بعد کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہتے جو بنی اسرائیل ہی میں ظاہر ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے دوسرا جواب یہ دیا:-

۹۲- وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ
اور بیشک آیا تم پر موسیٰ ساتھ نشانیوں کے پھر پکڑا تم نے بچھڑا
مِنْۢ بَعْدِهٖ (بعد اس کے) وَاَنْتُمْ (اور تم (ہو)) ظٰلِمُوْنَ (ظلم کرنے والے)

آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے، اے یہود! اگر تمہارا یہ دعویٰ سچا ہے کہ تم اسرائیلی نبیوں پر ایمان لاتے ہو تو پھر اس کا جواب کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کھلی نشانیاں لے کر تمہارے پاس آئے تو ان کے بعد بھی تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم دراصل ظالم ہو۔

عزیزانِ اسلام! ان دونوں پہلوؤں سے یہود کی حجت بازی کٹ گئی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم اسرائیلی نبیوں پر ایمان لائیں گے۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ کئی اسرائیلی نبی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے یہ سلوک

Marfat.com

گیا کہ اِدھر وہ کوہِ طور پر گئے تاکہ اُن کے لئے قانون لائیں اور اُدھر بنی اسرائیل نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا۔ یہود کی ان دونوں حرکات سے ثابت ہوتا ہے کہ ظلم کرنا ان کی فطرت میں داخل ہوگیا تھا اور معاملہ خواہ کیسا بھی صاف کیوں نہ ہو، وہ ظلم کئے بغیر نہیں رہتے تھے

عزیزانِ اسلام! غلاموں کی یہ فطرت ہے کہ جب ڈنڈا برسے تو وہ دوسروں کے ظلم و تشدد کو شیرِ مادر کی طرح پی جاتے ہیں لیکن جب خود ان کے ہاتھ میں ڈنڈا آجائے یا انہیں تھوڑی سی آزادی مل جائے تو وہ خود ظالم بننے سے دریغ نہیں کرتے۔ لیکن اس حال میں بھی ان کا اکثر ظلم اپنے ہی بھائیوں پر ہوتا ہے۔ یہود یہ کہتے تھے کہ ہم بنی اسمٰعیل کے نبی کو کیوں مانیں؟ مگر ان کا عمل یہ تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک دن بھی وفا نہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو بھی نبی آتے رہے، وہ ان کو جھٹلا دیتے تھے یا قتل کر دیتے تھے۔ جو قوم اپنے نسلی نبیوں کے خونِ ناحق سے دریغ نہ کرے، وہ غیر نسل کے انبیاء کے ساتھ کیونکر اچھا سلوک کر سکتی ہے؟ یہ ساری بحث اس لئے ہے تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ یہودی سوسائٹی اب ہر لحاظ سے مردہ ہوچکی ہے، اب بنی اسرائیل میں کچھ جان باقی نہیں رہی، ان کی اصلاح کی کوششیں بے کار ہیں، اب یہ مردہ ہڈیاں دفن کر دینی چاہئیں۔ اب ایک نئی اور جواں ہمت قوم کو اٹھنا چاہئے اور اسے خلافت ملنی چاہئے تاکہ وہ خدا کے قانون پر چل کر نوعِ انسانی کی خدمت کرے۔

عزیزانِ اسلام! بنی اسرائیل کے اس زوال میں آپ کے لئے ایک سبق ہے۔ ایک وقت یہی یہودی خدا کے نزدیک سب سے اونچے تھے مگر اب اسی قوم کا یہ حال ہے کہ خود خدا ہی انہیں مردود اور مغضوب قرار دے کر زیرِ زمین دفن کر دینے کا فرمان نافذ کر رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ انسانوں کی نسلوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ عملوں کو پسند کرتا ہے، عمل سے مراد محنت دیانت، جہاد، قربانی، ہمدردی، تبلیغ، حلال کمائی، نظامِ قومی۔ عمل سے مراد صرف زبان ہلا کر ہُو ہُو کرنا نہیں

Marfat.com

۹۳- وَاِذْ اَخَذْ نَا مِیْثَاقَ کُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَ کُمُ الطُّوْرَ ط
اور جب لیا ہم نے اقرار تمہارا اور اونچا کیا ہم نے اوپر تمہارے طور
خُذُوْا مَا اٰتَیْنَا کُمْ بِ قُوَّۃٍ وَّ اسْمَعُوْا ط
پکڑو جو دیا ہم نے تم کو ساتھ قوت کے اور سنو

آیت کا سادہ مطلب یہ ہے:- اے بنی اسرائیل! اس واقعہ کو یاد کرو جبکہ ہم نے طور کے نیچے تم سے اقرار لیا تھا کہ جو احکام تم کو دیئے گئے ہیں، اُن کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور اپنے خدا و رسول کی آواز سنو اور مانو۔ لیکن تم نے یہ جواب دیا:-

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِ هِمُ الْعِجْلَ
کہنے لگے سنا ہم نے اور انکار کیا ہم نے اور پلائے گئے بیچ دلوں اپنے کے بچھڑا
بِ کُفْرِ هِمْ (بوجہ انکار ان کے)۔ یعنی یہودیوں نے زبان سے کہا، ہم نے حکم سن لیا۔ مگر عملی طور پر وہ نافرمانی کرتے رہے۔ اس کفر اور ضد کا باعث یہ تھا کہ یہودیوں کے دلوں میں بچھڑے کی محبت رچی ہوئی تھی۔

عزیزان اسلام! بات کا سلسلہ سمجھئے۔ پیغمبر اسلام نے یہود کو دعوت دی تھی کہ اسلام قبول کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے اسرائیلی نبی اور اپنا دین کافی ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے انہیں تین جواب دیئے۔ پہلے یہ فرمایا کہ اگر تم اپنے دین کے سچے پیرو ہوتے تو اسرائیلی نبیوں کو کیوں قتل کرتے؟ دوسرا جواب یہ دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے خاص قومی نبی تھے، تم نے اُن کے ساتھ کیوں وفا نہ کی کہ ادھر وہ کوہ طور پر گئے اور ادھر تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ اب تیسری بات یہ کہی کہ تمہیں کوہ طور کے نیچے یہ حکم دیا گیا تھا کہ حکم الٰہی پر مضبوطی سے جم جاؤ، پھر تم نے اس حکم کو بھی زبانی جمع

Marfat.com

خرچ کرنے کیوں ٹال دیا ؟ تم نے زبان سے تو کہا، سَمِعْنَا، اے خدا! ہم نے تیرا حکم سن لیا مگر عمل یہ رکھا، عَصَیْنَا، یعنی اسی طرح نافرمانی کرتے چلے گئے۔ یہ انتہا ہے کہ تم اپنی ضد میں اس درجہ اندھے ہو گئے کہ تم نبی اور بچھڑے میں بھی صحیح انتخاب نہ کر سکے۔ تم نے حضرت موسیٰ ؑ کو چھوڑ دیا اور بچھڑے کو پکڑ لیا۔ یہ تمام واقعات پیش کر کے حضرت محمد صلعم کو حکم ملتا ہے

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ إِيْمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

کہدو برا ہے وہ کہ حکم دیتا ہے تم کو اس کا ایمان تمہارا، اگر تم ہو ایمان والے

یعنی اگر یہی ایمان ہے تو تمہارے اس ایمان پر افسوس ہے۔ یہ ایمان تمہیں کیسی کیسی بری راہوں پر چلا رہا ہے۔

عزیزان اسلام! بنی اسرائیل کو یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارا ایمان کا دعویٰ غلط ہے۔ پہلے بھی تم زبانی جمع خرچ کرتے رہے ہو اور اب بھی زبانی جمع خرچ کر رہے ہو۔ جب عمل نہ ہو تو زبان سے دینداری کے دعوے فضول ہیں۔

عزیزان اسلام! ہم کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے، عام طور پر ہم نے بھی ایمان کے زبانی دعویٰ، زبانی کلمہ اور زبانی اقرار و اعلان کو کافی سمجھ رکھا ہے۔ لیکن عملی زندگی میں ہماری حالت بھی غیر مسلموں سے کسی طرح اچھی نہیں، ہم ان سے زیادہ جھوٹ، غیبت، فساد، عناد، رشوت، سود لینا دینا، وعدہ خلافی اور دھوکے فریب کا شکار ہیں۔ اور اسی لئے تعلیم، تجارت، کاروبار، سیاست میں ہم اُن سے پیچھے ہیں۔ بھائیو! کچھ اپنے اعمال کی درستی کا فکر کرو۔ دنیا ہو یا آخرت، ایمان و اعتقاد کے بعد عمل کی پرسش ہوگی اور دیکھا جائیگا کہ تم نے اپنے خدا، رسول، نفس، جان، مال، اولاد، خاندان، ملک، زمین، تجارت، زراعت کا کیا حق ادا کیا؟ مسلمانو! اپنی عملی اور روزمرہ کی زندگی میں، لین دین میں، عورتوں، اولاد اور تعلق داروں کے حق میں ایماندار بنو۔ پھر کامیابی ہوگی۔

Marfat.com

یہود کا قبول اسلام سے انکار (۱۲۴) سچائی کی اصل پرکھ

۹۴- قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً
کہدو اگر ہے واسطے تمہارے گھر آخرت کا خدا کے ہاں مخصوص

مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
علاوہ لوگوں کے، پس تمنا کرو موت کی اگر تم سچے ہو

جب پیغمبر اسلام نے یہود کو قبولِ اسلام کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے، ہم کیوں اسلام قبول کریں جبکہ آخرت کے آرام صرف ہمارے لئے وقف ہو چکے ہیں؟ اس پر خدا نے پیغمبر اسلام کو حکم دیا، آپ ان لوگوں سے کہیئے، اگر آخرت کی نعمتیں خدا کے ہاں صرف تمہارے لئے خاص ہیں اور کسی دوسرے انسان کا اس میں حصہ نہیں ہے اور تم اپنے اس اعتقاد میں سچے ہو تو پھر تم موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے؟ اس حیات فانی کی چند روزہ لذتوں پر کیوں مرے جاتے ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو یہ بتایا ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ محض زبانی ہے کہ آخرت کے وارث صرف یہود ہیں، تمہارے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تم صرف دنیوی لذتوں کے پجاری ہو۔

عزیزان اسلام! یہود نے یہ کہا تھا کہ ہمارے لئے ہمارا دین کافی ہے اور ہم اسی کے ذریعے سے بہشت کے وارث بنائے جا چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا کہ تمہارا عمل کیوں اس اعتقاد کے مطابق نہیں ہے؟ تم دنیا کی لذتوں پر فدا رہنے کی بجائے موت کی طلب کیوں نہیں کرتے؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سچے مومن کی پرکھ یہ بتائی کہ وہ کبھی موت سے خائف اور دنیوی مزوں کا پجاری نہیں ہوتا۔ یہودی لوگ کسی طرح بھی اس پرکھ پر پورے نہیں اُترتے تھے۔ اُن کی زبان پر ہر وقت جنت کا چرچا جاری رہتا تھا مگر عملی زندگی میں وہ چھوٹے چھوٹے فائدوں اور ذلیل قسم کی لذتوں پر

Marfat.com

گرے پڑتے تھے۔ وہ اسلام کو سچا سمجھتے تھے لیکن جب یہ دیکھتے تھے کہ تمام عرب مسلمانوں کا دشمن ہے اور قبول اسلام سے انہیں موت، غریبی، تمام ملک کی دشمنی، فائدوں اور لذتوں سے دست برداری اور جان ومال کے نقصان کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ جرأت ہی نہیں تھی کہ وہ ایسے حالات میں اسلام قبول کریں۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں مسلمانوں کے لئے بڑا سبق ہے۔ شاید اس دنیا میں ایک بھی مسلمان ایسا نہ ہوگا جو جنت میں جانے کا مدعی نہ ہو۔ آپ کسی بھی مسلمان سے پوچھ لیجئے ایسا معلوم ہوگا کہ اُس نے داخلہ بہشت کے لئے لنگر لنگوٹے کس رکھے ہیں۔ اس اعتقاد کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان موت سے بے خوف ہو جاتے، اللہ کی راہ میں نکلتے اور اسلام کے نام پر پروانوں کی طرح اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ لیکن آپ عملی حالت دیکھئے۔ آج تمام اقوام عالم میں جس قدر ہم مسلمان موت سے ڈرتے ہیں، کوئی قوم نہیں ڈرتی۔ یہ حد ہے کہ مسلمان موت کے خوف سے کفار کی فوجوں میں بھرتی ہو جاتے ہیں اور میدان جنگ میں مر جاتے ہیں۔ لیکن وہ انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔ انہیں کفر کے مقابلے میں ثابت قدم رہ کر اسلام کی موت تو مرنا قبول نہیں ہوتا مگر کفار کے ڈر کے مارے وہ کفر کی موت مرنے پر خوشی سے تیار ہو جاتے ہیں۔ غور کرو کہ یہ ہماری کتنی بڑی کمزوری ہے۔ مسلمانو! قرآن کی آیتوں پر اپنے ایمان کو پرکھو۔ اگر تمہارا ایمان حقیقی ہے تو پھر سب کے سب موت کو لبیک کہو اور خدا کے راستے میں نکل کھڑے ہو۔ کوئی سچا مسلمان دنیا کی فانی لذتوں پر اس قدر نہیں ریجھ سکتا کہ وہ پروردگار عالم کے حق سے بے وفا ہو جائے۔ اسلام کے لئے ذلت، تکلیف، بھوک، پیاس، نیند بے آرامی اور موت کو لبیک کہو! سچائی کی راہ یہی ہے، کفر کی غلامی اور اسلام کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

۹۵۔ وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ
اور ہرگز نہیں تمنا کرینگے اُسکی کبھی بوجہ اسکے جو بھیج چکے ہیں ہاتھ انکے
وَاللّٰهُ (اور اللہ) عَلِيْمٌ (جاننے والا ہے) بِالظّٰلِمِيْنَ (ظالموں کو) ۝

عزیزان اسلام! پہلی آیت میں یہ کہا گیا کہ اگر یہودی بہشت کو اپنا قومی ورثہ سمجھتے ہیں تو پھر موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے؟ آج کی آیت میں بتایا کہ چونکہ وہ اپنے ہاتھوں گناہوں کا ورثہ آگے بھیج چکے ہیں اس واسطے وہ موت کی تمنا نہیں کریں گے، خدا اُن کی اس اندرونی کمزوری اور ظلم کو خوب جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بداعمالی انسان کو بُزدل بنا دیتی ہے۔ بدکاروں کے دلوں میں اصلی ڈر یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے ہاں کیا جواب دیں گے؟ اس اندرونی خوف کا علاج وہ یہ کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ عرصہ تک دنیا میں جیتے رہیں حالانکہ وہ کب تک دنیا میں زندہ رہ سکتے ہیں؟ بداعمالی کا صحیح علاج توبہ، ترک گناہ اور عمل نیک کی مشق ہے۔ یہود کو ایک خوف یہ تھا کہ اپنی خود غرضیوں، بدعادتوں اور گنہگاری کی لذتوں کو چھوڑ کر احکام اسلام کی پابندی کیسے کریں گے؟ دوسری طرف یہ خوف تھا کہ موت کے بعد خدا کو کیا جواب دیں گے؟ یعنی ان کے لئے دونوں راستے بند تھے۔ اس واسطے انہوں نے آخری فیصلہ یہی کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو اپنے حال پر پڑے رہنا چاہیئے۔ آج مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے، وہ اللہ کے لئے نہ تو مال، جان، آرام، خطاب، اغراض، اعزاز اور عیش کو قربان کر سکتے ہیں اور نہ جنت کی ٹھیکیداری چھوڑتے ہیں۔ مسلمانو! یکسو ہو کر احکام الٰہی کی پابندی کرو اور یہ نہ دیکھو کہ اس پابندی سے آپ کی جان، مال، اولاد، دولت، آرام اور کاروبار پر کیا اثر پڑے گا؟ آپ کا ذاتی نقصان بے شک ہوگا مگر آپ کی قوم آزاد ہو جائے گی اور آیندہ نسلیں ہمیشہ کے لئے آپ کو دعائیں دینگی۔

Marfat.com

یہود کا قبول اسلام سے انکار (۱۲۶) بے اصل دینداروں سے مشرک اچھے

۹۶۔ وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ج وَ

اور ضرور تو پائیگا اُن کو سب سے لالچی اوپر زندگی کے اور

مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ج یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ

مشرک کرنے والوں سے بھی، چاہتا ہے ایک ایک اُن کا کاش وہ عمر پائے ہزار سال

پہلے کہا گیا تھا کہ اگر یہود کو جنت میں جانے کا پکا یقین ہے تو وہ مرنے سے کیوں ڈرتے ہیں؟ اب یہ کہا گیا ہے، اے نبی! تو خود دیکھ لے گا کہ یہودی سب لوگوں سے زیادہ زندگی کے حریص ہیں، بلکہ مشرکوں سے بھی زیادہ۔ اُن میں سے ایک ایک آدمی یہ حسرت رکھتا ہے کہ اے کاش، وہ ایک ہزار برس تک تو جیئے۔ اس کے بعد فرمایا:۔

وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ط وَاللّٰهُ

اور نہیں وہ دُور کھینچنے والی اسکو عذاب سے کہ دی جائے عمر، اور اللہ

بَصِیْرٌۢ (دیکھنے والا ہے) بِمَا (اس کو جو) یَعْمَلُوْنَ (وہ عمل کرتے ہیں) ۝

مطلب یہ ہے کہ یہودی لوگ کتنے ہی عرصہ تک جیئں، بہرحال انہیں ایک دن ضرور مرنا ہوگا اور یہ عمر کی درازی انہیں کچھ عذاب آخرت سے نجات نہیں دلائے گی اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، خدا اس سے لاعلم نہیں ہے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو قوم، دین کی حقیقت کو چھوڑ دے اور مذہبی حکموں کو صداقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ فیشن کے طور پر ماننے اور دین کا صرف نام رکھے اور اصل میں خود غرضی کے پیچھے چلے، اس کی حالت کافروں اور مشرکوں سے بھی زیادہ بُری ہو جاتی ہے۔ حرص بھی ان دین والوں کو کافروں سے زیادہ ہوتی ہے دنیا کی محبت بھی زیادہ ہوتی ہے اور دنیا کی لذتوں کا شوق بھی زیادہ ہوتا ہے۔ کفار اور

Marfat.com

مشرکین موت سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا یہ بے اصل دیندار ڈرتے ہیں۔

عزیزان اسلام! آپ موجودہ مسلمانوں کا ہندوؤں، انگریزوں اور جاپانیوں سے مقابلہ کرکے اس آیت کی صداقت کا اندازہ کر لیجئے، وہ کافر ہو کر جان و مال کی قربانی میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں مگر ہم دیندار کہلا کر ہر میدان میں اُن سے شکست کھا رہے ہیں۔ سچ پوچھئے تو اب حالت یہ ہو گئی ہے ؎

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جمے رنگِ وعظِ مذہب
قلوب شیطاں کے متّبع ہیں، زبان قرآن پہ چل رہی ہے

مسلمانو! اپنے دین کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھو، اگر تم محض رسموں کی پوجا کر رہے ہو تو یہ امید نہ رکھو کہ تمہیں دینداروں کی برکات حاصل ہو جائیں گی۔ دین کو سمجھو اور سچائی کے ساتھ اس کے اصل مطلب پر عمل کرو۔ پھر خدا تعالیٰ ضرور تمہاری امداد کرے گا۔

(بقیہ صفحہ ۲۴۰)

اور مقامات مقدسہ کو بے پناہ کر دیا۔ آج یہاں ہمارے بھائی مسلم لیڈروں کی دینداری پر اعتراض کر رہے ہیں مگر جن کے پیچھے چل رہے ہیں وہ منکر اور بد عقیدہ بھی ہیں۔ جو مولوی قصے کہانیاں سنائے، آپ اُس کے پاؤں چومتے ہیں لیکن جو کارکن عمل کا نمونہ پیش کرے، آپ اس کی بات بھی نہیں سنتے۔ مسلمان نونہال باپ کا جائز کہا بھی نہیں مانتے مگر دوستوں کی ناجائز بات سے بھی انکار نہیں کرتے۔ عزیزو! بے سمجھی کے نشے سے نکلو اور اچھے برے کی تمیز کرو۔ دشمنوں کی ظاہرداری پر فریفتہ ہو کر اپنے ہمدردوں اور اپنے قومی فائدوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔

Marfat.com

۹۷۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ
کہدو جو شخص ہو دشمن جبریل کا پس اس نے اتارا ہے قرآن کو
عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
اوپر دل تیرے کے، ساتھ حکم اللہ کے، تصدیق کرتا اُسکی جو آگے ہے اُسکے
وَهُدًى (اور ہدایت) وَبُشْرَىٰ (اور بشارت) لِلْمُؤْمِنِينَ (واسطے مومنوں کے)

آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے۔ اے پیغمبر! جو شخص جبریل کا دشمن ہے، اس سے کہہ دو کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو جبریل نے خدا کے حکم سے آپ کے دل پر اتارا ہے، یہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور یہ انسان کے لئے ہدایت اور مومنوں کے لئے خوشخبری ہے۔

عزیزانِ اسلام! بات کا پہلا چلاؤ یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہود کو قبولِ اسلام کی دعوت دیتے تھے اور وہ انکار کرتے تھے۔ اب انہوں نے انکار کا یہ بہانا بنایا کہ چونکہ قرآن کا لانے والا فرشتہ، جبرئیل ہمارا دشمن ہے۔ اس واسطے ہم اسلام قبول نہیں کرینگے۔ چونکہ جبرئیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا دوسرے نبیوں کے پاس عذاب کی خبریں لایا کرتا تھا اور یہودیوں کی خرابیاں بیان کرتا تھا، اس واسطے یہودی اس کو اپنا قومی دشمن سمجھتے تھے۔ آج کی آیت میں قرآن نے یہ بتایا ہے کہ جاہلانہ تعصب کے باعث یہود کے دل و دماغ کی حالت کس قدر بُری ہو چکی تھی۔ آیت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ قرآن میں چار خوبیاں ایسی تھیں کہ وہ یہودیوں کو صاف صاف نظر آرہی تھیں۔ ایک یہ کہ قرآن اللہ کے حکم سے اتارا جارہا تھا۔ دوسرے یہ کہ قرآن، حضرت موسیٰ ع کی شان اور توریت کی سچائی کو ثابت کرتا تھا اور یہ بات بھی یہودیوں کے حق میں جاتی تھی۔ تیسرے یہ کہ قرآن سچائی اور ہدایت کے اصول سمجھاتا تھا اور چوتھے یہ کہ قرآن، ایمان لانے والوں کے لئے فتح کی خوشخبری دینا

Marfat.com

تھا۔ جب یہودیوں کو قرآن کی یہ ساری خوبیاں اور بزرگیاں معلوم ہوگئیں تو وہ کہنے لگے کہ چونکہ اس کے لانے والا فرشتہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے۔ اس واسطے ہم اسے نہیں مانیں گے۔ غور کیجئے کہ یہ کس قدر قابل شرم جہالت اور تعصب ہے؟

عزیزان اسلام! افسوس کہ اب بے شمار مسلمانوں کو بھی اسی تعصب نے بالکل اندھا کر رکھا ہے۔ ایک شخص نے بڑا ہی اچھا وعظ کیا، تمام شہر میں دھوم مچ گئی، ایک ایک شخص تعریف کر رہا تھا۔ اُسی وقت یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص وہابی تھا، اب بچہ بچہ اس کو گالیاں دیتا تھا کہ اُس نے ہماری نماز خراب کردی۔ ایک بوڑھا آدمی بازار سے گزر رہا تھا، ایک شخص بولا، دیکھو کیسی نورانی صورت ہے، دکاندار نے کہا، اجی یہ تو مرزائی ہے۔ اب تعریف کرنے والا چپ ہوگیا اور دو ایک منٹ کے بعد بولا تبھی اس کے منہ پر پھٹکار برس رہی تھی۔ اگر کوئی شخص ہمارے اپنے فرقے کا ہے تو ہم اس کے غلط کو بھی صحیح سمجھتے ہیں لیکن اگر مخالف ہے تو وہ پانچ نمازیں بھی کہے تو کبھی نہیں مانیں گے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں ؎

ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے ۔۔۔ کہ جو کام دینی ہے یا دنیوی ہے
مخالف کی ریس اسمیں کرنی بُری ہے ۔۔۔ نشاں غیرتِ دینِ حق کا یہی ہے
نہ ٹھیک اس کی ہرگز کوئی بات سمجھو ۔۔۔ وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو
قدم گر رہِ راست پر اس کا پاؤ ۔۔۔ تو تم سیدھے رستے سے کترا کے جاؤ
لگیں جسقدر ٹھوکریں اس میں کھاؤ ۔۔۔ پڑیں جس قدر دقتیں وہ اُٹھاؤ
جہاز اس کا بچ کر جو نکلے بھنور سے ۔۔۔ تو تم ڈال دو ناؤ اندر بھنور کے

مسلمانو! تمہاری انہی فرقہ بندیوں نے تمہاری اخلاقی اور عقلی قوت تباہ کر رکھی ہے اس سے بچ جاؤ تو پھر اسلام کی شان ظاہر ہوگی۔

Marfat.com

۹۸۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ
جو شخص ہوگا دشمن اللہ کا اور اس کے ملائکہ کا اور اسکے رسولوں کا اور جبریل کا
وَمِيْكٰىلَ (اور میکائیل کا) فَاِنَّ اللّٰهَ (پس بیشک اللہ) عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ (دشمن ہے
کافروں کا)۔ آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور رسولوں
اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو، اُسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ خدا بھی اس کا دشمن ہے۔

عزیزانِ اسلام! خدا کے نبی، تمام آسمانی کتابیں اور خدا کے تمام فرشتے، ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ جو شخص ایک کڑی کا انکار کردے وہ گویا ایسا ہے کہ اس نے ساری زنجیر کو توڑ دیا۔ مثال اس کی یہ ہے۔ فرض کیجئے، محکمہ مال میں چپڑاسی، پٹواری۔ گرداور، تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر وغیرہ ملازموں کا ایک سلسلہ ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو یہ کہے کہ میں ڈپٹی کمشنر کو تو مانتا ہوں مگر چونکہ اس کے چپڑاسی کے ساتھ میری دشمنی ہے اس لئے اگر کوئی حکم چپڑاسی کے ذریعے بھیجا گیا تو میں نہیں مانوں گا تو ایسے آدمی کے متعلق یہی سمجھا جائیگا کہ اس نے افسر اعلیٰ کا حکم نہیں مانا اور محکمہ مال کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے یہی حال محکمہ ہدایت کے نبیوں اور فرشتوں کا ہے۔ فرشتے خدا کی ہدایت کو نبیوں تک پہنچاتے ہیں اور نبی اس پیغام کو بندوں میں تبلیغ کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی ایک فرشتے یا ایک نبی سے انکار کردے تو وہ خدا کی نظر میں ایسا ہے کہ گویا اس نے سارے سلسلے کا انکار کر دیا۔ یہودی لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم جبرئیل کے دشمن ہیں۔ خدا نے اس کا جواب یہ دیا کہ اس کے معنی ہیں کہ تم تمام نظام ہدایت کے دشمن ہو اور اسکے یہ معنی ہیں کہ خود خدا کے دشمن ہو، پس تیار ہو جاؤ خدا تمہیں اس دشمنی کا ضرور بدلہ دیگا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ جیسی دشمنی کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا قانون سزا و جزا انہیں اس دشمنی کا ویسا ہی بدلہ دیتا ہے

Marfat.com

پیغمبر اسلام کو تسلّی (۱۲۹) مخالفتِ فاسقین سے متاثر نہ ہو

۹۹۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ج وَمَا یَکْفُرُ
اور بے شک ہم نے بھیجیں طرف تیری روشن دلیلیں، اور نہیں انکار کرتا

بِھَآ (اس سے) اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ (سوائے نافرمانوں کے)o یعنی اے رسول! یقین کرو ہم نے تم پر سچائی کی روشن دلیلیں بھیجی ہیں اور ان سے وہی انکار کرتے ہیں جو آئین پر چلنا نہیں چاہتے۔ فاسقین کے معنی ہیں "بے آئین" یعنی وہ لوگ جنھوں نے تینوں قسم کی حدیں توڑ رکھی ہوں، فطرت کی، شریعت کی، آپس کی پنچایتی قرار دادوں کی۔ یہ کس قدر عبرتناک بات ہے، کبھی مسلمان، مسلم تھے یعنی آئین الٰہی کے پابند، اُس وقت انہیں یہود کی بے آئینیاں سنائی جاتی تھیں۔ مگر آج خود مسلمان بے آئین بنتے چلے جا رہے ہیں۔

یہاں پچھلی آیتوں کی ترتیب پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ ۴۰ ویں آیت سے یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ کہہ کر براہ راست یہودیوں سے خطاب کیا ہے اور سیدھے انہی کو حکم دیئے ہیں مثلاً "تم سچ کو جھوٹ میں نہ ملاؤ" یا "تم صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو" یا "وہ وقت یاد کرو جبکہ تمہیں فرعون سے بچایا گیا" ۷۴ ویں آیت تک یہی صورت ہے اور پھر ۷۵ ویں آیت سے خطاب مسلمانوں سے ہے مگر ذکر انہیں یہودیوں ہی کا سنایا جا رہا ہے، مثلاً "وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے"۔ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم صرف چند روز دوزخ میں جائیں گے"۔ یہاں قَالُوْا (وہ کہتے ہیں) قُلْ (تم یہ جواب دو) کی صورت میں مسلمانوں کی زبان سے انہیں جوابات دلائے گئے ہیں اور ۹۶ ویں آیت تک یہی صورت ہے۔ اب ننانوے آیت سے پھر سلسلہ کلام بدلا گیا ہے یعنی پیغمبر اسلام سے خطاب ہے اور انہیں یہودیوں کی نافرمانی کا ذکر سنا کر تسلّی دی گئی ہے۔ اس کے بعد پھر ۱۰۴ ویں آیت سے اُمت مسلمہ سے خطاب شروع ہوگا۔

Marfat.com

۱۰۰- اَوَ کُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ

کیا ایسا نہیں ہوا جب کبھی انہوں نے عہد کیا کوئی عہد پھینک دیا اسکو ایک گروہ نے

مِّنْهُمْ (ان میں سے) بَلْ (ہاں تو) اَكْثَرُهُمْ (انکی اکثریت) لَا يُؤْمِنُوْنَ (نہیں ایمان لانے والے)

پیغمبر اسلام کو تسلّی دی جا رہی ہے، اے رسول! آپ یہودیوں کے انکار سے غمگین نہ ہوں ان کا تو شروع سے یہی حال ہے، یہ لوگ جب کبھی اتباعِ حق کا اقرار کرتے تو ان کا کوئی نہ کوئی گروہ اسے ضرور توڑ دیتا، اور اصل بات یہ ہے کہ ان کی اکثریت ایمان سے خالی ہے

عزیزانِ اسلام! خدمتِ دین کا کام کرنے والوں کو اس آیت سے سبق سیکھنا چاہئے اکثر مجمعوں میں کئی لوگ وعدہ کر لیتے ہیں، ہم نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے، جلسے کا انتظام کریں گے، دوسرے لوگوں کو سمجھائیں گے، قومی چندہ جمع کرینگے، وغیرہ وغیرہ۔ اس پر قومی کارکن بہت خوش ہو جاتے ہیں اور تسلّی پاکر گھر چلے آتے ہیں مگر اقرار کرنے والے لوگ مجلس سے اٹھتے ہی بھول جاتے ہیں اور ایک بات میں بھی اپنا وعدہ پورا نہیں کرتے۔ اس سے ان کا دل بہت بجھ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ساری باتیں نہ صرف پیغمبر اسلام بلکہ تمام پہلے نبیوں پر بھی اسی طرح گذر چکی ہیں۔ بنی اسرائیل کا تو گویا یہ پیشہ تھا، وہ اطاعت کا اقرار کر لیتے تھے لیکن دوسرے ہی دن ان میں پارٹی بازی ہو جاتی اور ایک جماعت اطاعت سے صاف مکر جاتی تھی۔ آپ پوچھیں گے کہ صاف اقرار کے بعد کیوں مکر جاتی؟ قرآن کہتا ہے، بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ صرف اس لئے کہ قوم کے زیادہ لوگ بے ایمان تھے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں قرآن پاک نے ایک بہت اونچی حقیقت بیان کی ہے۔ قرآن نے یہ کہا ہے کہ جن قوموں میں کسی ایک فرد کو یا کسی ایک جماعت کو اپنے قومی عہد سے الگ ہو کر اپنی راہ چلنے کی جرأت ہوتی ہے تو اس کی اصل وجہ یہ سمجھو کہ قوم کی

Marfat.com

اکثریت نکمی ہوچکی ہے، ایمان سے خالی ہوچکی ہے اور رائے عامہ کے اندر محاسبہ کرنے کی طاقت باقی نہیں رہی۔ ایسی ہی قوم میں کوئی شخص نہ قومی نصب العین کی پروا کرتا ہے، نہ قومی عہد کی آپ لاکھ کوشش سے اپنے متحدہ قومی مطالبات پیش کیجئے، آپ کے اندر ہی کوئی جماعت اسکی تردید کے لئے کھڑی ہوجائیگی۔ ایسی قوموں میں جو شخص چاہے، نبی بن جاتے، جو چاہے مذہب اور شریعت کی خلاف ورزی کرے، جو چاہے، اخلاقی حدوں کو توڑے، کچھ علاج نہیں ہوسکتا جب یہودی لوگ ذلت کی غاروں میں گر گئے تو ان کا یہی حال تھا۔ ایک دن ساری قوم جمع ہوکر ایک ریزولیوشن پاس کرتی تھی یا قومی پروگرام بناتی تھی مگر دوسرے دن انہی میں سے چند آدمی مخالفت کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے اور وہ سارا پروگرام دھرے کا دھرا رہ جاتا تھا۔ کیوں؟ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ وجہ یہ کہ ان کی اکثریت کھوکھلی ہوچکی تھی۔

عزیزان اسلام! آپ اللہ کیلئے سوچیئے، قرآن پاک کی یہ آیت ہم مسلمانوں پر کس قدر چسپاں ہو رہی ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے ہندو یا انگریز کے سامنے کوئی مطالبہ پیش کیا ہو اور خود آپ ہی کے بھائیوں نے اس کی مخالفت نہ کردی ہو۔ آپ آج ایک قرارداد پاس کرتے ہیں اور اگلے دن منتظموں ہی کی ایک پارٹی اس کی مخالفت کردیتی ہے۔ باپ ایک بات کہتا ہے تو بیٹا مخالفت کردیتا ہے۔ آج ایک پروگرام طے ہوتا ہے اور دوسرے ہی دن طے کرنے والے خود ہی اُسے دفن کر ڈالتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ ہم کسی وعدہ، کسی اصول اور کسی پروگرام پر کھڑے نہیں ہوتے؟ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ہماری اکثریت کھوکھلی ہوچکی ہے۔ وعدہ توڑنے والوں کو یہ ڈر باقی نہیں رہا کہ اکثریت ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ یہ حد ہے کہ اگر کوئی مسلمان نبوت کا دعوےٰ بھی کردے تو ایک فریق اسکے ساتھ ہوجاتا ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ یہود میں ایسا نہیں ہوا ہوگا! اس ساری مصیبت کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے قومی نظام کو قائم کیجئے اور اپنی رائے عامہ کو اس قدر مضبوط بنائیے کہ کسی ایک فرقہ یا فرد میں جرأت ہی باقی نہ رہے کہ وہ آپکے قومی عہد کی خلاف ورزی کرے۔

Marfat.com

پیغمبر اسلام کو تسلّی (۱۳۱) حق ناشناسی ہیں کمال

۱۰۱- وَ لَمَّا جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا
اور جب آیا اُن کے پاس رسول خدا کے ہاں سے تصدیق کرتا ہوا اسکی جو
مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ
پاس تھا انکے پھینک دی ایک گروہ نے جن کو دی گئی تھی کتاب، اللہ کی کتاب پیچھے
ظُهُوْرِهِمْ (پیٹھ اپنی کے) كَاَنَّهُمْ (گویا کہ وہ سب) لَا يَعْلَمُوْنَ (جانتے ہی نہیں)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا عقلی زوال کس حد تک پہنچ چکا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ اُن کے پاس اس لئے آئے تھے تاکہ وہ اُسی توریت کی جو اُن کے پاس موجود تھی، تصدیق کریں، مگر یہودیوں کا حال یہ کہ وہ خود ہی اپنی سچائی کے گواہ کو ردّ کر دیتے ہیں اور انہی میں سے ایک گروہ نے کتاب الٰہی کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا کہ گویا وہ اس سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم بے نظام ہو جاتی ہے جب کسی قوم کی اکثریت کھوکھلی ہو جاتی ہے، جب کسی قوم میں کوئی ایسا لیڈر یا پارٹی باقی نہیں رہتی جو اس قوم پر ضبط قائم رکھے، تو پھر اس قوم میں نہ تو کوئی زندگی باقی رہتی ہے اور نہ اصول۔ جماعتی زندگی کی حدیں پرزہ پرزہ ہو جاتی ہیں، ہر شخص اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ یہ شترِ بے مہاری یہاں تک پہنچتی ہے کہ پیاسا ہونے کے باوجود وہ پانی کو ٹھکرا دیتے ہیں اور نہیں سمجھتے۔ وہ دشمن کے ہاتھوں کھیل کر اپنے ہمدردوں اور اور خیر خواہوں کو قتل کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے۔ وہ مرتے وقت بھی شور مچاتے ہیں کہ ہم زندہ ہو رہے ہیں۔ کیا آج خود مسلمانوں کی یہی حالت نہیں مسلم البانیہ نے ترکوں سے تو بغاوت کی مگر اٹلی پر اعتماد کر لیا۔ فلسطین نے ترکوں پر تلوار چلائی اور انگریزوں کے وعدے پر ریجھ گئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے انگریزوں کو فوجی بھرتی دی۔ (باقی ص۲۴۳)

Marfat.com

پیغمبر اسلام کو تسلّی (۱۳۲) مردہ قوم کا دین جادو

۱۰۲- وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ

اور وہ اتباع کرنے لگے اسکی جو پڑھاتے تھے شیطان منسوب کرکے ملک سلیمان کیطرف

یہاں سے یہود کے دینی اور عقلی زوال کے آخری دور کا بیان شروع ہوا ہے، یعنی انہوں نے قانون فطرت کی پیروی چھوڑ دی اور ان چیزوں کا اتباع شروع کر دیا جنہیں شیطان (آدمی) حضرت سلیمان ؑ کے عہد سلطنت کی طرف منسوب کرکے پڑھا پڑھایا کرتے تھے، یعنی جادو، ٹونا، تعویذ، دم پھونک، فال، حاضرات وغیرہ۔ جب دین کی اصلی حقیقت گم ہو جاتی ہے، جب دین مر جاتا ہے تو پھر جاہل اور مردہ قوم دینی اصولوں کی جگہ جن چیزوں کو اپنا دین بنا لیتی ہے، وہ یہی توہم پرستیاں ہوتی ہیں۔ جب یہود نے دین کی حقیقت ضائع کر دی تو وہ توہم پرستی کرنے لگے اور ساتھ ہی ان کے جواز کا اپنی دینی کتابوں سے فتوے لے لیا، جیسا کہ آیت بتاتی ہے، انہوں نے حضرت سلیمان کے نام سے ان چیزوں کو رواج عام نے دے دیا۔ آپ اپنے ہاں بھی یہی دیکھیں گے، حضرت سلیمان ؑ یوسف ؑ، جعفر صادق، خضر ؑ بلکہ خود پیغمبر اسلام کے نام سے ہزاروں قسم کے فالنامے تعبیر نامے، تعویذ اور دم درود جاری ہیں۔ اگر کسی شاذ موقع پر پیغمبر اسلام نے لعاب دہن لگا دیا ہو، یا دعا کرکے کسی بیمار کو پانی پلایا ہو تو یہ رسول اللہ کا اظہار شفقت و رحمت تھا کسی اُمتی کے حق میں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موجودہ زمانے کی تعویذ بازیاں اور دم پھونکیں بھی کوئی اسلامی اصول ہیں جنکی تعلیم بطور اصول دین کے پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو تعلیم دی تھی

عزیزان اسلام! خدائی کلام کی موت کا یہ آخری درجہ ہے۔ آیتیں تو اس لئے اتاری جاتی ہیں کہ انہیں سمجھ کر احکام کی تعمیل کی جائے مگر مردہ قوم، تعمیل کرنے کی بجائے انہیں لکھکر گلے سے لٹکا لیتی ہے یا حکم کے الفاظ کو وظیفہ سمجھ کر اور تسبیح لے کر رٹنا شروع کر دیتی ہے۔

Marfat.com

ایک مثال کے ذریعے دین اور جادو کا فرق سمجھیں، ایک طبیب نے بیمار کو نسخہ لکھ دیا، دین یہ ہے کہ بیمار نسخہ کے مطابق دوائیں خریدے، دوا بنائے اور استعمال کرے۔ اور جادو یہ ہے کہ وہ نسخے کے کاغذ کو گلے سے لٹکالے یا تسبیح لے کر دواؤں کا نام رٹنے لگے۔ یہودی قوم جب مرگئی تو اس نے آیات توریت کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ اب مسلمان، قرآنی آیات کے ساتھ یہی کر رہے ہیں

عزیزان اسلام! آیت میں جادو گنڈے والوں کو شیطان کہا گیا ہے، شیطان کا مطلب شرارتی مکار، پاکھنڈی اور فریبی۔ یہ اس لئے کہ ان شیطانوں کے دعوے، ٹونے اور ٹوٹکے دراصل ان کے ذاتی مکروفریب، یا جہالت ووہم پرستی کی پیداوار ہوتے ہیں مگر وہ انہیں پڑھتے اور پڑھاتے حضرت سلیمانؑ (وغیرہ) کے نام سے ہیں، جب وہ خود تعویذ بناتے ہیں تو اسے "نقش سلیمانی" کہتے ہیں، اپنی انگوٹھی کو مہر سلیمانی کہتے ہیں، اسی طرح حب سلیمانی، آئینہ سلیمانی اور جادوئے سلیمانی کا نام استعمال کرکے جاہلوں کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ یہ چیزیں ہم کو حضرت سلیمانؑ سے سینہ بہ سینہ پہنچی ہیں۔ عزیزان اسلام! حضرت موسیٰؑ یا پیغمبر اسلام کے دین کا پیغام یہ تھا کہ ایمان لاؤ، نیک کام کرو، قوت بازو سے کام لو اور خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب سے فائدہ اٹھاؤ۔ مگر مردہ قوم کا ایسی زندہ تعلیم پر دل نہیں جمتا، وہ یہ چاہتی ہے کہ صرف لفظی وظیفوں، تعویذوں اور ٹونوں کا آسرا لے کر کامیاب ہو جائے، وہ زندہ خدا کا دروازہ چھوڑ دیتی ہے اور مردہ پتھروں اور مٹی کے ڈھیروں سے مرادیں مانگتی ہے۔ آپ خود ہی غور کیجئے، ایک زندہ، طاقتور اور باسمجھ انسان کے لئے یہ کس قدر شرمناک بات ہے کہ وہ پتھروں، قبروں اور تعویذ دھاگوں کے پیچھے مارا مارا پھرے۔ خدا تعالیٰ نے جتنی بھی نعمتیں پیدا کیں ہیں، اُن کو حاصل کرنے کے اسباب اور طریقے بھی پیدا کر دیئے ہیں، مثلاً خدا کا قانون ہے کہ مرد اور عورت کے ملاپ سے اولاد اور کھیتی باڑی سے غلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اب صالح قومیں ان ذریعوں سے کام لیکر اولاد، دولت، صحت، عزت اور حکومت حاصل کر لیتی ہیں مگر غیر صالح قومیں، فقیروں، قبروں اور عاملوں کے پیچھے دوڑتی ہیں تاکہ بیٹھے بیٹھے انہیں یہ سب کچھ

حاصل ہو جائے۔ ایک زمانہ میں یہودی لوگوں کا یہ حال تھا، افسوس کہ اب مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔

Marfat.com

وَ مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق

اور نہیں کفر کیا سلیمان نے مگر شیطانوں نے کفر کیا وہ سکھاتے ہیں لوگوں کو جادو

کفر کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کسی آیت یا حکم کے ماننے سے انکار کر دیں۔ دوسری یہ کہ آپ تعمیل حکم اس طرح کریں کہ حکم کی اصل علّت یا مقصد بالکل زائل ہو جائے۔ مثلاً منافقین کی نماز۔ نمازی ہونیکے باوجود انہیں خدانے کافر ہی قرار دیا ہے' وہ لوگ جن کا دین' جادو کی شکل اختیار کر لیتا ہے' ان کی صورت بھی یہی ہوتی ہے۔ مثلاً آیت قرآنی یہ ہے کہ آپ کم نہ تولیں' اب اگر ایک شخص برابر کم تولے اور ساتھ ہی "وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ" کو لکھ کر گلے سے لٹکالے یا بطور وظیفہ کے رٹنا شروع کر دے تو وہ کفر حکم کے وبال سے بری نہیں ہو سکتا۔ آج کی آیت سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔ (۱) جادو ٹونے کی باتیں کرنا اور اُن پر اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ (۲) مکار عالموں کا یہ قول کہ جادو ٹونے کا علم حضرت سلیمانؑ نے جاری کیا ہے' غلط ہے' مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ۔ (۳) جس طرح شیطان لوگوں کے دلوں میں وہم ڈالتا اور مکر و فریب سے انہیں دھوکا دیتا ہے' اُسی طرح جادو ٹونے کی باتیں بھی شیطان کا وہم اور دھوکا ہیں۔ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ شیطان ہیں جو جادو ٹونے کی کافرانہ باتیں کرتے اور سکھاتے ہیں۔

عزیزانِ اسلام! قرآن نے پیروانِ جادو کے لئے کافر اور شیطان کا لفظ استعمال کیا ہے یہ کیوں؟ اگر کوئی شخص آپ سے پانچ روپے نذرانہ وصول کرلے اور پھر کہے کہ آپ دس راتیں بالکل ننگ دھڑنگ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر یَا رَازِقُ کا وظیفہ کریں' گیارھویں رات آپ کے سامنے بہشتی کھانے آجائیں گے تو پھر بتائیے کہ ایسا شخص مکّار' شرارتی اور شیطان ہے یا نہیں؟ شرارتی اس لئے کہ اس نے آپ کو ننگا کر کے ایک فضول وہم پرستی میں ڈال دیا۔ مکّار

اس لئے کہ وہ پانچ روپے ناحق اُڑا لے گیا اور شیطان اس لئے کہ اس نے خدا کے نام کو اپنی پیٹ پوجا کے لئے آڑ بنایا۔ ٹونے ٹوٹکے اور تعویذ دھاگا کرنے والے تمام لوگ تقریباً ایسے ہی مکار ہوتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ قرآن نے ان لوگوں کو کافر کیوں کہا؟ خدا کا قانون اور اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی ہدایتوں پر عمل کریں، خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ذریعوں سے کام لیں تو آپ اولاد، دولت، بیوی اور ہر قسم کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر پروردگار عالم کے اس فیصلے کے خلاف ٹونے ٹوٹکے کرنے والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم سے تعویذ لے لو، بیوی مل جائے گی۔ فلاں آیت یا منتر یا وظیفہ جمعرات کے دن پڑھا کرو، امتحان میں پاس ہو جاؤ گے، ہماری دی ہوئی بتیاں فلاں وقت جلایا کرو، تمہارا دشمن زیر ہو جائیگا۔ یا تمہارا دوست خود بے قرار ہو کر تمہارے پاس آجائے گا۔ اب آپ خود ہی فرمایئے کہ ایسی باتوں پر اعتقاد کر لینا قانون قدرت اور تعلیم الٰہی سے انکار ہے یا نہیں؟ اے عزیزو! چونکہ قرآن پاک نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ فلاں وظیفے کو دس ہزار دفعہ پڑھنے سے اولاد یا خزانہ مل جاتا ہے۔ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی کہیں یہ نہیں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے طریقوں کے سوا بھی اولاد یا خزانہ یا فتح مندی حاصل ہو سکتی ہے اس واسطے جو لوگ ایسے کرتے ہیں، وہ نبیوں کی تعلیم کے رد کرنے والے ہیں اور اس لئے کافر ہیں۔

عزیزان اسلام! اگر آپ کے پاس کوئی ایسا وظیفہ ہے جس سے دشمنوں کو ہلاک کیا جا سکتا ہے تو آپ اس کو اٹلی کے خلاف کیوں نہیں برتتے جس نے البانیہ کی اسلامی سلطنت پر قبضہ کر لیا ہے؟ اگر آپ کے پاس کوئی ایسی آیت ہے جس کو دس ہزار دفعہ پڑھنے سے فتح حاصل ہو سکتی ہے تو پھر آپ یہودیوں اور انگریزوں کو فلسطین سے کیوں نہیں نکالتے؟ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ پیر فقیر، نجومی اور عامل جو دوسرے لوگوں کو رزق اور خزانہ دلا رہے ہیں اپنے وظیفوں پر خود عمل کر کے کیوں خزانوں کے مالک نہیں بن جاتے؟

Marfat.com

وَ مَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ

اور نہیں اتارا اوپر فرشتوں کے بابل میں ہاروت اور ماروت پر

مولانا ابوالکلام آزاد نے آیت کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔ "اور یہ بھی صحیح نہیں کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اس طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی"۔

عزیزانِ اسلام! بتایا یہ جا رہا ہے کہ یہودیوں میں یہ ہمت اور جرأت نہ تھی کہ وہ پہاڑوں کو چیر کر دولت نکالتے، سمندروں کو طے کرکے تجارت کو ترقی دیتے، ظالموں سے جنگ کرکے اپنی بادشاہی قائم کرتے اور خدا کے حکموں پر عمل کرکے دنیا اور آخرت کے سردار ہو جاتے۔ اس واسطے انہوں نے مکاریوں کا جال بچھا دیا اور پست ہمت بن کر یہ خواب دیکھنا شروع کیا کہ فال، تعویذ، خواب نامے، جادو اور ٹونے ٹوٹکوں کے ذریعے سے زندگی کی کامرانیاں اور غلبہ حاصل کرلیں۔ یہ حالت اس قوم کی ہوتی ہے جو نہایت ہی ناکارہ اور مُردہ ہو چکی ہو۔ اب پیغمبر اسلام سے کہا جا رہا ہے کہ ایسی گئی گذری قوم قرآن حکیم کی مردانہ تعلیم اور بہادرانہ اصولوں کی پیروی کس طرح کر سکتی ہے؟

عزیزانِ اسلام! شیطان آدمیوں نے جادو اور ٹونے کی بے اصل باتیں پھیلانے کے لئے دو روایتیں گھڑ رکھی تھیں۔ ایک یہ کہ علم حضرت سلیمانؑ سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ نے بابل میں ہاروت اور ماروت نامی جو دو فرشتے آتا رے تھے یہ علم انہوں نے سکھایا ہے۔ اب قرآن نے جادو کے سارے سلسلے کو رد کرنے کے لئے سب سے پہلے انہی دونوں کہانیوں کی جڑ ماری ہے، پہلے فرمایا، "مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ" سلیمان نے یہ کفر نہیں کیا، پھر یہ کہا، "وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ"، اور نہ کوئی ایسا علم بابل میں ہاروت اور ماروت فرشتوں پر اتارا گیا ہے۔ آپ یہاں ہاروت و

Marfat.com

ماروت کا من گھڑت قصہ بھی سن لیجئے۔ یہودی لوگ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے خدا کے ہاں اپنی پاکبازگی پر گھمنڈ کیا اور انسان کی ناشکری کا تمسخر اڑایا۔ اس پر خدا نے حکم دیا کہ تم دو سب سے اچھے فرشتے پیش کرو جن کی پاکبازگی پر تم کو بڑا دعویٰ ہو۔ فرشتوں نے ہاروت اور ماروت کو پیش کیا، تب خدا تعالیٰ نے انسانی صورت میں انہیں زمین پر بھیج دیا۔ زمین پر پہنچتے ہی یہ دونوں ایک عورت کی محبت میں پڑکر بدکاریوں میں مبتلا ہو گئے اور اس پر اسم اعظم کا بھید بھی کھول دیا جس سے وہ عورت تو آسمان پر جاکر زہرہ ستارہ بن گئی اور یہ دونوں فرشتے بابل کے کسی کنوئیں میں لٹکے ہوئے لوگوں کو جادو سکھا رہے ہیں اور اب سزا کے طور پر ساری دُنیا کا دھواں ان کے نتھنوں سے گزر رہا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جادو سکھانے والی بات سراسر غلط ہے۔ جادو کوئی علم نہیں جو ہاروت ماروت پر آتارا گیا ہے۔

عزیزان اسلام! جس طرح بعض شیطان آدمی حضرت سلیمانؑ اور ہاروت اور ماروت فرشتوں کا نام لے کر کئی قسم کے جھوٹے پاکھنڈ چلا رہے ہیں اور روپیہ پیسہ اکٹھا کر رہے ہیں، اسی طرح مسلمانوں میں بھی ہزارہا پاکھنڈی پیر اور فقیر ایسے ہیں جو قرآن، حدیث، حضرت علیؓ اور حضرت غوث اعظمؒ کا نام لے کر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور روپیہ پیسہ جمع کرنے میں مشغول ہیں۔ کوئی سوا روپیہ لیتا ہے اور تعویذ دیتا ہے۔ کوئی فالنامے دیکھتا ہے اور نذرانے وصول کرتا ہے۔ کوئی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر پیش گوئیاں کرتا ہے۔ کوئی مٹی کی چٹکی پر دم کر کے مصیبت زدہ بیماروں کو اُلّو بنا رہا ہے۔ کوئی کیمیاگر بن کر اور پیتل کو سونا بنا دینے کا جھانسہ دے کر لوگوں کو لوٹ رہا ہے اور اس معاملے میں قرآن، حضرت سلیمانؑ، حضرت علی رضؓ اور حضرت جعفر رضؓ کا نام صرف اس لئے لیا جاتا ہے تاکہ لوگ اعتقاد جمالیں۔ عزیزو! یہ سب فریب کاریاں ہیں، ان سے بچ جائیے، توحید کو قائم کیجئے۔ خدا کی ہدایتوں پر چلنے کامیابی کی یہی راہ ہے۔

Marfat.com

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ
اور نہیں وہ سکھاتے تھے کسی کو بھی حتیٰ کہ وہ کہہ دیتے بے شک ہم امتحان میں
فَلَا تَكْفُرْ ط (پس نہ کافر ہو)۔ یہود ہی کے خرافات کی تردید ہو رہی ہے، وہ کہتے تھے، "ہاروت اور ماروت جو کچھ بھی کسی کو سکھاتے تھے تو یہ کہے بغیر نہ سکھاتے تھے کہ دیکھو ہمارا وجود تو ایک فتنہ ہے، پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو؟ (یعنی جادوگری کی باتوں کا برا ہونا ایک ایسی مانی ہوئی بات ہے کہ جو لوگ اس کے سکھلانے والے تھے، وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ بات خدا پرستی کے خلاف ہے)[1]۔ قرآن، یہود کی یہ بات پیش کرکے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ اے یہود! جب تمہارے بیان کے مطابق ہاروت اور ماروت جو اس جادوگری کے بانی ہیں، خود ہی یہ کہہ دیتے تھے کہ جادو مت سیکھو اور کافر مت بنو۔ تو اب تم کیوں جادو پر اعتقاد رکھتے اور کافر بنتے ہو اور پیغمبر اسلام پر ایمان نہیں لاتے؟

عزیزانِ اسلام! یہودی لوگ کتنے بے دماغ تھے کہ وہ نبیؑ کو نہیں مانتے تھے مگر ساحروں کو مانتے تھے، قرآن پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے مگر جادو پر اعتقاد رکھتے تھے، صرف اسی جھانسے میں کہ بعض شیطانوں نے یہ بے اصل بات مشہور کر دی ہے کہ جادو کا علم حضرت سلیمانؑ یا ہاروت ماروت کے زمانے میں اتارا گیا ہے۔ اب بھی ہزاروں بے سمجھ اور بے دین لوگ اسی چکر میں پڑ کر جادو کو سچا علم سمجھے ہوئے ہیں اور جب بھی کوئی شیطان اُن سے کہتا ہے کہ پانچ روپے لاؤ، ایک چاندی کا زیور لاؤ، دس قسم کے درختوں کے پتے لاؤ اور یہ ساری چیزیں جمعرات کے دن سورج نکلنے سے پہلے جمع کر دو تو میں تمہیں ایک ایسا تعویذ دوں گا جس سے تم جاتے ہی مقدمہ جیت جاؤ گے، امتحان میں پاس ہو جاؤ گے، بیوی مل جائے گی، لڑکا پیدا ہوگا تو یہ جہلاء ان سب باتوں کو مان لیتے ہیں اور زیور اور بکری اور مٹھائیاں لا کر اس کے

[1] ترجمان القرآن مولانا ابو الکلام آزاد

سامنے ڈھیر کر دیتے ہیں۔ یہ انتہا ہے کہ بعض مولوی بھی جادو کو حقیقت سمجھتے ہیں، اور بعض نے قرآنی آیتوں کو تعویذ بنا کر اُن سے نہ صرف بنفشہ اور گاؤزبان کا بلکہ ہر مقصد براری کا اُسی طرح کام لینا شروع کر دیا ہے، جس طرح پنڈت لوگ وید منتروں سے کام لیتے ہیں، اگر کوئی شخص کہے کہ قرآن تو ایک حکمنامہ ہے جو عمل کے لئے اُترا ہے تو یہ اِس پر "بے ادب" ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، شاید آج تک اسلام کو اس سے بڑا نقصان کبھی نہیں پہنچا کہ اسلام کی قانونی کتاب کو علمائے سوء نے اپنی شکم پُری کے لئے تعویذوں، چلّوں، فالوں اور ورد وظیفوں کی کتاب بنا دیا ہے۔ آپ خود ہی غور فرمایئے کہ اگر عدالت یا پولیس والے تعزیراتِ ہند کو فالنامے کے طور پر استعمال کرنے لگیں تو حکومت انگریزی میں کیا طاقت باقی رہ سکتی ہے؟

اے عزیزانِ اسلام! آپ جاہل مسلمانوں کی حالت دیکھیئے، یہاں ایک بیوقوف شیطان آتا ہے اور کہتا ہے، تمہارے گھر میں خزانہ ہے، مَیں پتہ دوں گا۔ کوئی شیطان یہ کہتا ہے میرے پاس جِنّ قید ہے۔ کوئی شیطان کہتا ہے، مجھ کو حاضرات کا علم ہے۔ کوئی شیطان کہتا ہے، میں منتروں سے بیماری کا علاج کرتا ہوں۔ کوئی شیطان کہتا ہے، مَیں انگوٹھی کے ذریعے سے بزرگوں کی زیارتیں کراتا ہوں۔ کوئی شیطان کہتا ہے، مَیں بہشت سے کھانے منگوا سکتا ہوں مگر ہمارے بدقسمت جہلاء کی حالت یہ ہے کہ وہ ان مکّار عاملوں اور پیروں کی سب باتیں مان لیتے ہیں اور انہیں اپنے گھروں میں لے جاتے ہیں۔ پھر یہ مکّار عامل، پیر اور جوگی ان کے سامنے بیٹھ کر شرابیں پیتے ہیں، خدا و رسول کا مذاق اُڑاتے ہیں، دھونیاں دیتے ہیں، پھونکیں مارتے ہیں اور ہزاروں طرح کے پاکھنڈ کرتے ہیں۔ اور گھر والے لوگ ان پکھنڈوں پر ایسے مست ہو جاتے ہیں کہ انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا، وہ اپنے زیور اُن کے حوالے کر دیتے ہیں، کھانے کھلاتے ہیں، پھول اور عطر لالا کر دیتے ہیں۔ آخر تھوڑی دیر بعد اس پاکھنڈ کا نتیجہ نکل آتا ہے۔ کوئی پیر زیور لے کر بھاگ جاتا ہے اور کوئی عامل یا مولوی عورت کے ساتھ پکڑا جاتا ہے۔ خدا رحم کرے۔

Marfat.com

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِ

پس وہ سیکھتے ہیں ان دونوں سے کہ وہ جدائی ڈالتے ہیں اُس سے درمیان مرد اور عورت کے

هٖ ط وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ

اسکی، اور نہیں وہ نقصان پہنچانے والے اُس سے کسی کو سوائے ساتھ حکم

اللّٰهِ ط وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط

اللہ کے، اور وہ سیکھتے ہیں جو نقصان دے ان کو اور نہ نفع دے ان کو

اِس آیت میں اُس قوم کی ذہنیت بیان کی گئی ہے جو جادو پر اعتقاد رکھتی ہو۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہود، ہاروت اور ماروت سے صرف وہ باتیں سیکھتے تھے جن سے وہ مرد اور عورت میں جدائی ڈال سکیں یا جس سے کسی کو نقصان ہو مگر نفع کوئی نہ ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حکم خدا کے بغیر وہ کسی کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مطلب یہ کہ قوموں میں جادو ٹونا سیکھنے یا کرنے کرانے کی نوبت اسی وقت آتی ہے جبکہ افراد قوم کی ذہنیت تخریبی بن جائے، وہ مردانہ وار مقابلہ کر کے تو کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن حسد اور جلن کے مارے جادو ٹونے اور تعویذ دھاگا کرنے کرانے پر اُتر آتے ہیں۔ چونکہ ان کے مدمقابل بھی ویسے ہی جاہل اور وہم پرست ہوتے ہیں، اس واسطے جب وہ اپنے گھر میں کہیں گوشت گرا ہوا اور کہیں تعویذ دبے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ اسی وقت وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اسی اپنے وہم کی بدولت انہیں نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ باقی رہے عامل، تو جو شخص تعویذ یا جادو کراتا ہے، یہ اس سے بھی نذر نیاز یں لیتے ہیں اور جو شخص جادو کا توڑ کرانے آتا ہے، یہ اُسے بھی اور وہم میں مبتلا کر کے لوٹتے ہیں۔ قرآن نے اوپر کی آیت میں یہ ظاہر کیا ہے کہ کوئی قوم صرف اُسی درجہ میں پہنچ کر جادو سیکھتی ہے جبکہ

Marfat.com

وہ نیکی اور بھلائی سے بالکل دور ہو جائے اور شرارت، نقصان اور ایک دوسرے کو خراب کرنے پر تل جائے۔ قرآن یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر وہ قوم بھلائی چاہنے والی ہوتی تو خدا کے حکموں کی تعمیل کرتی۔ جب افراد قوم کی نیت میں حسد، جلن اور صرف دوسرے کو نقصان پہنچانا بس جائے تو وہ جادو ٹونوں پر اعتقاد رکھ لیتی ہے اور دوسرے بھائی کی اولاد، مال یا مرد و عورت کے باہمی اتفاق کو بگاڑنے کے لیے جادو ٹونے کراتی ہے، جیسا کہ عام طور پر آج کل کی جاہل مسلمان عورتوں کا حال ہے۔ عزیزان اسلام! اب یہ دیکھئے کہ تخریب کو پسند کرنے والی قومیں آخر کہاں تک جا پہنچتی ہیں؟ باہمت اور باعزت قومیں ان لوگوں کو بڑا سمجھتی ہیں جن میں کوئی عقلی اور تعمیری کمال موجود ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص پانی پر چلنے والا سائیکل بنائے یا ہوائی جہاز ایجاد کرے تو وہ اسے باکمال سمجھیں گی لیکن پست اور بے ہمت قومیں یا خود ہمارے بھائی ان لوگوں کو بزرگ اور باکمال سمجھتے ہیں جو بگڑنے اور بگاڑنے میں باکمال ہوں یا خود عقل ہی کو بالکل جواب دے دیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص گھر بار چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھے تو ہم اسے فی الفور بزرگ بنا دیتے ہیں۔ اگر وہ عورتوں کا لباس پہن لے اور لمبے لمبے بال چھوڑ دے تو پھر اسے اور بھی زیادہ باکمال سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے کپڑے بھی اتار پھینکے اور بے حیائی کا نمونہ بن کر لوگوں کو گالیاں دیتا پھرے تو اسے عاشق و مجذوب کے درجے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے گرد بے کار اور بدمعاش لوگ جمع ہو جاتے ہیں، وہ بھنگ اور چرس پیتے ہیں، خلاف شرع باتیں کرتے ہیں مگر ہزارہا مسلمان مرد اور عورتیں مرادوں کے لئے انہی کے پاس پہنچتے ہیں، ان سے تعویذ لیتے ہیں، دم کراتے ہیں اور انہیں نذرانے دیتے ہیں۔ وہی یہودیوں والی بات کہ ہم کو ذلت اور تخریب میں بزرگی نظر آتی ہے اور ہم بے عقلی اور بے دینی کی انتہا کو کمال بشریت قرار دیتے ہیں۔ یہ زندگی نہیں، موت ہے۔ آیت کہتی ہے، جادو ہمیشہ نقصان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ قرآن کی سچائی کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

Marfat.com

پیغمبر اسلام کو تسلّی (۱۳۷) آخرت کی موت جادو

وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَ مَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ

اور بے شک انہوں نے جانا البتہ جس نے خریدا اسکو، نہیں واسطے اسکے آخرت میں

مِنْ خَلَاقٍ ط وَ لَ بِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ

کوئی حصہ، اور ضرور بری ہے وہ چیز انہوں نے بیچا بدلے جسکے نفسوں کو اپنے

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (اگر وہ جانتے)۔ آیت کا سادہ مطلب یہ ہے۔ پیروانِ جادو نے یہ خوب جان لیا ہے کہ جو شخص خریدار ہوتا ہے۔ جادو کا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، پھر کیسی بری قیمت ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے۔ کاش انہیں یہ بات معلوم ہوتی!

عزیزانِ اسلام! یہ آیت تمام پہلی آیتوں کا خلاصہ ہے۔ اس میں دینداری اور جادو داری کے نتائج بیان کئے گئے۔ جادو اور دین میں وہی تعلق ہے جو آگ اور پانی میں ہے دین اس لئے ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچے اور جادو اس لئے ہوتا ہے تاکہ دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے۔ دین وہ حقیقت ہے جس کو خدا نے نازل کیا اور جادو ایک بے اصل توہم پرستی کا نام ہے جو شیطان آدمی از خود پیدا کرتے ہیں، دیندار سیدھے راستے پر چل کر حلال کمائی کرتے ہیں اور جادوگر صرف مکر و فریب اور دھوکے سے روپیہ کماتے ہیں دین کا پیغام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دنیا میں اولاد، دولت، امتحان میں کامیابی، بیوی، نیک نصیبی اور صحت ایسی چیزوں کو حاصل کرنا چاہے تو اسے خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ذریعوں سے کام لینا چاہئے۔ مگر جادوگری کا منشاء یہ ہے کہ یہ تمام قدرتی ذریعے چھوڑ دیئے جائیں اور بالکل من گھڑت وہمی باتوں پر بھروسہ کرکے اولاد اور دولت وغیرہ کو طلب کیا جائے۔ دین قدرتی ذریعوں سے کام لینے کا حکم دیتا ہے اور جادو ٹونے اور تعویذ دھاگے

Marfat.com

وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ تمام قدرتی ذریعے چھوڑ دیئے جائیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ قوم جو جادو پر اعتماد رکھے گی، دنیا کو بھی اپنے ہاتھ سے کھو دے گی اور آخرت کو بھی اپنے ہاتھ سے کھو دے گی، آج کی آیت میں اسی حقیقت کو پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مکار اور فریب کار جادوگروں کو خود اچھی طرح معلوم ہے کہ اُن کے اس عمل کا نتیجہ آخرت کی محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

عزیزانِ اسلام! آپ دین اور جادو کی بنیادوں کو سمجھ لیں۔ دین ایک اصل اور حقیقت ہے جس کو خدا نے نازل کیا اور جس کی بنیاد قانون فطرت پر ہے اور اسی لحاظ سے اس کے پیش کرنے والے کو نبی کہتے ہیں۔ جادو، دین کا بالکل اُلٹ ہے، جادو، ایک بے اصل توہم پرستی ہے جس میں تمام ایسی باتوں پر بھروسہ کیا جاتا ہے جو بالکل خلافِ فطرت ہیں اور جن سے خدا کا قانون اور نبی کی تعلیم دونوں رد ہو جاتے ہیں، اس بے اصل توہم پرستی کے پیش کرنے والے کو جادوگر کہتے ہیں۔ نبی حقیقت کے نام پر جماعت بناتا ہے مگر جادوگر صرف توہم پرستی کے نام پر۔ دین اصل ہے اور جادو صرف مکر اور دھوکے کا نام ہے جس میں جاہل لوگوں کو بے وقوف بنا کر روپیہ جمع کیا جاتا ہے۔ اس لئے اوپر کی آیت میں یہ کہا گیا ہے۔ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ۔ یہ جادو کی کمائی کتنی بُری ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے۔ جانوں کے بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فریب کاری کے چند ٹکوں کے بدلے اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ کاش وہ علم حاصل کریں اور اس دھوکے سے نکلیں یعنی جادو کی گمراہی کا علاج تعلیم ہے۔ جب یہود کو تختِ خلافت سے محروم کیا گیا تو ان کا دین صرف توہم پرستی بن چکا تھا، آج کل ہمارا حال بھی یہی ہے۔ ہم محنت، کوشش اور جہاد پر بھروسہ کرنے کی بجائے صرف وظیفوں یا دعاؤں سے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام کو بھی جنگ، قتل، قربانی اور جہاد کے بغیر صرف وظیفوں یا دعاؤں سے کامیابی نہیں ملی، مسلمانوں کو یہ راز صرف علم ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

پیغمبر اسلام کو تسلّی (۱۳۸) کیا کرنا چاہیے؟

۱۰۳- وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
اور اگر وہ سب ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے ضرور ثواب ملتا خدا کے ہاں سے
خَیْرٌ (بہتر) لَوْ كَانُوْا (کاش رکھتے) يَعْلَمُوْنَ (وہ علم)۔ آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے۔ اگر یہ لوگ (جادو کی بجائے) ایمان لاتے اور پرہیزگار بن کر نیک کام کرتے تو انہیں خدا سے بہتر اجر ملتا۔ کاش وہ سمجھیں، یہ کتنا برا ہے کہ وہ دھوکے کے ساتھ دنیا کما رہے ہیں اور آخرت سے بالکل بے نصیب ہو گئے ہیں۔

عزیزانِ اسلام! یہاں ایک دفعہ پھر دین اور جادو کے معنی اچھی طرح سمجھ لیں جب یہ کہا جائے کہ قدرتی ذریعوں سے کام لے کر اپنا مطلب حاصل کرو تو یہ دین ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ قدرتی ذریعوں کو چھوڑ دو اور وہم پرستی کے من گھڑت طریقوں سے کام لیکر مطلب حاصل کرو تو یہ جادو ہے، مثلاً ایک شخص کہتا ہے، دولت چاہیے تو بحکم خدا و رسول محنت کرو، یہ دین ہے۔ دوسرا شخص یہ کہتا ہے، اگر دولت چاہتے ہو تو جمعرات کے دن ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر یہ منتر یا وظیفہ پڑھتے رہا کرو، یہ جادو اور محض ڈھکوسلہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی غیر فطری اور غیر خدائی ذریعہ ہو، اس سے کامیابی چاہنا جادو ہے۔ ایک شخص منتر پڑھ کر اولاد حاصل کرنے کے درپے ہے، دوسرا شخص عربی پڑھ کر یا عربی تعویذ لکھ کر اولاد حاصل کرنے کے درپے ہے۔ چونکہ دونوں شخص غیر قدرتی اور غیر خدائی ذریعوں سے کام لے کر طالب اولاد ہوئے ہیں، اس لئے دونوں دین سے خالی ہیں اور جادو کے دائرے میں شامل ہیں۔

عزیزانِ اسلام! پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ پیروانِ جادو کیا کر رہے ہیں؟ آج یہ بتایا گیا ہے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے؟ جادو ٹونے والے لوگ گپ ہانک دیتے ہیں۔ کسی کی طبیعت میں

Marfat.com

دہم ڈال دیتے ہیں، کسی بیوقوف کو کوئی جھانسہ دے دیتے ہیں اور اپنی دکان چلا لیتے ہیں۔ ایک شخص تعویذ لکھ دیتا ہے کہ اولاد مل جائے گی۔ دوسرا شخص بتیاں بنا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر ایک بتی جلاتے رہو، شادی ہو جائے گی۔ تیسرا آدمی کوئی وظیفہ بتا دیتا ہے کہ اسے چالیس دن تک پڑھتے رہو پھر تمہارے مصلے کے نیچے سے پانچ روپے نکل آئیں گے۔ پانچواں آدمی تعویذ بنا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ترکوں سے جنگ کرو، تم پر کوئی گولی اثر نہیں کرے گی۔ کوئی کہتا ہے کہ عدالت میں جاتے ہی یہ وظیفہ پڑھ کر چار پھونکیں مارو، مقدمہ جیت جاؤ گے اب دیکھئے کہ ایسی تعلیمات کا نتیجہ کیا ہے؟ مسلمان سائل عدالت میں جا کر پھونکیں مارتے رہتے ہیں اور ساہوکار وکیل پیش کر کے ڈگری کرا لیتے ہیں۔ مسلمان طالب علم رات کو وظیفے پڑھ پڑھ کر فیل ہو جاتے ہیں اور غیر مسلم امیدوار محنت کر کے بازی لے جاتے ہیں یہ بڑی ہی سیدھی بات ہے کہ اگر جادو ٹونے یا ورد وظیفے یا تعویذ دھاگے میں دولت صحت اور کامیابی ہوتی تو ہم مسلمان جو ان چیزوں کے دھنی بنے پھرتے ہیں، آج دنیا میں سب سے زیادہ غریب اور غلام نہ ہوتے۔ حکم قرآن یہ ہے کہ آپ یہ سب باتیں چھوڑ دیں۔ آپ پوچھیں گے، کیا کریں؟ اٰمَنُوْا اور اتَّقَوْا ایمان لاؤ اور پرہیزگار بنو اور قدرتی ذریعوں اور خدائی خزانوں کا علم حاصل کر کے اپنے لئے کامیابی کی راہ نکالو۔ پیغمبر اسلام اور صحابہ نے بھی یہی کیا تھا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نبی یا صحابی نے تعویذ لکھ کر جنگ فتح کر لی ہو۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ٹوٹکوں ٹونوں اور تعویذ دھاگوں کے پیچھے چلنے والوں کے لئے نہ دنیا ہے اور نہ آخرت۔ چونکہ یہودیوں کی حالت اب ایسی ہی تھی اس لئے پیغمبر اسلام کو تسلی دی گئی کہ آپ ایسی ناکارہ قوم سے کچھ توقع نہ رکھیں۔ یہ لوگ عنقریب برباد ہو جائیں گے۔ پیغمبر اسلام کی تسلی کے لئے جو آیتیں تھیں، آج وہ ختم ہو گئیں۔ کل سے وہ آیتیں شروع ہونگی جن میں مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ وہ تخت خلافت حاصل کرنے کیلئے تیار ہوں

Marfat.com

مسلمانوں کو نیازی کا حکم (۱۳۹) اطاعتِ رسول کا جھنڈا اٹھاؤ

۱۰۴۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَ
اے ایمان والو تم مت کہو احمق اور کہو نظر کرو ہماری طرف اور
اسْمَعُوْا (سنو) وَلِلْکٰفِرِیْنَ (اور کافروں کے لئے) عَذَابٌ اَلِیْمٌ (دکھ دینے والا عذاب)

آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے۔ اے ایمان والو! جب بھی اپنے نبی پاک کو بلاؤ تو یہودیوں کی طرح رَاعِنَا کا لفظ استعمال نہ کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کا لفظ استعمال کرو اور پیغمبر اسلام جو کچھ بھی فرمائیں، اسے دل لگا کر سنو اور اطاعت کرو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ اب انکار کرنے والوں کو دردناک سزا ملنے والی ہے۔ یہاں رَاعِنَا اور اُنْظُرْنَا کی کہانی بھی سن لیں۔ یہودی لوگ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور انہیں کسی بات میں رسول خدا کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہوتا تھا تو وہ کہتے تھے، رَاعِنَا۔ رَاعِنَا کے معنی دو ہیں، ایک معنی یہ ہیں کہ ہماری طرف توجہ کیجئے اور دوسرے معنی ہیں، اے احمق اور بیوقوف۔ چونکہ مسلمانوں کو یہودیوں کی شرارت اور منافقت معلوم نہ تھی، اس واسطے وہ بھی دیکھا دیکھی رَاعِنَا کا لفظ استعمال کرنے لگے۔ تب یہ آیت اُتری اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم یہودیوں کی طرح شبہ دار لفظ استعمال نہ کرو بلکہ صاف اور بے لاگ لفظ بولا کرو۔ تم رَاعِنَا مت کہو، اُنْظُرْنَا کہا کرو، جس کے معنی ہیں، ہماری طرف توجہ فرمائیے۔

عزیزانِ اسلام! یہ ۱۰۴ویں آیت ہے جس سے مسلمانوں سے خطاب شروع ہوا ہے اور سب سے پہلی بات یہ کہی گئی ہے، لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا، اے مسلمانو! تم بات کرنے میں بھی یہودیوں کی پیروی نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ عملوں میں۔ دوسری ہدایت یہ کی گئی ہے، وَقُوْلُوا اُنْظُرْنَا۔ اے مسلمانو! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق زبان کا ادب سیکھو۔ تیسری ہدایت یہ ہے، وَاسْمَعُوْا، اے مسلمانو! جو کچھ نبی خدا فرماتے ہیں، اسے کان کھول کر سنو اور

Marfat.com

اس پر قائم ہو جاؤ۔ ان تینوں ہدایتوں کے بعد یہ اعلان کیا گیا، وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ وقت آگیا ہے جبکہ تم دیکھ لوگے کہ جماعت کفار پر عذاب کا کوڑا برسیگا اور وہ تباہ و برباد کر دیئے جائینگے

عزیزان اسلام! یہ آیت اہل ایمان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ کافروں کے طریقے کو چھوڑ دیں، رسول اللہؐ کی ہدایتوں کو سنیں اور سمجھیں اور اسلام کے اصولوں پر کھڑے ہو کر پھر کفر و باطل کی گردن کو جھکا دیں۔ قرآن کا یہ بلاوا مکہ اور مدینہ کے مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے، یہ بلاوا آج آپ کے لئے بھی ہے۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ جس طرح عرب کے منکرینِ حق پر عذاب کی بجلیاں گرائی گئیں، اب آج کے منکرین پر بھی یہ بجلیاں اسی طرح گرائی جائیں، جس طرح صحابہ کرام نے کفر کے جھنڈے جھکائے، اسی طرح آپ بھی جھکائیں، جس طرح رسول اللہؐ کے ساتھیوں نے یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے خارج کیا، اسی طرح آپ ایک دفعہ پھر انہیں عرب و عجم سے خارج کریں۔ ہر مسلمان کو سمجھنا چاہیئے کہ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کی پیشگوئی ہر دور اور ہر زمانہ کے کافروں پر عائد ہوتی ہے۔ وہ کفار جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں پیدا ہوئے، قلزم کی موجوں میں ڈبو دیئے گئے تھے، وہ کفار جو حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، زمین کے اندر دھسا دیئے گئے تھے، وہ کفار جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے، بدر، اُحد اور خیبر کی جنگوں میں ہلاک کر دیئے گئے۔ منکرینِ حق کی قسمت یہی ہے کہ اُن کی قوتوں کو توڑ دیا جائے، اُن کے جھنڈوں کو جھکا دیا جائے ان کے لشکروں کو بکھیر دیا جائے، وہ جھک جائیں، ڈوب جائیں، غرق ہو جائیں تاکہ اسلام سر بلند ہو، تاکہ رسول اللہؐ کا ستارہ چمکے، تاکہ فرش زمین پر خلافت الٰہی کا تاج بچھا دیا جائے اور قرآن کی حکومت قائم ہو۔ یہ وہ آواز ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے بلند ہوئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ آواز سچی اور ناقابل انکار پکار تھی۔ آج پھر اسی آواز کو بلند کرو اور رسول اللہؐ کی اطاعت کے قدموں پر کھڑے ہو کر کفر کے مقابلہ کیلئے نکلو اور اسلام کی عزت پر قربان ہو جاؤ۔

Marfat.com

مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۱۴۰) کفار کا مسلمانوں سے عناد

۱۰۵۔ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ

نہیں دوست رکھتے کافر اہل کتاب میں سے اور نہ مشرکوں سے

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ

کہ نازل ہو تم پر کوئی بھلائی تمہارے رب سے، اور اللہ خاص کر لیتا ہے

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

ساتھ رحمت اپنی کے جسکو وہ چاہتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے

کفار، مشرک اور اہل کتاب نہیں چاہتے کہ تم مسلمانوں پر خدا کی طرف سے کوئی بھلائی اترے۔ لیکن خدا انکی خواہشوں کا پابند نہیں وہ جسکو چاہتا ہے اپنی رحمت کیلئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ عزیزان اسلام! اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں، مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کی نیتوں سے آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ اور خدا کیا چاہتا ہے؟ آیت یہ بتاتی ہے کہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر خدا کی کوئی ہدایت اور رحمت نازل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ جو انکی خواہشوں کا پابند نہیں ہے، وہ چاہتا ہے کہ اہل ایمان کو اپنی رحمتوں کیلئے خاص کر دے

عزیزان اسلام! زمانۂ رسالت کے کفار اور یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کا جو حال تھا، آج ہمارے زمانے کے کفار اور مشرکین کا بھی وہی حال ہے، وہ بھی اسلام کے دشمن تھے یہ بھی اسلام کے دشمن ہیں۔ وہ بھی مسلمانوں کی بھلائی سے جلتے تھے، یہ بھی جلتے ہیں۔ وہ بھی مسلمانوں کو بہکا کر اسلام کی ترقی کو روکنا چاہتے تھے، یہ بھی مسلمانوں کو دھوکا دے کر اسلام کی طاقت کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں مسلمان کیا کریں؟ قرآن یہ کہتا ہے کہ مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی کریں یعنی جس طرح زمانہ نبوی کے مسلمانوں نے کفار پر بھروسہ نہیں کیا، جس طرح صحابہ کرام کفار کے وعدوں پر نہیں رکھتے جس

Marfat.com

طرح انصار اور مہاجرین کفار کے مقابلے میں شدید تھے، اسی طرح آپ بھی کفار اور مشرکین کے فریب کا شکار نہ ہوں، ان کے اعلانوں پر بھروسہ نہ کریں، ان کے ریزولیوشنوں پر مست نہ ہوں اور ان کے کسی وعدہ اور تقریر سے متاثر ہو کر اپنی حفاظت اور ترقی سے بے خبر نہ بن جائیں اس لئے خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جب تک کوئی کافر، کافر ہے۔ جب تک کوئی مشرک، مشرک ہے، وہ ضرور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریگا۔ وہ مسلمان بڑا ہی احمق ہے جو اس کلام خدا کے بعد بھی یہ سمجھے کہ فلاں کافر یا مشرک مسلمانوں کا خیر خواہ ہے یا ہو سکتا ہے۔

عزیزان اسلام! آج کفار حامیٔ اسلام بن کر اسلام کو کمزور کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے انگریزی حکومت نے اپنے آپکو حامیٔ اسلام ظاہر کیا تھا مگر اب اس نے فلسطین کے عربوں کو برباد کر کے حمایتِ اسلام کا پردہ فاش کر دیا ہے، پھر فرانس نے حامیٔ اسلام ہونے کا دعویٰ کیا اور الجزائر کے ملک میں قرآنی مدارس تک بند کر دیئے، ابھی حال ہی میں اٹلی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں اسلام کا حامی ہوں اور لیبیا کی اسلامی سلطنت کو ملیا میٹ کر ڈالا۔ عزیزان اسلام! کفار مکہ اور یہود مدینہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر قرآن نازل نہ ہو مگر اب کفار یورپ اور مشرکین ہند یہ چاہتے ہیں کہ اس اترے ہوئے قرآن کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا جائے۔ آپ کفار کو لاکھ فوجی بھرتی دیں، ان کی وفاداریوں کا لاکھ مرتبہ اعلان کریں، آپ ان کی انجمنوں کے ممبر بنیں، آپ ان پر اظہار اعتماد کی قراردادیں منظور کرائیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ اسلام کی خیر خواہی کا دم بھریں، وہ ہمیشہ آپکو غلط راستہ سکھائینگے، نقصان پہنچائیں گے، دھوکا دینگے، آپکے مذہب پر حملہ کرینگے، آپکو ملازمتوں سے نکالینگے، آپکی زبان اور تہذیب کو مٹائینگے اور اسلامی سلطنتوں کو کمزور کرینگے لیکن خواہ وہ کچھ بھی کریں، وہ خدا کی رحمت کا دروازہ کبھی نہیں بند کر سکتے۔ اگر آپ لوگ حکم خدا پر قائم ہو جائیں تو خدا تعالیٰ اسلام کو ضرور فروغ دیگا۔ مسلمانوں کو کبھی خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ خدا کی ہدایتوں پر عمل کرے اور مقابلہ کفار کے لئے میدان میں نکل آئے۔

Marfat.com

۱۰۶۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ
جو موقوف کرتے ہیں ہم کسی آیت کو یا بھول جانے دیتے ہیں اسکو ہم لاتے ہیں بہتر
مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ
اس سے یا مثل اسکی، کیا نہیں تو جانتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

آیت کا سادہ مطلب یہ ہے، جب ہم کوئی آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا بھول جانے دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا کم سے کم اس کے برابر دوسری آیت لے آتے ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر وہ ایک مرتبہ انسان کی ہدایت کے لئے کوئی حکم بھیج سکتا ہے تو وہ اس کے بعد بھی بار بار ایسا کر سکتا ہے۔

عزیزان اسلام! سادہ سادہ بات یہ ہے کہ پہلے کلام الٰہی میں ایک حکم ہوتا ہے اور پھر اس کی جگہ دوسرا حکم آجاتا ہے۔ یہودی لوگ اس پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کیا خدا نے پہلا حکم بھول کر بھیج دیا تھا کہ اب اسے بدل کر دوسرا بھیج دیا۔ یہودی لوگ حکموں کے اس ادل بدل سے یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ اسلام خدائی دین نہیں ہے، اوپر کی آیت میں اس کا جواب مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں یہ ہے۔ "ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کا ظہور اس لئے ہوا کہ یا تو "نسخ" کی حالت طاری ہو گئی یا "نسیان" کی۔ "نسخ" یہ ہے کہ ایک (حکم) بات پہلے سے موجود تھی، وہ موقوف ہو گئی اور اس کی جگہ دوسری آگئی۔ "نسیان" کے معنی بھول جانے کے ہیں۔ پس بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ پچھلی شریعت کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی لیکن وقت اور حالات بدل گئے تھے یا اس کے ماننے والوں کی عملی روح فنا ہو گئی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ نئی شریعت ظہور میں آئے۔ بعض حالتوں میں ایسا ہوا کہ لمبی مدت گذر جانے سے پچھلی تعلیم بالکل دماغوں سے اتر گئی اور اصلیت میں سے کچھ باقی نہ رہا۔

Marfat.com

اس لئے اُس ہدایت کو دوبارہ زندہ کر کے قائم کرنا پڑا۔ (بہرحال) خدا کا قانون یہ ہے کہ ایک شریعت منسوخ ہو کر دوسری شریعت آئے یا ایک شریعت کے بھول جانے سے دوسری شریعت آئے، دونوں صورتوں میں ہر نئی تعلیم، پچھلی تعلیم سے بہتر ہوتی ہے یا کم از کم اُس کے مانند ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کمتر ہو۔ کیونکہ (نئی شریعت یا نئے احکام کے لائے جانے کا اصل (مقصد) تکمیل اور ارتقاء ہے، نہ کہ تنزل اور تسفل۔"

عزیزانِ اسلام! ۱۰۴ ویں آیت یہ تھی، اے ایمان والو! رسولؐ خدا کی اطاعت پر قائم ہو کر مقابلہ کفر کے لئے تیار رہو جاؤ، کافروں پر دردناک تباہی آنے والی ہے۔ ۱۰۵ ویں آیت یہ تھی کہ کفار و مشرکین نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کی سربلندی ہو، مگر اللہ تعالیٰ ضرور اپنی رحمت سے تمہیں اونچا کریگا۔ اب یہاں سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کو یہ اونچائی کس طرح حاصل ہوگی؟ آج کی ۱۰۶ ویں آیت اس سوال کا جواب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، تم خدا کی آیتوں کا اور قدرت کے نشانوں کا بدلنا دیکھ لو۔ رات کے بعد دن آتا ہے، گرمی کے بعد سردی آتی ہے، نیند کے بعد بیداری آتی ہے۔ ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت آتی ہے اسی طرح اب یہود کے بعد مسلمان، تاج خلافت کے مالک ہونگے۔ اس کے علاوہ تم دیکھو کہ خدا کی بعض آیتیں اور نئے نشان تازہ ہو جاتے ہیں۔ پرانی تاریخیں، رسمیں اور قومیں بھول جاتی ہیں اور نئی رسمیں اُن کی جگہ لے لیتی ہیں، اسی طرح اب اس دنیا کی مردہ اور بوسیدہ قومیں بھی بھول جائیں گی اور ایک نئی قوم میدان میں آئے گی۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

عزیزانِ اسلام! آج کی آیت آپ کیلئے انقلاب کا پیغام ہے۔ جب یہودی اور عیسائی مُردوں کی طرح سو گئے تو خدا نے انہیں بھلا دیا اور اُن کی حکومت اور طاقت کو بھی صفحۂ عالم سے منسوخ کر ڈالا۔ پھر جب تم مسلمانوں نے اسلام کی زندگی سے منہ موڑ کر مردہ قوموں کے عملوں کی پیروی شروع کر دی تو برطانیہ اور یورپ کے کفار اسلام کے ملکوں پر چھا گئے اور مسلمانوں کی طاقت ایک منسوخ شدہ آیت بن کر رہ گئی۔ اب اطاعت کرو گے تو وہ مُردہ اور تم پھر زندہ ہو جاؤ گے۔

Marfat.com

مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۱۴۲) صرف خدا پر بھروسہ

۱۰۷۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا تو نہیں جانتا بے شک اللہ واسطے اس کے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی

وَمَا (اور نہیں) لَكُمْ (واسطے تمہارے) مِّنْ وَّلِیٍّ (کوئی حامی) وَّلَا نَصِیْرٍ (اور نہ

کوئی مددگار)۔ آیت کا سادہ مطلب یہ ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی کے لئے زمین

کی سلطانی ہے اور نہیں کوئی جو اس کے سوا تمہارا حامی اور مددگار ہو۔

عزیزان اسلام! پچھلی آیت میں کہا گیا ہے کہ مسلمانو! خدا کے قانون نسخ ونسیان سے سبق لو جس کے زیر اثر خدا کے احکام، آیات اور شریعتیں بھی بدلتی رہتی ہیں اور موسم، فصلیں، قومیں اور تاریخیں بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں، ایک تاریخ محو ہو جاتی ہے اور دوسری پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک قوم یا رسم بھلا دی جاتی ہے تو دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے قرآن نے اس قانون کا مقصد نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا بتایا ہے۔ بِخَیْرٍ کا مطلب یہ ہے کہ ایک حکم یا قوم اچھی تھی، اس کی جگہ زیادہ اچھی آگئی۔ مِثْلِهَا کا مطلب یہ ہے کہ ایک اچھی قوم یا حکم کسی بھول کے باعث بری حالت میں بدل گئے تھے۔ انہیں پھر ویسا ہی اچھا کر دیا گیا۔ مطلب یہ کہ اس حکم سے سبق سیکھ کر ایک نئے انقلاب کی بنیاد رکھو، اس طرح کہ یہود و نصاریٰ کی طاقتیں منسوخ ہو جائیں اور دنیا ان کی یاد کو بھول جائے۔

عزیزان اسلام! اب ۱۰۷ ویں آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ یہودیوں کی شرارتوں سے بچے رہو، جو حکم پیغمبر اسلام دے رہے ہیں، وہ صحیح ہیں۔ اگر ان حکموں پر چلو گے تو خلافت تمہاری ہے۔ تم اپنی کمزوریوں کو نہ دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ زمین و آسمان کی اصل سلطانی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، جب خدا تم کو اپنی نیابت کا تاج پہنانا چاہتا ہے

Marfat.com

تو پھر دوسرا کون ہے جو تمہارا راستہ روک سکے؟ تم کفار اور مشرکین کی شرارتوں اور اغراض کا کچھ فکر نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا دوست اور مددگار نہیں ہے۔

عزیزان اسلام! اللہ تعالیٰ نے آج کی آیت میں جو پیغام صحابہ کرام کو سمجھایا آپ بھی خدا کے لئے اُسے سمجھئے۔ آپ اپنی کمزوری اور غریبی سے غلط ڈرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کی حکومت اور طاقت سے بھی غلط ڈرتے ہیں، اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حکومت تو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اس کے حکموں پر چلو گے تو وہ تم کو اپنی خلافت کا تاج پہنائے گا اور تم پہنو گے۔ اور کوئی طاقت نہیں جو تمہارے راستے میں حائل ہو سکے۔

مسلمانو! "مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ" کے فرمان خداوندی پر ایمان لاؤ اور خدا کے سوا کسی غیر طاقت کی امداد اور دوستی پر بھروسہ نہ رکھو۔ کمزوری کی اصل جڑ یہ ہے کہ آپ دوسروں پر بھروسہ رکھتے ہیں حالانکہ خود کفار کی حالت بھی اس کے خلاف ہے۔ وہ کفار ہونے کے باوجود مسلمانوں پر نہیں بلکہ صرف اپنی طاقت پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جو وصف کفار میں موجود ہے وہ مسلمانوں میں نہ ہو۔ اے عزیزو! کفار و مشرکین کے خوف و طمع کو اپنے دل سے اُٹھا دو اور خدا کے حکموں پر چل کر جماعتی طاقت پیدا کرو۔ عزت، کامیابی اور خلافت مسلمانوں کے لئے ہے۔

عزیزان اسلام! حصول خلافت کی راہ یہ ہے کہ تم خدا کے قانون نسخ و نسیان کی روشنی میں کام کرو۔ جب تمہارے مُردہ عمل زندہ عملوں سے بدل جائیں گے تو تمہاری غلامی بھی بادشاہی سے بدل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جرمنی جنگ نے ثابت کر دیا ہے کہ یورپین تہذیب اور سائنس کی امامت اب ختم ہونے والی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو نئی زندگی کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ تم ایک طرف دیندار بنو اور اپنے اندر خوف خدا اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا کرو۔ دوسری طرف علم پڑھو، تجارت کرو، قربانی دو اور متحد ہو جاؤ۔ پھر تم ضرور کامیاب ہو گے

Marfat.com

۱۰۸- اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ
کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے سوال کرو جیساکہ سوال کئے گئے
مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَ
موسیٰ سے پہلے، اور جو کوئی بدل لے کفر کو ایمان کے ساتھ پس
قَدْ ضَلَّ (وہ ضرور بھٹک گیا) سَوَآءَ السَّبِيْلِ (سیدھی راہ)۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اب جب کہ تمہاری جماعت طاقت پانے والی ہے، تم یہودیوں کی باتیں سن کر اپنے رسول سے بھی ایسے ہی سوالات نہ کرو جیسے سوالات کہ حضرت موسیٰ ؑ سے پوچھے جاتے تھے، جو کوئی بھی ایمان کی نعمت پاکر کفر کی روش اختیار کرے، وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے اور اس واسطے وہ کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچےگا۔

عزیزان اسلام! قرآن پاک نے آپ کے سامنے ایک منزل مقصود پیش کی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت سے پہلے اور موت کے بعد عزت اور بلندی کا جو درجہ مقرر فرمایا ہے، وہ آپ کو حاصل ہونا چاہئے۔ سوال یہ تھا کہ یہ درجہ کس طرح حاصل ہو؟ اوپر کی آیت جواب دیتی ہے کہ تم بنی اسرائیل کے طریقے پر نہ چلو، انہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی حکم دیتے تھے تو وہ نکتہ چینی شروع کر دیتے تھے، کٹ حجتی کرتے تھے، اعتراضات کی جھڑی باندھ دیتے تھے اور فضول منطقی بحثیں شروع کرکے اصل معاملے کو خراب کر دیتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص مسلمان ہوکر رسولِ خدا کے احکام کے ساتھ یہی سلوک کرے گا تو وہ سمجھ لے کہ اس نے ایمان کے بدلے کفر کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور وہ کبھی منزل پر نہیں پہنچے گا۔

عزیزان اسلام! آج ہمارے زمانے کے مسلمانوں نے اس آیت کو بالکل بھلادیا ہے

Marfat.com

ہمیں قرآن نے بتایا تھا کہ جو شخص حکم سن کر اطاعت کی بجائے اعتراض کرتا ہے، وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے ایمان بیچ دیا اور کفر خرید لیا۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم خدا پر بھی اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے۔ کوئی حکم کیسا بھی صاف ہو، کوئی تحریک کتنی بھی سیدھی اور سچی ہو، ہم اس پر دس ہزار اعتراض کر دیتے ہیں مگر عمل ایک پر بھی نہیں کرتے۔ آج مسلمانوں کے مدرسے، مسجدیں، جلسے، اخبار، کانفرنسیں، بازار اور گھر، جھگڑوں اور نکتہ چینیوں سے لبریز ہو گئے ہیں، شائد اس قدر جھگڑے اور اختلافات یہودیوں میں بھی نہ ہوں۔ مسلمانوں کا بڑا وصف یہ تھا کہ وہ ایک نظام کے پابند تھے۔ اب کفار اور مشرکین تو پابند نظام ہیں اور ہمارے پاس بحث اور جھگڑے کے سوا اور کوئی وصف باقی نہیں رہا۔ اے عزیزان اسلام! اگر آپ کو منزل پر پہنچنا ہے تو خدا کے لئے بحث، جھگڑے اور نکتہ چینی کی عادت چھوڑ دو اور غیر مشروط طور پر حکم خدا کے پابند بن جاؤ۔ جتنا وقت آپ جھگڑوں میں خراب کرتے ہیں، اگر اس وقت کا سوواں حصہ بھی آپ نیکی اور خدمت کے کاموں میں خرچ کرتے تو آج تک آپ کی بدنصیبی ختم ہو چکی ہوتی۔

عزیزان اسلام! مسلمانوں میں حد سے زیادہ نکتہ چینیاں بڑھ گئی ہیں۔ نماز میں رفع یدین اور آمین کا جھگڑا ہے۔ جماعت میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنے اور نہ پڑھنے کا جھگڑا ہے، جمعہ میں احتیاطی کا جھگڑا ہے۔ رمضان میں تراویح کے آٹھ اور بیس ہونے کا جھگڑا ہے۔ غرض یہ کہ ہم نے تمام شریعت کو جھگڑے کا گھر بنا لیا ہے۔ خدا کے لئے نکتہ چینیاں چھوڑ دو اور عمل کرو۔ صحابہ کرام کے نمونے کو دیکھو، ان کی ساری توجہ عمل کرنے پر خرچ ہوتی تھی۔ آپ دوسروں پر کیوں نکتہ چینی کرتے ہیں۔ خدا ان کے متعلق آپ سے جواب دہی نہیں کرے گا۔ نجات کی سچی راہ یہ ہے کہ حکم خدا کے پابند ہو جاؤ اور سب حجت بازیاں چھوڑ کر اپنی پوری توجہ عمل و اتفاق پر خرچ کر ڈالو۔

Marfat.com

۱۰۹۔ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ

چاہا اکثر اہل کتاب نے کسی طرح پھر بنا دیں تم کو بعد

إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا

ایمان تمہارے کافر، حسد کے سبب جو ہے ان کے پاس بعد اسکے کہ

تَبَيَّنَ لَهُمُ (ظاہر ہو گیا ان پر) الْحَقُّ (حق)۔ آیت کا سادہ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی اکثریت دل سے چاہتی ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد تمہیں پھر کافر بنا دیں، اگرچہ ان پر اسلام کی سچائی ظاہر ہو چکی ہے مگر وہ حسد کی وجہ سے مسلمانوں کے وجود کو گوارا نہیں کر سکتے۔

عزیزان اسلام! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمن کے خطرناک ارادوں سے آگاہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کا اصل منصوبہ کیا ہے؟ اگرچہ ان پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے اور اسلام ہی کی پیروی میں دنیا کی بھلائی ہو سکتی ہے لیکن چونکہ حسد و عناد کے جذبات ان کے علم و عقل پر غالب آئے ہوئے ہیں اس لئے ان کی اکثریت تہِ دل سے یہ چاہتی ہے کہ وہ آپ کو بھی کافر بنا دیں۔

عزیزان اسلام! یہ کیوں کہا کہ اہل کتاب کی اکثریت مسلمانوں کو کافر بنانا چاہتی ہے یہ اس لئے کہا تاکہ آپ عیسائیوں یا یہودیوں کے بعض روادار، انصاف پسند یا روشن خیال لوگوں سے متاثر نہ ہوں۔ افسوس کہ آج عام لوگوں کو یہ غلطی لگ رہی ہے۔ جب وہ کسی روشن خیال انگریز یا ہندو کی تقریر مسلمانوں کے حق میں سن لیتے ہیں تو پھولے نہیں سماتے بلکہ وہ یہ امید لگا بیٹھتے ہیں کہ اب چند روز میں مسلمانوں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ مسلمانوں کا یہ خیال نہایت غلط ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کو بنیادی بات صرف یہ سمجھنی

Marfat.com

چاہیئے کہ دشمنانِ اسلام کی اکثریت کا ارادہ کیا ہے؟ مثلاً آپ یہ دیکھئے کہ ہندو قوم کی عام ذہنیت کیا ہے؟ یا یہ کہ انگریزوں اور یہودیوں کی عام ذہنیت کیا ہے؟ اگر کسی قوم کی عام ذہنیت مسلمانوں کے ساتھ ذرا بھی انصاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو پھر چند لوگوں کے اعلانوں یا تقریروں پر بھول جانا پرلے درجے کی بے سمجھی ہے۔ خدا کہتا ہے، وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم۔ اہل کتاب کی اکثریت یہ چاہتی ہے کہ تمہیں پھر کافر بنا دے۔ جب کسی غیر قوم کی اکثریت کا یہ خیال ہو تو پھر چند انصاف پسند لوگوں کے اعلانِ انصاف کے کیا معنی؟ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا۔ ایمان کے بعد کافر بنانے کا مطلب کیا؟ یہی الحاد اور شدھی کی تحریک جس کے بے شمار نمونے آپ کے سامنے ہیں، کہیں ودیا مندر اسکیم جاری ہو رہی ہے، کہیں اُردو کو مٹایا اور ہندی کو پھیلایا جا رہا ہے۔ کہیں مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت اور تہذیب سے انکار کیا جا رہا ہے۔ کہیں بندے ماترم کا گیت، قومی جھنڈا اور گاندھی کیپ ہے، کہیں یہ اعلان ہے کہ تم پہلے ہندوستانی ہو اور پھر مسلمان۔ کہیں کانگریس کی زبان، رسوم اور تہذیب کو قدیم ویدک تہذیب کے رنگ میں رنگ دیا گیا ہے اور اب مسلمانوں کو اس میں جذب کیا جا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح عیسائی طاقت نے تعلیم اور تہذیب کے پردے میں آپ کو ملحد اور بے دین بنانے کی کوشش کی تھی، اسی طرح اب ہندو طاقت، قومیت اور وطنیت کی آڑ میں آپ کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ان دونوں طاقتوں کو یہ معلوم ہے کہ اسلام کے بغیر دنیا کی نجات نہیں ہو سکتی اور یہ دونوں قومیں خود بھی اپنی اندرونی مشکلات کو حل کرنے کے لئے اسلام کے بیسیوں اصولوں کو اپنی قوم کے اندر جاری کر رہی ہیں، مگر اس کے باوجود ان کی عام قومی ذہنیت سو فیصدی اسلام کے خلاف تعصب برت رہی ہے اور مسلمانوں کی موجودگی انہیں دو بھر معلوم ہو رہی ہے۔ آیت یہ کہتی ہے کہ مسلمان اس صورت حال کو سمجھیں اور کسی بھی قوم کی اکثریت کے عناد سے بے پروا نہ ہوں۔

Marfat.com

مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۱۴۵) مقابلہ اکثریت کیلئے پہلی ہدایت

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ
پس معاف کرو اور دل میں نہ لاؤ یہانتک کہ لائے اللہ حکم اپنا بے شک اللہ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ہر چیز پر قادر ہے) - پہلی آیت میں یہ بتایا کہ اہل کتاب کی اکثریت، اسلام کو حق سمجھنے کے باوجود، محض حسد و عناد سے مسلمانوں کو دوبارہ کافر بنا لینا چاہتی ہے - آج اِس صورت حال کا علاج یہ بتایا کہ مسلمان، حوصلہ مندی سے کام لیں، تنگ دل اور بے صبر نہ ہوں، جب تک اسلام میں مقابلہ کی طاقت پیدا نہیں ہوتی اور جب تک اسلامی پروگرام جاری ہو کر مسلمانوں کا جتھا تیار نہیں ہوتا، اس وقت تک وہ کفار کے ظلم و ستم کو بھلا دیا کریں، تاہم یہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

عزیزان اسلام! جب مسلمان بہت تھوڑے تھے، ہر لحاظ سے کمزور تھے، دشمنوں کے نرغے میں تھے اور ملکی زندگی کی کمزوریاں اُن میں برابر موجود تھیں۔ اگر وہ اُس وقت بے حوصلگی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ شروع کر دیتے تو یہ مقابلہ ایسا ہی ہوتا جیسے کوئی بستر پر لیٹا ہوا بیمار کسی قوی ہیکل پہلوان سے ٹکر لگا دے - اس واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مسلمان جہاد کریں، بلکہ یہ فرمایا، فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا - مسلمانو! تم اس وقت درگزر سے کام لو اور کفار کے مظالم کو دل میں نہ لاؤ، اسلامی احکام کی اطاعت و اشاعت کرتے چلے جاؤ اور اپنی تیاریاں مکمل کرو - اس کے بعد خود بخود فیصلے کا وقت آجائیگا - یہ آیت موجودہ مسلمانوں کے نہایت موافق حال ہے - اگر حکومت یا اکثریت کی طرف سے مسلمانوں پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو ہمارے ناعاقبت اندیش جوشیلے نوجوان فوراً مقابلہ یا سول نافرمانی کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور چونکہ تیاری اور تنظیم مکمل نہیں ہوتی، اس واسطے چند ہی دنوں میں کچل دیئے جاتے ہیں - یہ غلط پالیسی ہے - صحیح راہ یہ ہے کہ پہلے تیاری کرو - جب تک تیاری

مکمل نہ ہو، درگزر سے کام لو، اس کے بعد مقابلہ اور فیصلہ -

Marfat.com

مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۱۴۶) مقابلہ کفار کے لئے اصل پروگرام

۱۱۰- وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ
اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور جو تم آگے بھیجو گے واسطے اپنے نفسوں کے
مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ
کوئی بھلائی پاؤ گے اسکو پاس اللہ کے، بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے

مطلب یہ ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ تم اپنے آپ کے لئے جو نیکی عمل میں لاؤ گے ضرور اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔

عزیزان اسلام! پچھلی آیت میں بتایا کہ آپ کے متعلق کفار کی رائے عامہ کا ناپاک ارادہ یہ ہے کہ آپ سے اسلامی اصول چھڑا دیئے جائیں اور آپ کو پھر کفر کے اندر جذب کر لیا جائے۔ خدا تعالیٰ نے کافروں کے اس ناپاک منصوبے سے آپ کو خبردار کرنے کے بعد پہلا علاج یہ بتایا ہے کہ آپ بے حوصلگی نہ دکھائیں، ظلم سہتے رہیں مگر تیاری شروع کردیں۔ آج کی آیت نے وہ اصلی پروگرام بتایا جس پر عمل کرکے آپ مقابلہ دشمن کے قابل ہو سکتے ہیں، وہ پروگرام صرف یہ ہے کہ آپ نماز اور زکوٰۃ کا نظام مکمل کرلیں۔

عزیزان اسلام! آپ یقین کیجئے کہ اسلام کی فتح کا راز نماز اور زکوٰۃ میں چھپا ہوا ہے نماز کے متعلق کام یہ ہے کہ آپ ہر مسلمان کو صحیح معنوں میں نمازی بنائیں۔ جن لوگوں کو نماز یاد نہیں، انہیں یاد کرائیں۔ ایسا انتظام کریں کہ ہر ایک مسلمان نماز کا مطلب اور نماز کی حقیقت بھی سمجھ لے اور نماز کا پابند بھی ہو جائے۔ ہر مسجد کے نمازی ایک فوجی برادری بن جائیں اور وہ ایک مشت ہو کر ہر وقت خدمت اسلام کے لئے تیار رہیں۔ ہر شہر میں ایسا ہو کہ جس طرح بگل بجنے پر تمام فوج صف بستہ ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک اسلامی آواز پر اور ایک اللہ اکبر یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی صدا پر تمام نمازیوں کو جان و مال لے کر خدمتِ

Marfat.com

اسلام کے لئے نکل آنا چاہیئے ۔ ہر نمازی کی پانچ وقت یہ دعا ہونی چاہئے، اے اللہ! مجھے اسلام کے لئے قربان ہونے کی توفیق عطا فرما اور ہر نمازی کو ہر وقت منتظر رہنا چاہئے کہ مجھے خدمت اسلام کا موقع ملے۔ پس مقابلہ کفار کا پہلا کام یہ ہے آپ نماز کے ذریعہ سے اپنے تمام مردوں اور عورتوں کو خدا تعالیٰ کے دین کا رضا کار بنا دیں۔ دوسرا کام یہ ہے کہ آپ سال کے بعد اپنے تمام مال کا حساب کر کے زکوٰۃ نکالیں اور اسے بیت المال میں جمع کرادیں۔ ہندوستان یا دنیائے اسلام کے ہر شہر میں اسلامی خزانہ ہونا چاہیئے تاکہ آپ بیت المال کی مدد سے اپنے یتیموں، فقیروں اور کمزوروں کو ترقی دیں، مسلمانوں کو کام پر لگائیں اور ان کی بیکاری کا علاج کریں، مسلمان نوجوانوں کو فوجی تربیت دیں تاکہ وہ اپنی طاقت کے مطابق کفار کا مقابلہ کرسکیں۔ آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ صرف زبانی باتوں سے اسلام کو فتح حاصل نہیں ہوسکتی۔ کامیابی کے لئے آدمی بھی ضروری ہیں اور روپیہ بھی ضروری ہے۔ نماز اس لئے ہے کہ خدائی فوج کے لئے اچھے سپاہی پیدا ہوں اور زکوٰۃ اس لئے ہے تاکہ قوم کی پشت پر ایک مضبوط مالی طاقت قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینے کے بعد یہ فرماتا ہے۔ مسلمانو! تم جتنی بھی نیکی عمل میں لاؤ گے، اُسے خدا کے ہاں موجود پاؤ گے۔ یعنی تمہاری اس نیکی سے بہت ہی مستقل اور مضبوط نتائج ظاہر ہوں گے، اس سے تمہاری طاقت قائم ہو جائے گی، تمہاری کمزوری اور غریبی دور ہو جائے گی اور تم پر کوئی قوم ظلم نہ کرسکے گی۔ پس اے عزیزان اسلام! اگر آپ اس دنیا میں جاپان، جرمنی یا امریکہ کی طرح طاقتور آزاد، عظیم الشان، دولت مند اور شاندار قوم بننا چاہتے ہیں اور موت کے بعد بھی آخرت کے درجوں پر فائز ہونا چاہتے ہیں تو آپ اپنے گھر، مسجد یا محلہ اور شہر میں نماز اور زکوٰۃ کا پروگرام ضرور شروع کریں۔ آپ جس قدر زیادہ نماز اور زکوٰۃ کے پروگرام میں کامیابی حاصل کریں گے، اسی قدر آپ کی عزت، دولت اور طاقت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

Marfat.com

مسلمانوں کو تیاری کا حکم (۱۴۷) حصولِ جنت کا غلط معیار

۱۱۱- وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا

انہوں نے کہا ہرگز داخل نہیں ہو گا جنت میں مگر جو ہو یہودی

اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

یا نصرانی یہ تمنائیں ہیں اُن کی کہدو لے آؤ سند

(اپنی) اِنْ كُنْتُمْ (اگر ہو تم) صٰدِقِيْنَ ۝ (سچے)۔ عزیزانِ اسلام! آیت کا سادہ مطلب یہ ہے۔ اہل کتاب اپنی اپنی جگہ پر یہ کہتے ہیں کہ کوئی انسان جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ یہودی یا عیسائی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے، یہ اُن کی محض خوش اعتقادیاں ہیں۔ اے پیغمبر! ان سے پوچھو، اگر تم لوگ اپنے دعووں میں سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔ کیا تمہارے پاس کوئی خدائی سند ہے کہ یہودی یا عیسائی ہوئے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

عزیزانِ اسلام! جن مردہ اور بے عمل قوموں کے پاس کیریکٹر اور سیرت نہ ہو، سچی دینداری اور اخلاق و روحانیت نہ ہو، وہ اپنی دینوی بزرگی کے متعلق تو کچھ دعویٰ نہیں کر سکتیں، اور اگر کریں بھی تو جاننے والے لوگ اسی وقت انہیں جھوٹا کر دیتے ہیں اور اُن کی حق پرستی یا اخلاق و روحانیت کا پردہ کھول دیتے ہیں۔ اس واسطے ایسی قومیں اپنی عظمت و شان کے ظاہر کرنے کے لئے ہمیشہ ایسی باتیں بیان کرتی ہیں جن کے متعلق کچھ شہادت قائم نہ ہو سکے۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ ہم ضرور جنت میں جائیں گے۔ پیغمبر اسلام کے زمانے میں یہودیوں اور عیسائیوں کا حال یہی تھا۔ جب مسلمانوں کے ساتھ اُن کی بات چیت ہوتی تھی وہ فوراً بول اُٹھتے تھے کہ ہم جنتی ہیں۔ اب اس موقعہ پر قرآن پوچھتا ہے کیا تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی خدائی سند موجود ہے؟ مطلب یہ ہے کہ توریت

Marfat.com

اور انجیل کے بے شمار مقامات پر یہ صاف لکھا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں جنتی کون ہوگا؟ اور دوزخی کون ہوگا؟ اگر یہودی اور عیسائی ان احکام کے پابند ہوتے تو فوراً کہہ سکتے تھے کہ توریت یا انجیل کی فلاں آیت دیکھو، چونکہ ہم فلاں فلاں احکام کی تہ دل سے پابندی کر رہے ہیں، اس واسطے ہم جنتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو نہ تو یہودی یہ جواب دیتے اور نہ عیسائی۔ اس لئے کہ انہوں نے توریت اور انجیل کے احکام کو صاف جواب دے رکھا ہے۔ اب اُن کا سارا زور فرقہ بندی پر تھا، وہ ایمان اور عمل کی باتوں کو بالکل بھول گئے تھے، اُن کی ساری دلیل یہ تھی کہ ہمارا تعلق فلاں فرقے سے ہے اور ہم فلاں بزرگ کے نام لیوا ہیں، اس واسطے ضرور جنتی ہوں گے۔ یعنی اُن کا دعویٰ جنت عمل پر نہیں بلکہ فرقہ بندی پر منحصر تھا۔ افسوس کہ یہی حال آج مسلمانوں کا ہے، وہ کہتے ہیں، حدیث کے مطابق ۷۳ میں سے ایک فرقہ جنتی ہوگا اور بس وہی ہمارا فرقہ ہے۔ مسلمانو! یہ محض خوش اعتقادی ہے، جب تک قرآن اور سیرت کے مطابق اعمال نہ ہوں گے، کوئی شخص جنتی نہیں ہو سکتا۔

عزیزان اسلام! جب کوئی قوم بالکل ناکارہ ہو جائے تو وہ دوزخ اور جنت کے جھگڑوں کے سوا اور کسی قابل نہیں رہتی۔ افراد قوم پر انتظام ملکی، سیاست و جہانداری، صنعت و حرفت، جنگ و جہاد وغیرہ وغیرہ زندگی کے عظیم الشان کاموں کی ذمہ داری تو کچھ نہیں ہوتی اس واسطے وہ ذلت و بے کاری میں ڈوبے ہوئے ہر وقت جنت و دوزخ کے جھگڑوں میں پڑے رہتے ہیں۔ ایک کہتا ہے، ہم بہشتی ہیں، دوسرا کہتا ہے، ہم بہشتی۔ مطلب یہ کہ دنیا کا تو وہ کچھ کر نہیں سکتے، البتہ آسمان کے پیچھے ہر وقت لڑتے رہتے ہیں، کبھی یہود و نصاریٰ کا یہ حال تھا مگر اب مسلمان رات اور دن بیکار پڑے ہوئے جنت و دوزخ کی بحث میں سرگرداں رہتے ہیں، حالانکہ اس زندگی کا مقصد عمل ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری بیکاری کو دور فرمائے۔

Marfat.com

۱۱۲۔ بَلٰی ق مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَ
ہاں جو کوئی سونپ دے چہرہ اپنا اللہ کو اور ہو وہ نیکو کار پس ہوگا
لَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ ص وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ
واسطے اسکے بدلہ اس کا پاس رب کے اور نہ خوف ہے ان پر اور نہ وہ
یَحْزَنُوْنَ (غمناک ہوں گے)۔ یعنی جس کسی انسان نے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا سر جھکا دیا اور اس نے نیک عمل بھی کئے۔ وہ اپنے پروردگار سے ضرور بدلہ پائے گا اور اُسے کسی قسم کا خوف و غم نہ ہوگا۔

عزیزانِ اسلام! کل کی آیت میں بتایا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے محض اپنی فرقہ بندی کو اپنے جنتی ہونے کا ذریعہ بنا لیا ہے اور وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم توریت یا انجیل کی فلاں فلاں آیت پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے کی وجہ سے جنتی ہیں۔ آج کی آیت میں بتایا کہ جنت حاصل کرنے کا اصل اصول کیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ۔ بَلٰی کے معنی ہاں، بے شک۔ مَنْ کے معنی کوئی بھی انسان ہو گورا ہو، کالا ہو، محمد دین ہو، نتھو رام ہو، کسی نام کا، کسی ذات کا اور کسی خاندان کا ممبر ہو۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ۔ اگر وہ خدا پرست ہو۔ وَھُوَ مُحْسِنٌ۔ اور وہ نیک عمل بھی کرے۔ فَلَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ، تب خدا کے ہاں اس کو ضرور اجر دیا جائیگا اور اسے خوف نہ ہوگا اور نہ غم ہوگا۔ اے عزیزانِ اسلام! سمجھا آپ نے۔ قرآن کہتا ہے صرف زبانی دعوے کافی نہیں ہیں۔ قرآن کو سامنے رکھ کر ایک ایک آیت کے مطابق اپنا عمل ثابت کیجئے، پھر آپ ضرور بہشتی ہوں گے۔ کلمہ تو منافق بھی پڑھتے تھے، پھر وہ جنتی کیوں نہ ہوئے، اس لئے کہ کہنے کے مطابق عمل نہ کرتے تھے، مسلمانو! اچھی طرح سمجھ لو، نجات کی سند ہے

Marfat.com

مسلمانوں کی تیاری کا حکم

۱۶۹- حصولِ جنت کا صحیح معیار۔

۱۱۲- بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ
بے شک جو سونپ دے چہرہ اپنا واسطے خدا کے اور وہ
مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا
نیکوکار ہو پس واسطے اُن کے بدلہ اُس کا پاس رب کے اُس کے اور نہیں
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
خوف اوپر اُن کے اور نہیں وہ غم کھائیں گے۔

آیت کا مطلب یہ ہے، بے شک، جس کسی انسان نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا سر جھکا دیا اور اس نے نیک عمل بھی کئے۔ وہ اپنے پروردگار سے اس کا ضرور بدلہ پائے گا۔ اور نہ اس کے کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ غم۔

عزیزانِ اسلام! یہودی لوگ طرح طرح کی چالوں سے مسلمان کو بہکانا چاہتے تھے۔ ان کی ایک چال یہ تھی کہ وہ بڑے یقین سے اپنے جنتی ہونے کے دعوے کیا کرتے تھے۔ اب مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے۔ کہ وہ ان دعووں سے متاثر نہ ہوں۔

عزیزانِ اسلام! بات یہ ہے کہ جن مردہ اور بے عمل قوموں کے پاس کیرکٹر اور سیرت نہ ہو۔ سچی دینداری اور اخلاق روحانیت نہ ہو۔ وہ اپنی دینوی بزرگی کے متعلق تو کچھ دعویٰ کر نہیں سکتیں اور اگر کریں تو دیکھنے والے لوگ اسی وقت ان کی حق پرستی، برتری اور انکے اخلاق و روحانیت کا پردہ فاش کر دیتے ہیں۔ اس واسطے ایسی قومیں اپنی عظمت و شان کے اظہار کرنے کے لئے ہمیشہ ایسی باتیں بیان کرتی ہیں۔ جن کی کچھ بھی عملی تردید نہ ہو سکے پیغمبرِ اسلام کے زمانے میں یہودیوں اور عیسائیوں کا حال بھی یہی تھا۔ جب مسلمانوں کے ساتھ ان کی بات

Marfat.com

چیت ہوتی تھی۔ فوراً بول اٹھتے تھے۔ کہ ہم جنتی ہیں۔ اب اس واقعہ پر قرآن پوچھتا ہے۔ گیا تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی خدائی سند موجود ہے۔ اگر یہودی اور عیسائی ایسے احکام پر عمل پیرا ہوتے جن کی پابندی سے جنت حاصل ہوتا ہے۔ تو وہ اس سوال کے جواب میں فوراً کہہ سکتے تھے۔ کہ توریت یا انجیل کی فلاں آیت دیکھو۔ چونکہ ہم فلاں فلاں احکام کی تہ دل سے پابندی کرتے ہیں۔ اس واسطے ہم جنتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو نہ تو یہودی یہ جواب دیتے تھے اور نہ عیسائی۔ اس لئے کہ انہوں نے توریت اور انجیل کے احکام کو صاف جواب دے رکھا ہے۔

اب ان کا سارا زور فرقہ بندی تھا۔ وہ ایمان اور عمل کی باتوں کو بالکل بھول گئے تھے۔ ان کی ساری دلیل یہ تھی کہ ہمارا تعلق فلاں فرقے سے ہے۔ اور ہم فلاں بزرگ کے نام لیوا ہیں اور چونکہ وہ فرقہ اور وہ بزرگ جنتی ہیں۔ اس واسطے ہم بھی جنتی ہیں۔

آخر کی آیت میں حصول جنت کا اصلی اصول بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ یعنی بے شک حق یہ ہے کہ کوئی بھی انسان ہو گورا ہو، کالا ہو، محمد دین ہو، نتھو یا رام ہو، کسی نام کا، کسی ذات کا۔ اور کسی خاندان کا ممبر ہو، مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ اگر وہ اطاعت کا سر خدا کے سامنے رکھ دے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ اور نیک عمل کرے۔ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ تب خدا کے ہاں اس کو فرید اجر دیا جائے گا۔ اور اسے خوف نہ ہوگا۔ اور غم نہ ہوگا۔

اے عزیزان اسلام! سمجھا آپ نے قرآن کہتا ہے۔ صرف زبانی دعویٰ کافی نہیں ہیں۔ قرآن کو سامنے رکھ کر احکام خداوندی کو مانئے اور عمل کیجئے۔ جو بھی شخص ایسا کریگا۔ وہ جنتی ہوگا۔ صرف یہودی، عیسائی نام رکھنے یا کسی خاص فرقہ والوں کے گھر پیدا ہونے سے کوئی شخص جنتی نہیں ہو سکتا۔ یہ قانون سب انسانوں کے لئے ہے۔

۱۵۰۔ فرقہ بندی کا انجام

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَّ

اور کہا یہود نے نہیں ہیں عیسائی کسی چیز پر اور

قَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ

کہا عیسائیوں نے نہیں ہیں یہودی کسی چیز پر اور وہ سب پڑھتے ہیں

الْكِتَابَ | اس آیت کا مطلب یہ ہے ۔ اگر عیسائی یا یہودی توریت یا انجیل کے
کتاب الٰہی | سچے پیرو ہوتے تو ایک دوسرے کے دین کو جھوٹا نہ کہتے۔ اس لئے

توریت بھی ایسی ہی خدا کی کتاب ہے۔ جیسی کہ انجیل خدا کی کتاب ہے۔ جس طرح دودھ کو مختلف رنگ کی بوتلوں میں ڈال دینے سے اس کا اصلی رنگ بدل سکتا۔ اسی طرح خدا کی ہدایت نبیوں کی تبدیلی سے تبدیل نہیں ہو جاتی۔ خدا کے کلام کو حضرت موسیٰ پیش کریں۔ یا حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ وہ ہر حال میں خدا ہی کا دین اور خدا ہی کی ہدایت ہے۔ اور یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ جو ہدایت حضرت موسیٰ نے پیش کی وہ تو ہدایت ہے۔ اور جو حضرت عیسیٰ نے پیش کی وہ ہدایت نہیں ہے اگر یہودیوں یا عیسائیوں نے ایسا کہا تو یہ محض ان کی دھڑہ بندی کا نتیجہ ہے

عزیزانِ اسلام، آپ کو سمجھایا گیا ہے کہ انسان فرقہ بندی اختیار کر کے کس قدر گر جاتا ہے اگرچہ یہودی اور عیسائی خدا کی کتابوں کے ماننے والے تھے مگر وہ ایک دوسرے کی ضد میں خدا کی کتابوں ہی کو رد کر رہے تھے۔ افسوس کہ آج یہی حال ہمارا ہے۔ اگر ایک قرآن کا ماننے والا، دوسرے قرآن کے ماننے والے پر کفر کا فتویٰ دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن والے لوگ خود قرآن کو رد کرتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ بھی صرف انہیں کی فرقہ بندی ہے۔ عیسائی یہودیوں کو کہتے تھے

تم جھوٹے یہودی عیسائیوں کو کہتے تھے، تم جھوٹے، اب حنفی وہابیوں کو کہتے ہیں، تم کافر بریلوی دیوبندیوں کو کہتے ہیں۔ تم کافر شیعہ، سنیوں کو کہتے ہیں۔ تم کافر، اب فرمایئے، اگر حنفی، بریلوی، دیوبندی، شیعہ اور سنی سب کے سب کافر ہیں، تو پھر اس دنیا میں مسلمان کون ہے۔ یہ سب فرقہ بندیاں علماء نے اپنی پیٹ پوجا کے لئے بنا رکھی ہیں۔ اور عام مسلمان اس سے برباد ہو گئے ہیں اگر مسلمان جدا جدا فرقے نہ بناتے، اگر مسلمان صحابہ کرام کی طرح، حنفی، وہابی، شیعہ، بریلوی اور دیوبندی کی بجائے اپنا نام صرف مسلمان رکھتے، تو پھر کبھی ایک دوسرے کو کافر بنانے کی جرأت نہ کرتا۔

خدا را فرقہ بندی سے بچو، خدا کے کلام کو سمجھو، آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ اور کفر کی مشین گن چلا کر مسلمانوں کو کافر مت بناؤ۔

(۱۵۱) فرقہ بندی میں خطرہ ایمان

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِ
اسی طرح کہا انہوں نے جو علم نہیں رکھتے مانند کہنے کے
هِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
ان کے پس اللہ فیصلہ کرے گا درمیان اُن کے دن قیامت کے
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ٥
اس چیز میں کہ تھے اُس میں وہ اختلاف رکھتے۔

پارہ ۱، سورہ بقرہ۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ قَالَ کہا اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ان لوگوں نے جو علم نہیں۔ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ان جیسا قول۔ یعنی یہود اور نصاریٰ کی طرح جو اب تک باوجود فرقہ بندی سے ایک دوسرے کے دین کو اسی طرح جھوٹا

کہہ رہے ہیں، جس طرح کہ کفار اور مشرکین جو کتاب اللہ کا علم نہیں رکھتے۔ ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان گروہ بندوں کا ایک دوسرے کو جھوٹا کہنا بے کار ہے۔ یہ فیصلہ تو صرف خدا کے کرنے کا ہے۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا کہ اس جھگڑے میں سچا کون ہے؟

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں ایک بہت ہی اونچی بات کہی گئی ہے۔ آیت کہتی ہے، فرقہ بندی ایک ایسی بُری لعنت ہے کہ اس میں پڑ کر اللہ کی کتابوں کا علم رکھنے والے اور نہ علم رکھنے والے دونوں ہم پلّہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کس طرح؟ اس کی ایک مثال سُن لیں۔ دو بھائی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا، کُتے کا بچہ، چھوٹے بھائی نے کہا، تو کُتے کا بچہ۔ باپ نے کہا، تم دونوں آپس میں لڑتے تھے مگر کُتا تم نے مجھ کو بنا دیا۔ یہی حال یہود و نصاریٰ کا ہوا۔ یہود نے کہا نصاریٰ کا دین جھوٹا۔ نصاریٰ نے کہا، یہود کا دین جھوٹا۔ خدا نے فرمایا، فرقہ بندی تمہاری آپس میں تھی مگر جھوٹا تم نے مجھ کو یا میرے دین کو کہہ دیا۔ اس نے یہود کے دین کو جھوٹا کہا اس نے بھی خدا کے دین کو جھٹلایا اور جس نے نصاریٰ کے دین کو جھوٹا کہا اس نے بھی خدا کے دین کو جھٹلایا۔ پھر اُس میں اور کفار و مشرکین میں کیا فرق رہا؟ آج کی آیت یہی کہتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ایک دوسرے کے دین کو جھوٹا کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ان لوگوں کا انکارِ حق، جو خدا کی کتاب کا علم نہیں رکھتے۔

برادرانِ اسلام! آج [illegible] یہودیوں اور عیسائیوں کی دوسری غلطی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ آج [illegible] بات کا فیصلہ دے رہے ہیں، جس کا فیصلہ قیامت [illegible] ہونا [illegible] اللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ مطلب یہ ہے کہ جھوٹے اور سچے کا فیصلہ ہونا یعنی قیامت [illegible] آج کر رہے ہیں۔ تم زبان سے کہتے ہو کہ میں سچا ہوں، [illegible]

اگر قیامت کے دن تم ذلیل ہو گئے تو پھر آج کا زبانی دعویٰ کس کام آیا؟

عزیزانِ اسلام! ان آیات میں آپ سے خطاب ہوا ہے کہ آپ مقابلہ کفار کے لئے اُسی وقت تیار ہوں گے جب کہ آپ یہود اور نصاریٰ کی طرح فرقہ بندیوں اور حزب بازیوں کا شکار نہ ہوں۔ فرقہ بندی کے خلاف دو باتیں کہی گئیں، ایک یہ کہ فرقہ بندی ایک ایسی لعنت ہے جس میں پڑ کر ایمان لانے والے لوگ بھی ایسے ہی گمراہ ہو جاتے ہیں جیسے کہ ایمان نہ لانے والے۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ اگر یہاں یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمانوں کا ایک فرقہ دوسرے کو کافر کہتا ہے تو ایسا کہنا بے سند ہے۔ یہ فیصلہ قیامت کے دن خدا کرے گا مسلمانو! فرقہ بندی میں پڑ کر اسلام کی وحدت کو برباد نہ کرو۔ کیا یہ اچھا نہیں کہ تم اپنی ساری توجہ ایک دوسرے کو بُرا بنانے کی بجائے خود کو بھلا بنانے میں صرف کرو۔

۱۵۲۔ خدا کی فرقہ وار تقسیم

۱۱۴۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ
اور کون ہے بڑا ظالم اُس سے جو روک دے مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے
فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ
اُن میں نام اُس کا، اور کوشش کرے بیچ خراب کرنے اُن کے، یہی لوگ ہیں کہ نہیں ہے تھی مُرئے
اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا
کہ وہ داخل ہوں اُن میں مگر خوف کرتے ہوئے۔ اُن کے لئے دنیا میں
خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ
رسوائی ہے اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

عزیزانِ اسلام! آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ اُس سے زیادہ ظالم انسان اور کون ہو سکتا ہے جو خدا کی عبادت گاہوں میں خدا کے بندوں کو یادِ خدا سے منع کرے اور ان کی ویرانی میں

کوشاں ہو؟ ایسے لوگ اسی قابل ہیں کہ یہ خود مسلمانوں سے ڈرتے ہوئے مسجدوں میں داخل ہوں اور اُن میں اس ظلم و شرارت کی جرأت ہی باقی نہ رہے سن لو، ایسے ہی لوگوں کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں عذاب۔

عزیزانِ اسلام! پہلی آیتوں میں یہ بتایا گیا کہ یہود اور نصاریٰ کی فرقہ بندیوں کا تعصب یہاں تک پہنچا ہے کہ وہ آپس کی ضد میں خدا کے دین کو جھٹلا رہے ہیں۔ جو کام کفار و مشرکین کرتے تھے، وہی کام یہ آپس کی ضد میں کر رہے ہیں۔ یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ جنت میں نہیں جائیں گے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود جنت میں نہیں جائیں گے۔ آج کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے فرقہ وار تعصب نے خدا کے دین اور خدا کی جنت ہی کو فرقوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں کو بھی فرقہ وار تعصبات کی نذر کر دیا ہے۔ حالانکہ خدا کا نام لینے میں فرقہ واری کی بات کیا ہے؟ خدا سب کا مالک ہے اور تمام مخلوق کا حق ہے کہ وہ اپنے مالک کا نام لے، مگر فرقہ پرستی کی لعنت ایسی ہے کہ فرقہ بندوں نے خدا کے نام پر مل بیٹھنا بھی قبول نہیں کیا۔ اُن کی جنت فرقہ وار، دین فرقہ وار، مسجدیں فرقہ وار اور گویا خدا بھی فرقہ وار۔ یہود اور نصاریٰ کی اسی پالیسی کا نتیجہ تھا کہ جب عیسائیوں کو شام میں غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے بیت المقدس کو ویران کر دیا اور یہود کی مسجدیں اُجاڑ دیں۔ اہل مکہ نے بھی اسی طرح کیا۔ انہوں نے پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام کو خانہ کعبہ میں عبادت کرنے سے روکا۔ فرقہ پرستوں کے اسی طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ ظالم ہے جو خدا کی عبادت گاہوں میں خدا کے بندوں کو خدا کا نام لینے سے روکے۔ مسلمانوں کو یہ اس لئے کہا گیا کہ خدا کے بندوں کو خدا کی مسجدوں سے روکنے والوں کی طاقتیں توڑ دیں تاکہ وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ذلیل ہو کر رہ جائیں۔ اب آپ تاریخ دیکھئے، خدا تعالیٰ کا یہ فرمان کس قدر جلد پورا ہوا؟

Marfat.com

مکہ کے ہاتھ سے نکل گیا اور بیت المقدس سے یہود و نصاریٰ کی امامت ختم ہو گئی۔

عزیزانِ اسلام! آج مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کے تعصب کا کیا حال ہے؟ ہمارے ہاں بھی ہر فرقہ کی مسجد الگ ہے، آج بھی کئی مساجد میں لکھا ہوا ہے، یہ فلاں جماعت کی مسجد ہے اور اس میں فلاں فلاں فرقہ کو نماز پڑھنے کا حق نہیں ہے۔ کئی حنفی مساجد میں وہابیوں نے نمازیں پڑھیں تو مسجدوں کے فرش دُھلوائے گئے۔ کئی مساجد سے احناف کو اور کئی مساجد سے شیعہ کو نماز اور امامت سے روکا گیا اور بذریعہ عدالت یہ حکم حاصل کیا گیا کہ ہماری مسجد میں فلاں فلاں اشخاص کو نماز پڑھنے سے روک دیا جائے۔ مسلمانو! خدا کی عبادت گاہ میں، یادِ خدا سے روکنا ایک شرعی جرم ہے، جس کی سزا فِی الدُّنیا خِزْیٌ اور فِی الْآخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ہے۔ اہلِ مکہ نے یہ جرم کیا تو یہی سزا پائی، یہود و نصاریٰ نے کیا تو یہی سزا پائی۔ اگر ہم اس جرم کے مرتکب ہوں گے تو ہم بھی سزا سے نہیں بچ سکتے، بلکہ ہم کو سزا مل رہی ہے۔ آؤ! اب توبہ کر لیں تاکہ خدا تعالیٰ معاف کر دے۔

۱۵۳۔ معیارِ قبولِ عبادت

۱۱۵۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا

اور اللہ کے لئے ہے مشرق اور مغرب پس جہاں کہیں تم رُخ کرو

فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

پس وہیں رُخ ہے اللہ کا۔ بے شک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

عزیزانِ اسلام! آیت کا سادہ ترجمہ یہ ہے، مشرق ہو یا مغرب، ساری کائنات اللہ ہی کے لئے ہے۔ جہاں کہیں بھی تم اللہ کی طرف رخ کرو، اللہ تمہارے سامنے ہے۔ اُس کی قدرت کی سمائی بڑی ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ یہود و نصاریٰ کی مذہبی گروہ بندی کا تعصب یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ خدا کی

Marfat.com

عبادت گاہوں کو بھی انہوں نے فرقہ بندی کے رنگ میں رنگ دیا ہے اور وہ خدا پرستی کے مدعی ہونے کے باوجود اپنی عبادت گاہ میں دوسرے فرقے کے آدمی کو خدا کا نام لینے سے بھی روک دیتے ہیں۔ آج کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا کسی عبادت گاہ کی چار دیواری کے اندر قید نہیں ہے کہ وہیں عبادت کی جائے تو قبول ہو گی۔ قبول عبادت کا کسی خاص چار دیواری یا زمین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ساری زمین خدا کی ہے اور جہاں بھی اس کو بلایا جائے وہ بلانے والوں کی آواز سنتا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ، کا مطلب یہ ہے کہ تم مشرق میں عبادت کرو یا مغرب میں، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کا مطلب یہ کہ تم خلوص کے ساتھ اپنے دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرو گے تو وہ تمہاری نیاز مندی کو ضرور قبول کرے گا۔ اس آیت میں مسلمانوں کے لیے سبق ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم عبادت الٰہی کے متعلق رفع یدین، آمین، سینے یا ناف پر ہاتھ باندھنے اور اسی قسم کے دوسرے جھگڑوں میں نہ الجھیں بلکہ دعا، پکار اور خلوص پر جو مغز عبادت ہے، اپنی توجہ جمائیں۔ پھر ایسی عبادت کبھی رد نہ ہو گی۔ اے اللہ! ہم کو راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ ہماری نیاز مندی کو قبول کر تاکہ ہم تیرے فرماں بردار بندے بن جائیں۔

۱۵۴۔ یہود میں شرک کی وبا

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ

اور وہ کہتے ہیں پکڑی ہے اللہ نے اولاد وہ پاک ہے، بلکہ (ہے) اس کا

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○

جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کا حکم ماننے والے (ہیں)

Marfat.com

پوری آیت کا مطلب یہ ہے، بنی اسرائیل یہ کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد ہے، حالاں کہ وہ اس سے پاک ہے، وہ تو اس قدر بااختیار ہے کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ بھی ہے، وہ اُسی کے اشارہ حکم کے اطاعت گذار ہیں۔

عزیزانِ اسلام! اس سے پہلی آیت میں یہ تھا کہ جو لوگ مسجدوں میں اللہ کی یاد کو روکیں، وہ بڑے ظالم ہیں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کسی مسجد کی چار دیواری کے اندر قید ہے۔ مسجدوں یا عبادت گاہوں کی عزت صرف اس لیے ہے کہ وہ خلق خدا کی اصلاح اور ہدایت کا سرچشمہ ہیں، ورنہ خدا تعالیٰ کی ذات تو مشرق اور مغرب سب جگہ موجود ہے اور کوئی بندہ جہاں بھی نیازمندی کا سر جھکا دے، وہ اسی جگہ خدا کی قبولیت حاصل کر سکتا ہے۔

اب یہ بتایا، یہودی لوگ مسجدوں کی کیا عزت کریں گے؟ وہ تو خود خدا تعالیٰ کے متعلق بھی اصل حقیقت کو بھولے ہوئے ہیں اور برملا یہ کہتے ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے۔ حضرت عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں اور فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ اپنے کو بھی خود خدا کے بیٹے اور خدا کے پیارے سمجھ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ یہود کی ان تمام حماقتوں کو رد کر کے ارشاد فرماتا ہے: "سُبْحٰنَہٗ"۔ خدا تعالیٰ ان تمام آلودگیوں سے پاک ہے۔ غالباً یہودی لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ خدا کے لئے اولاد کا ہونا خوبی اور بڑائی کی بات ہے۔ حالاں کہ اسی دنیا میں ہم لوگ روزانہ یہ دیکھتے ہیں کہ کوئی ماں باپ ایسا نہیں جس کی خودداری اولاد کی وجہ سے کمزور نہ ہو گئی ہو اور اولاد کی محبت کے سامنے انہیں کبھی نہ کبھی جھکنا نہ پڑا ہو۔ آیت کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ وہ نہیں ہے جو اولاد کی محبت کا قیدی ہو بلکہ وہ تو ایسا بااقتدار ہے کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کے اشارۂ حکم کے تابع ہے۔

Marfat.com

یہاں مسلمانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ یہود قوم توحید کی نعمت سے محروم ہو چکی ہے۔ اب وہ نیک اعمال کی بجائے صرف خدا کی اولاد بن کر دنیا میں عزت حاصل کرنے کے درپے ہیں اور چوں کہ یہ ناممکن ہے، اس واسطے اب ان کی موت یقینی ہے۔

عزیزانِ اسلام! یاد رکھیے! اسلامی خلافت یہ ہے کہ انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہو، نہ کہ خدا کا بیٹا۔ خلیفہ خدائی شان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کے رنگ میں رنگے جانے کی کوشش کرے "خدا کا کوئی بیٹا نہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ سب انسان خدا کی نگاہ میں ایک جیسے ہیں۔ البتہ کوئی قوم جس قدر توحید میں کامل ہوگی، اسی قدر اس کی خلافت میں بھی خدائی صفات کا زیادہ جلوہ ہوگا اور اس کے برخلاف کوئی قوم جس قدر زیادہ مشرک ہوگی، اسی قدر اس کی حکومت زیادہ سے زیادہ فرعونی ہوگی اور اس قابل ہوگی کہ اسے مٹا دیا جائے۔ چوں کہ یہود "خدازادہ" ہونے کا دعویٰ کر رہے تھے، اس واسطے مسلمانوں کو بتایا گیا کہ اب ان کا اقتدار نہیں رہنا چاہیے۔ اس آیت میں عجیب سبق ہے۔ اسلام تو وہ ہے جس نے "خدازادہ" کہلانے والوں کا اقتدار بھی قبول نہیں کیا اور ہم مسلمان وہ ہیں جو پیرزادوں کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔ مسلمانو! تمہارا اصل فخر صرف یہ ہے کہ تم خدا پرست بن جاؤ۔

۱۵۵۔ غالب آؤ گے

۱۱۷۔ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا

بنانے والا آسمانوں اور زمین کا۔ اور جب کرنا چاہے کوئی کام

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

پس صرف وہ کہتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

اس آیت کے الفاظ میں ایک خاص راز ہے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے کن کہا

اور چھو منتر کی طرح یہ سب دنیا بن گئی۔ یاد رکھئے کہ قرآن کے الفاظ کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ قرآن کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے حکم فرمایا، اب اُس حکم کے ماتحت درجہ بدرجہ ہر ایک کام ہوتا جاتا ہے فصل چھ ماہ میں پکتی ہے، بچہ نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح سلسلۂ ارتقا جاری ہے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ عیسائی یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم خدا کے پیارے اور اس کی اولاد ہیں، یعنی ان دونوں قوموں نے اپنے اپنے نبیوں کی تعلیم کے برخلاف خدا کو اپنا قومی اور شخصی خدا بنا لیا تھا۔ اس کی شان کو گھٹا دیا تھا اور دنیا میں یہ بات پھیلا دی تھی کہ خدا بھی عام انسانوں ہی کی طرح ہمارے زیر اثر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب خدا کے متعلق بھی خلق خدا کو یہ باور کرا دیا جائے کہ وہ کسی شخص کو اپنا بیٹا سمجھتا ہے، بعض قوموں کا لحاظ کرتا ہے اور بعض دوسری قوموں کو برا سمجھتا ہے تو عام لوگ اس سے یہی نتیجہ نکالینگے کہ جب خدا خود ایسا ہے تو ہم ایسے کیوں نہ ہوں؟ اسی نظریہ کے ماتحت عوام میں نا انصافی، عدم مساوات، نسلی غرور اور ذات پات کے خیالات پھیل گئے تھے۔ بعض لوگ پیدا ہوتے ہی اعلیٰ سمجھے جاتے اور بعض نیچ اور ناپاک خیال کئے جاتے۔ بعض قوموں کو مقدس سمجھا جاتا اور بعض کو اچھوت اور نیچ خیال کیا جاتا۔ اوپر کی آیت میں ان تمام غلط اور بے بنیاد باتوں کو رد کر دیا گیا ہے۔

عزیزانِ اسلام! اوپر کی آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا کی اصل شان کیا ہے؟ آیت بتاتی ہے کہ خدا کسی قوم یا کسی نسل یا کسی شخص کے زیر اثر کس طرح ہو سکتا ہے؟ خدا کی شان تو یہ ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمین کو ایجاد کیا اور اس طرح بنایا کہ صرف یہ کہہ دیا "ہو جا" اور یہ سب ہوتا جا رہا ہے۔ اس تمام نظام عالم کے بنانے میں خدا تعالیٰ کو نہ ملازموں کی ضرورت پیش آئی، نہ مددگاروں کی، نہ مزدوروں کی، نہ نگرانی کرنے والوں

کی، نہ مشورہ دینے والوں کی اور نہ اسباب و ذرائع کی۔ اب ظاہر ہے کہ وہ قادر عظیم جو صرف ایک اشارے سے اس تمام نظامِ عالم کو نیست سے ہست کر دے، کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ کسی شخص کو اپنا بیٹا بنائے اور کسی قوم یا نسل کے زیر اثر ہو؟

عزیزانِ اسلام! اب اس آیت کا دوسرا عملی پہلو دیکھو کسی قوم کی قوت اور طاقت کا اصل سرچشمہ یہ ہے کہ اس کا دل کسی ایسی مضبوط بنیاد پر قائم ہو کہ دنیا بھر کی طاقتیں بھی ایک جگہ جمع ہو کر اس کو لغزش نہ دے سکیں۔ ایک قوم وہ ہے جو اپنا تمام انحصار اس بات پر رکھتی ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں، وہ ہمیں بخشوا لیں گے۔ دوسری قوم وہ ہے جو اپنا تمام انحصار کسی رشی منی یا اوتار پر رکھتی ہے مگر تیسری قوم وہ ہے جس کے دل کا جماؤ صرف اس ذات پر ہے جس کے ایک اشارے نے یہ ساری کائنات بنا دی۔ پس کون ہے جو ایسی ذات پر بھروسہ رکھنے والی قوم کو مغلوب کر سکے؟ مسلمانوں کے اس اعتقاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات تمام کائنات کی خالق و مالک ہے، اسی طرح مسلمانوں کی جماعت خدا کے بعد اس روئے زمین پر خدا کی ذات تمام کائنات کی خالق و مالک ہے" اسی طرح مسلمانوں کی جماعت خدا کے بعد اس روئے زمین پر خدا کی خلیفہ اور جانشین قرار پا گئی۔ خدا نے کُن کہا اور دنیا بنا دی۔ خدا کی نیابت کرنے والوں نے کُن کہا اور مشرق و مغرب کے فساد مٹا کر ساری مخلوق کو اللہ کے سامنے جھکا دیا۔ مسلمانو! آؤ، یہی قوت پھر پیدا کر دیں۔

(۱۵۶) شرک نہ کرو اور علم سے طاقت لو

١١٨۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ

اور کہا انہوں نے جو علم نہیں رکھتے۔ کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے اللہ

اَوْ یا تَاْتِیْنَآ یا کیوں نہیں، آتی ہمارے پاس اٰیَةٌ کوئی نشانی۔

Marfat.com

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بے علم لوگ جو اعتراضات اور شبہات پیش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن خدا کا قانون ہے اور اس قانون پر چلنے والے ضرور غالب آئیں گے۔

عزیزانِ اسلام! عرب کے مشرک یہ کہتے تھے کہ اگر خدا کو اپنا کلام بھیجنا تھا تو وہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا؟ یا وہ کوئی ایسی عجیب نشانی اور انوکھی شہادت کیوں نہیں بھیجتا جس سے ہم یہ سمجھ لیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے؟ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس طرح سے انکار کرنے والوں کو اصل ٹھوکر کہاں لگتی ہے؟

عزیزانِ اسلام! آپ اس دنیا میں ہزار ہا قسم کے حیرت انگیز قدرتی نظارے دیکھتے ہیں لیکن ان پر کبھی تعجب نہیں کرتے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک بند انڈے سے ایک زندہ بچہ نکل آتا ہے مگر آپ کو ذرہ حیرانی نہیں ہوتی۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ایک سوکھی لکڑی سے آگ نکل آتی ہے مگر آپ کو اس پر بھی تعجب نہیں ہوتا کہ یہ آگ کہاں سے آئی؟ پھر آپ یہ دیکھتے ہیں کہ ایک سوکھا ہوا درخت چند روز کے بعد ہرے ہرے پتوں اور میٹھے میٹھے پھلوں سے لد جاتا ہے لیکن آپ کبھی یہ سوال نہیں کرتے کہ درخت کے اندر سے یہ مٹھاس اور سرسبزی کہاں سے نکل آئی؟ لیکن نبوت کے دعویٰ پر بے شمار لوگ تعجب اور حیرانی ظاہر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ سورج یا پانی کو تو نظام قدرت کا ایک حصہ سمجھتے ہیں مگر خدا کی ہدایت اور نبی کے وجود کو ایسا نہیں سمجھتے۔ اس لئے وہ اس پر دو اعتراضات کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا؟ اور دوسرے یہ کہ نبی کے ساتھ کوئی ایسی عجیب و انوکھی نشانی کیوں نہیں آتی کہ ہم خود بخود اس کی سچائی تسلیم کر لیں؟ اللہ تعالےٰ نے لَا یَعْلَمُوْنَ کے الفاظ میں ان دونوں اعتراضات کا جواب دے دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ انہیں آسمانی کتابوں کا، قدرت کا

Marfat.com

اور زندگی کا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے وہ یہ اعتراضات کر رہے ہیں۔

عزیزانِ اسلام! آئیے۔ اب خود نظامِ قدرت سے خدا کی ہدایت اور نبوت کی ضرورت سمجھیں۔ آپ دیکھئے، خدا تعالیٰ نے انسانی وجود کے اندر جس قدر بھی قوتیں اور ضرورتیں پیدا کی ہیں، انسانی وجود کے باہر اُن سب کو راست دکھانے کا سامان بھی پیدا کر دیا ہے، خدا نے انسان کے اندر پیاس پیدا کی ہے اور باہر پانی پیدا کیا ہے خدا نے انسان کی آنکھ میں دیکھنے کی قوت پیدا کی ہے اور آنکھ کو دکھانے کے لئے باہر سورج پیدا کر دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسانی دماغ اور عقل کی راہ نمائی کے لیے کیا بیرونی سامان پیدا کیا ہے؟ یہ بیرونی سامان صرف اللہ کا کلام ہے اور جن شخصوں پر یہ کلام اترتا ہے انہیں نبی کہتے ہیں اور دنیا میں کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں گذرا، جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی نہ آئے ہوں۔ پھر ان نبیوں کی تشریف آوری سے دنیا کو جو فائدے پہنچے اور اقوام عالم کو دنیا اور آخرت کی جو جو بھلائیاں حاصل ہوئیں ان کی پوری پوری کیفیت علم ہی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ خدا کی ہدایت اور نبی کا وجود اس زندگی کو ٹھیک کرنے کے لئے ہوا، پانی اور سورج سے کسی طرح بھی کم ضروری نہیں ہے

عزیزانِ اسلام! اس آیت سے سبق ملتا ہے کہ بے علم رہنا کتنی بُری بات ہے۔ اگر عرب کے مشرکوں نے بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کیا تو اس کی اصل وجہ بھی ان کی بے علمی (الذین لا یعلمون) تھی۔ ہمارے زمانے کے مسلمان جو اس وقت تمام دنیا کی قوموں سے پیچھے ہیں تو اس کی اصل وجہ بھی ان کی بے علمی ہے۔

---

(۱۵۵) تمام کفار کا ایک انجام

(۱۱۵) كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ

اسی طرح کہا انہوں نے جو اُن سے پہلے تھے مانند ان کے قول کے

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ

ملتے ہیں دل اُن کے۔

عزیزانِ اسلام! عرب کے مشرک یہ کہا کرتے تھے کہ خدا خود ہم سے کیوں بات نہیں کرتا، یا وہ کوئی ایسی انوکھی نشانی کیوں نہیں بھیج دیتا جس سے ہم نبی کو پہچان لیں۔ اب آیت یہ کہتی ہے، پہلے مشرکین بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے۔ اِن پہلے اور پچھلے گم راہوں کے دل بالکل ایک جیسے ہیں۔ وہ بھی نشانیاں مانگا کرتے تھے یہ بھی نشانیاں مانگتے ہیں، حالاں کہ نشانیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اصل کمی علم اور پہچان کی ہے۔ اگر یہ اپنے اندر صحیح علم پیدا کرلیں تو دنیا کے ذرّے ذرّے اور پتے پتے سے انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ انسان کو نبیوں کی تعلیم کی ضرورت کس قدر ہے؟

عزیزانِ اسلام! یہ قاعدے کی بات ہے کہ جب ہزاروں یا لاکھوں آدمی کسی آ کا انکار کردیں تو اقرار کرنے والوں کی طبیعت بھی ضرور ڈانواں ڈول ہو جاتی ہے۔ ابتداء ابتداء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے لوگ بہت ہی تھوڑے تھے، لہٰذا یہ ہر وقت ممکن تھا کہ اس عام انکار اور عام مخالفت سے یہ تھوڑے سے مسلمان متاثر ہوں، اس لئے اوپر کی آیت میں خدا تعالیٰ نے پہلے تو مشرکوں کو یہ ہدایت کی کہ تمہیں علم حاصل کرنا چاہیئے۔ اب مسلمانوں سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ مشرک لوگ جس قسم کی بے ہُودہ باتیں کر رہے ہیں، یہ باتیں کچھ نئی نہیں ہیں، پہلے زمانہ کے منکر اور مشرک بھی اسی قسم کی بیہودہ باتیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے تم ان کا کچھ خیال نہ کرو جس طرح وہ ناکام ہوئے، اسی طرح یہ بھی ناکام ہوں گے۔

Marfat.com

عزیزانِ اسلام! آیت بتاتی ہے کہ ہمیشہ سے ایمان کی اور کفر کی عادت اپنی جگہ پر ایک جیسی رہی ہے۔ ایمان داروں کی مستقل عادت یہ ہے کہ وہ جب بھی سچائی کے ساتھ اللہ اور رسول پر ایمان لے آتے ہیں تو پھر کبھی پیٹھ نہیں دکھاتے۔ اسی طرح گمراہوں اور منافقوں کی مستقل عادت یہ ہے کہ اگر ذراسی مصیبت آجائے تو وہ ہمت ہار دیتے ہیں، وہ ابھی ایک بات کہہ رہے ہوتے ہیں لیکن امتحان آنے پر دوسری بات کہنے لگتے ہیں۔ آیت کا مختصر مطلب یہ ہوا کہ پہلے اور پچھلے زمانے کے کافروں اور شریروں کے دل ایک جیسے ہیں، اس لئے ان کی عادتیں اور عمل بھی ایک جیسے ہوں گے اور ان عملوں کا نتیجہ بھی ایک ہی جیسا ہوگا پس مسلمانوں کو نہ ان کے اعتراضوں سے گھبرانا چاہئے اور نہ ان کی سختیوں سے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ پہلے زمانے کے کافروں کا انجام کیا ہوا ہے؟ جو کچھ انجام ان کا ہوا، وہی انجام اب ان کا ہوگا۔

عزیزانِ اسلام! آپ سمجھیں کہ شرک اور کفر کی طبیعت جیسی پہلے تھی ویسی ہی اب ہے۔ اگر وہ اسلام کے دوست نہیں تھے تو یہ بھی اسلام کے دوست نہیں ہوسکتے۔ آج بہت سے مسلمان کفار اور مشرکین کی میٹھی زبان سے دھوکہ کھا رہے ہیں اور ان کے متعلق نیک گمان رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا جان و مال اور عزت ان کے ہاتھوں میں محفوظ رہے گا حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ قرآن کی آیت یہ بتاتی ہے کہ کفار جب تک کفار ہیں، ان کی ذہنیت یکساں رہے گی، یعنی وہ اسلام کے دشمن رہیں گے اور مسلمانوں کو ہمیشہ نقصان پہنچائیں گے۔ زبان سے وہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ کہیں، ان کا دل کبھی اسلام کے موافق نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کا فرض یہی ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ سے سبق سیکھیں، اور جس طرح پہلے کفار کا مقابلہ کیا گیا، اسی طرح موجودہ کفار کا مقابلہ کریں مگر افسوس ہے کہ مسلمان آج اس فرض سے بہت غافل ہوگئے ہیں۔ اگرچہ وہ یہ بات

Marfat.com

جانتے ہیں کہ آج بھی کفار اور مشرکین کی وہی حالت ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار اور مشرکین کی حالت تھی مگر اس کے باوجود وہ اُن طریقوں پر عمل نہیں کرتے جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا۔

۱۵۸۔ ایمان کے بغیر آیات بے نتیجہ

قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝

تحقیق ہم نے بیان کیں نشانیاں واسطے قوم کے جو یقین رکھتے ہیں۔

عزیزانِ اسلام! عرب کے مشرک کبھی یہ کہتے تھے کہ خدا ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا؟ کبھی یہ کہتے تھے کہ خدا کوئی ایسی انوکھی نشانی کیوں نہیں بھیجتا جس سے ہر شخص نبی کی سچائی کو پہچان لے؟ قرآن پاک نے اس کا ایک جواب یہ دیا کہ مشرکین کو علم حاصل کرنا چاہیئے آج کی آیت میں دوسرا جواب یہ دیا کہ منکرین کو ضرورت معجزات اور نشانات کی نہیں ہے بلکہ ایمان کی ضرورت ہے۔ اس دنیا میں جو شخص جہالت لے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ میں کبھی تسلیم ہی نہیں کروں گا تو اس کے لئے جس طرح قدرت الٰہی کی موجودہ نشانیاں بیکار ہیں، اسی طرح نئی نشانیاں بھی بالکل بے کار ہوں گی۔

عزیزانِ اسلام! مشرکین عرب نے پیغمبر اسلام سے کہا تھا، آپ ہمارے سامنے خشک زمین سے ایک چشمہ جاری کر دیجئے، یا شام و فلسطین کی طرح اس ملک میں کھجور اور انگور کا ایک ایسا باغ اُگائیے جس میں نہریں بہتی ہوں یا آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیجئے، یا خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر اپنے ساتھ لے آیئے یا اپنے لئے ایک سونے کا گھر بنا کر دکھائیے یا ابھی آسمان پر چڑھ کر دکھائیے اور وہاں سے اپنے ساتھ ایک کتاب لائیے! اگر آپ کوئی ایسا کام کر دیں، تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ ان فرمائشوں کے جواب میں پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں یا

Marfat.com

میں غیب کی باتیں جانتا ہوں یا میں فرشتہ ہوں بلکہ میں تو صرف خدا کا نبی ہوں، ڈر سنانے والا اور خوش خبری دینے والا۔ حضورؐ نے یہ جواب اس لئے دیا کہ ایمان کے بغیر نشانات کسی شخص کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ آپ لاکھ سورج پیدا پیدا کر دیجئے، اندھے کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

عزیزانِ اسلام! آپ غور کیجئے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ نے کتنے کتنے معجزے دکھلائے مگر کفار پھر بھی آپؑ پر ایمان نہ لائے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایمان معجزات کے تابع نہیں ہے۔ آپ روزمرہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں طبیعت طبیعت میں فرق ہوتا ہے اور یہ فرق کبھی معجزات سے، دلائل اور بحث و مباحثے سے دُور نہیں ہو سکتا۔ آپ نے سینکڑوں بار دیکھا ہو گا کہ زید ایک کھانے کو بہت اچھا کہتا ہے مگر عمرو اس کو نہایت بدمزہ بتلا دیتا ہے۔ اسی طرح عمرؔ ایک عورت کو نہایت خوبصورت سمجھتا ہے اور جان دیتا ہے مگر خالد اس سے سخت درجے کی نفرت کرتا ہے۔ اب آپ خواہ کتنی ہی دلیلیں یا معجزات دکھائیں جس چیز کو زید بدصورت سمجھتا ہے، وہ اسے کبھی خوبصورت تسلیم نہیں کرے گا۔ نبوت اور قرآن کے منکرین کی حالت بھی یہی ہے۔ وہ ہزاروں نشانات دیکھنے کے بعد انکار ہی پر قائم رہیں گے۔ کیوں؟ قرآن کہتا ہے۔ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ۔ اُن لوگوں کے دل ہی اس قسم کے بن گئے ہیں، وہ بیمار کی طرح کھانے کو بدمزہ کہتے ہیں حالاں کہ خود اُن کی قوتِ ذائقہ خراب ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو کئی معجزات دکھائے مگر وہ سارے معجزات دیکھ لینے کے بعد یہی کہتا رہا، هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ، یہ کھلا جادو ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ معجزات سے بھی ایمان والے ہی فائدے اٹھاتے ہیں، کیوں کہ ان میں قوتِ تمیز موجود ہوتی ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے مگر افسوس کہ اب ہم سب اسی معجزے سے غافل ہو گئے ہیں۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایمان نصیب کرے تاکہ ہم اس کے نشانات کو دیکھ سکیں۔

Marfat.com

۱۵۹۔ نبوت کی ضرورت

۱۱۹۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا
بے شک ہم نے بھیجا تجھ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا
وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ○
اور تو نہ پوچھا جائے گا متعلق اہلِ دوزخ کے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس دنیا کے نظام میں نبی کی صحیح پوزیشن اور حیثیت کیا ہوتی ہے؟ منکروں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا کہ آپ نبی ہیں تو ہمیں معجزہ اور نشان دکھائیں۔ خدا تعالےٰ نے اس فرمائش کے دو جواب دیئے۔ ایک یہ کہ یہ منکرین کی محض بے علمی ہے، ورنہ نبی کی ضرورت اور صداقت کے نشان پہلے ہی کچھ کم نہیں ہیں۔ دوم یہ کہ منکرین کا دل بیمار ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دل کے اندھوں نے معجزات کو دیکھ کر ضد چھوڑ دی ہو اور وہ ایمان لے آئے ہوں۔
اب آج کی آیت میں منکرین کو تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ نبی کی صحیح حیثیت سمجھیں۔ بنی نوع انسان کے لئے نبی کا وجود اس لئے ضروری نہیں کہ وہ معجزات دکھانے کا ایک آلہ ہو، بلکہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ نیک عمل کرنے والوں کو خوش خبری دے اور آگے بڑھائے اور بُرے عمل کرنے والوں کو ڈرائے اور پیچھے ہٹائے۔ باقی رہا معجزات دکھانا تو نبی اس چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا، لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔ اس سے یہ کوئی نہیں پوچھے گا کہ فلاں شخص دوزخ میں کیوں گیا؟ اگر یہ پوچھا جاتا تو پھر ممکن تھا کہ نبی منکرین کی منت کرتا یا معجزات دکھاتا تاکہ وہ کسی طرح ایمان لے آئیں۔ اور یہ بازپرس سے بچ جائے۔
عزیزانِ اسلام! اب یہ دیکھئے کہ قرآن پاک نے نبی کی ضرورت پر جو دلیل پیش کی ہے اس کے مطابق نوع انسان کو نبی کی ضرورت ہے یا نہیں؟ قرآن کہتا ہے، اصلاحِ انسانی کے لئے ایک ایسی قوت کی ضرورت ہے جو بشیر ہو، تاکہ وہ سب لوگوں کو دنیا اور آخرت کی

Marfat.com

خوش خبری سنا کر انہیں انیک عمل کرنے کی ترغیب دے۔ وہ مذبر ہو تاکہ سب لوگوں کو دنیا اور آخرت میں ناکام ہونے سے ڈرائے اور انہیں بُرے عملوں سے علیحدہ رکھے۔ اس کے علاوہ وہ غیر مسئول ہو یعنی وہ غرض کے بغیر ہدایت پہنچائے۔ اس کی ترقی اور تنزل یا کوئی دوسری غرض اس پر موقوف نہ ہو کہ فلاں شخص دوزخ میں کیوں گیا؟

مولانا ابو الکلام آزاد کے الفاظ میں بھی اس آیت کا مطلب سن لیجئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اے پیغمبر! یہ ایک حقیقت ہے کہ تمہیں (خلق اللہ کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) بشارت دو، اور (انکار حق کے نتائج سے ڈراؤ۔ یعنی تمہاری دعوت تمام تر اسی حقیقت کی دعوت ہے۔ تم خدا پرستی اور نیک عملی کی طرف بلاتے ہو۔ انکار حق اور بد عملی کے نتائج سے ڈراتے ہو، پھر جو لوگ نشانیاں مانگ رہے ہیں، اگر فی الحقیقت اُن میں سچائی کی طلب ہے تو غور کرو، ایک طالب صادق کے لئے تمہاری دعوت سے بڑھ کر اور کونسی نشانی ہو سکتی ہے؟ کیا کسی انسان کے سچے ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ اس کی تمام باتیں صرف سچائی ہی کے لئے ہوں؟ لیکن اگر اس پر بھی یہ لوگ انکار و سرکشی سے باز نہیں آتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، اور اپنا کام کئے جاؤ) جو لوگ (اپنی محرومی و شقاوت سے) دوزخی گروہ ہو چکے ہیں، تم ان کے لئے خدا کے حضور جوابدہ نہیں ہوگے (تمہارا کام صرف پیام حق پہنچا دینا ہے)۔

نبی خدا نے خوش خبریاں سنا کر نیک عمل کی ترغیب دی، ڈر سنا کر بُرائی سے روکا غرض کے بغیر حق کی ہدایت کی۔ پھر کیا ضرورت کہ وہ ہر شخص کی فرمائش پر معجزات دکھائیں؟

(۱۰۰) منکرین حق سے عدم تعاون

۱۲۰۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہودی اور نہ نصرانی

حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ؕ جب تک پیروی نہ کرے تو ان کی ملت کی۔	پچھلی آیت میں پیغمبرِ اسلام سے خطاب کیا گیا تھا کہ منکرینِ حق، آپ کو معجزات

دکھانے کا آلہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نظامِ دنیا میں آپ کی اصل پوزیشن یہ ہے کہ آپ اہلِ یقین کو ایمان و عمل کی خوش خبریاں سنا کر میدان میں نکالیں اور منکرینِ حق کو انکارِ حق کے نتائج سے ڈرا کر پیچھے ہٹا دیں۔ اب آج کی آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ کفار کا آپ کے ساتھ جو جھگڑا اور فساد شروع ہے، وہ معجزات کے دکھانے سے حل نہیں ہو سکتا۔ معجزات کی فرمائش صرف ایک کٹ حجتی ہے۔ منکرین کا اصل مطالبہ یہ ہے کہ آپ ان کی ملت میں جذب ہو جائیں۔ اس کے بغیر یہود اور نصاریٰ ہرگز ہرگز آپ سے راضی نہیں ہوں گے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ کون "مسلمان" ہوں گے جن سے یہودی، عیسائی، مشرکین اور کفار اصولی طور پر خوش رہیں گے؟ یہ وہ "مسلمان" ہوں گے جو اُن کی ملت، یا قومیت، یا سوسائٹی یا ان کی جتھہ بندی میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ ایک ایسا مستقل اصول ہے جو آج تک نہیں بدلا۔ منکرین اسلام نے خود پیغمبرِ اسلام سے بھی یہی مطالبہ کیا تھا اور آج پیغمبرِ اسلام کی اُمت سے بھی اصل مطالبہ یہی ہے، یعنی یہ کہ "تم اسلام کی ملت سے تعلق نہ رکھو اور ہندو یا انگریز کی ملی، قومی یا سیاسی جتھہ بندی میں جذب ہو جاؤ"۔ "جو مسلمان" ایسا کرتے ہیں وہ غیر مسلموں کی سرکار سے وزارتیں، عہدے، جاگیریں اور خطابات حاصل کر سکتے ہیں۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں قرآن پاک نے یہود و نصاریٰ یا کفار و مشرکین کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک مستقل اصول پیش کر دیا ہے۔ آپ اپنے موجودہ حالات کو سامنے رکھ کر اس اصولی سچائی کا امتحان کریں۔ آج انگریزی قوم پکار رہی ہے۔

Marfat.com

"ہماری ملت کے مفاد کے تابع ہو جاؤ، پھر ہم تمہیں سب کچھ دیں گے"! ہندو قوم بھی یہی پکار رہی ہے۔ "ہندو قومیت میں جذب ہو جاؤ، پہلے ہندوستانی اور پھر مسلمان ہونے کا اعلان کر دو، جداگانہ انتخاب اڑا دو، مسلم لیگ کو توڑ دو، اپنے علیحدہ حقوق مت مانگو، ملتِ اسلامیہ کی جداگانہ تنظیم کا خیال ترک کر دو، کانگریس کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرو، مذہب کے ساتھ صرف تم اپنی پرائیویٹ زندگی میں تعلق رکھو اور اس کے بعد جماعتی کاموں، سیاسی معاملات اور پبلک زندگی کے تمام دائروں میں ہندو جماعت اور قومیت کے غلام بن جاؤ"۔ جو "مسلمان" ہندو یا انگریز کے ان مطالبات کو مان لیتے ہیں، وہ ان پر خوش ہو جاتے ہیں یا آج جن لوگوں کو ہندو اور انگریز کی خوشنودی حاصل ہے۔ وہ صرف وہی لوگ ہیں جنہوں نے ملت اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کامل طور پر ملتِ اسلامیہ کے تابع ہو اور پھر اسے غیر مسلم کی سرکار میں عہدے اور عزتیں حاصل ہو جائیں۔

عزیزانِ اسلام! فیصلہ کُن سوال صرف ایک ہے۔ آپ کونسی ملت کے تابع رہنا چاہتے ہیں؟ اس لئے کہ آپ کسی حال میں بھی دو ملتوں کے وفادار نہیں رہ سکتے یہاں صحابہ کرام کو سبق دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی خوشنودی سے قطع تعلق کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، کیوں کہ صرف اسی ایک بنیاد پر ملت اسلامیہ کو عروج حاصل ہونے والا ہے۔

۱۶۱۔ اصل ہدایت کی پیروی پر زور

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ

کہہ دو بے شک اللہ کی ہدایت وہی ہدایت ہے۔

عزیزانِ اسلام! پچھلی آیت میں یہ کہا گیا، یہودی اور عیسائی تیرا اسلام

مسلمانوں سے یہ کہتے تھے، تم ہماری قومیت کے تابع ہو جاؤ پھر ہم خوش ہو جائینگے اور امن و امان سے وقت گذرے گا۔ آج کی آیت میں، خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہدایت کا یہودیوں اور عیسائیوں کی قومیت سے کیا تعلق؟ خدا کی ہدایت کسی گروہ یا جماعت کی خانہ ساز فرقہ بندی میں مبتلا نہیں ہو سکتی۔ خدا کی ہدایت تو خدا کا ایک قانون ہے، وہ فرقہ بندی سے بالاتر ہے اور وہ جہاں بھی ہے خدا کی طرف سے ہے، اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

عزیزان اسلام! دین، ہدایت اور شہادت کے متعلق اسلام کی خاص تعلیم اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ عدالتوں میں کہا جاتا ہے، یہ مدعی کے گواہ ہیں اور یہ مدعا علیہ کے گواہ ہیں مگر اسلام یہ نہیں کہتا ہے، اسلام کے نزدیک گواہ نہ مدعی کے لئے ہونے چاہئیں اور نہ مدعا علیہ کے لئے۔ بلکہ گواہ صرف اللہ کے لئے ہونے چاہئیں۔ دین اور ہدایت کی بات بھی شہادت کی طرح ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کی ہدایت ہے، یہ یہودیوں کا دین ہے، یہ ہندوؤں کا مذہب ہے، مگر اسلام یہ نہیں کہتا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ دین اور ہدایت کا قوموں، نسلوں، شخصوں اور فرقوں کی قید سے کچھ تعلق نہیں ہے، بلکہ ہدایت اور سچائی کے اصول، سورج، چاند اور دوسری قدرتی نعمتوں کی طرح اس دنیا میں پہلے دن سے موجود ہیں، وہ ایک ہیں۔ ایک خدا کی طرف سے ہیں اور سب انسانوں کے لئے یکساں ہیں۔ پس قرآن کے نزدیک ہدایت کی تعریف یہی ہے، اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى۔ ایک خدا نے سب انسانوں کے لئے جو ایک مشترک تعلیم ہدایت بھیجی ہے۔ اصل ہدایت وہی ہے اور اسی کا نام الدین یا الاسلام ہے۔ اس ہدایت کی ٹھیک اور صحیح ضد فرقہ بندی ہے۔ اب عام لوگ اس بات پر زور نہیں دیتے کہ دنیا اور آخرت کی اقبال مندی کے

Marfat.com

لئے خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اصولوں پہ عمل کرنا چاہیئے، بلکہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ زید کو جو فلاں فرقے میں شامل ہے، ہمارے فرقے میں شامل ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر وہ نجات نہیں پائے گا۔ تعلیم تو یہ تھی کہ لوگ خدا کی ہدایت پر عمل کر کے کامیاب ہوں گے، مگر یہ کہا جا رہا ہے کہ جو لوگ ہمارے فرقے میں شامل ہونگے وہی کامیاب ہونگے۔

عزیزانِ اسلام! آپ تہ کی بات سمجھیں۔ خدائی اصول کے مطابق راہِ نجات یہ ہے کہ ایمان اور عمل کے معاملہ میں خدا تعالےٰ کے بتلائے ہوئے ایک ایک اصول کی پیروی کی جائے مگر افسوس کہ ہم اس جڑ کی بات کو بالکل بھول گئے ہیں جس طرح یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے یہ کہتے تھے، آپ ہمارے فرقے میں شامل ہو جائیں، پھر آپ کی نجات ہوگی۔ اسی طرح ہم مسلمانوں کے فرقے بھی ایک دوسرے کو یہی کہہ رہے ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں سب لوگ شیعہ ہو جائیں پھر نجات ہوگی۔ اہل حدیث کہتے ہیں، سب لوگ اہل حدیث ہو جائیں پھر نجات ہوگی۔ حنفی یہ کہتے ہیں، سب لوگ حنفی ہو جائیں پھر نجات ہوگی۔ حالاں کہ کوئی مسلمان کسی بھی فرقہ میں رہے اور یہ شامل ہونے سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ ازلی اور ابدی سچائی یہ ہے کہ خدا کی ہدایت اور خدا کے بتلائے ہوئے اصول واضح طور پر سب انسانوں کے سامنے موجود ہیں، خدا کا قول یہ ہے کہ جو بھی شخص ان اصولوں پر عمل کرے گا، وہ کامیاب ہو جائے گا، قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى۔ اے نبیؐ! کہہ دو، اصل ہدایت، اللہ کی ہدایت ہے جس پر سب انسانوں کو عمل کرنا چاہیئے۔

۱۶۲۔ ممانعت پیروی اغیار

جَآءَكَ	بَعْدَ الَّذِیْ	اَهْوَآءَهُمْ	اتَّبَعْتَ	وَلَئِنِ
آیا تیرے پاس	بعد اس کے کہ	خواہشوں کی ان کے	پیروی کی تو نے	اور گر

مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ؀

کچھ علم نہیں ہوگا واسطے تیرے اللہ کی طرف سے کوئی دوست اور نہ مددگار۔

یہود اور نصاریٰ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ان کی بنائی ہوئی ملتوں کے پیرو بن جائیں۔ اس کا ایک جواب یہ دیا کہ اسلام جو عالم گیر خدائی سچائیوں پر عمل کرانے آیا ہے وہ فرقہ بندی کی غلاظت میں کیوں کر پھنس سکتا ہے؟ اب آج کی آیت میں اسی معاملے کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔ اے نبی! اگر آپ نے علم و روشنی کے مل جانے کے باوجود ان لوگوں کی خواہشات پر عمل کر لیا تو تمہارا تعلق خدا کی دوستی اور مددگاری سے بالکل کٹ جائے گا۔ اس آیت میں جاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ سے مراد خدا کی ہدایت اور قرآن ہے اور اَهْوَاءَهُمْ سے مراد یہود و نصاریٰ کا قومی اور ملی مفاد اور گروہ بندی ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی شان یہ ہے کہ خدا کی عالم گیر سچائیوں پر جو سب انسانوں کے لئے ہیں عمل کریں، نہ کہ شخصی اور قومی خواہشات پر۔ خدائی دین کی بنیاد یہ ہے؛ اللہ سب کا مالک۔ انسان آپس میں بھائی بھائی، نوعِ انسان کی بہتری، بھلائی اور ترقی سب انسانوں کا مشترکہ دین۔ ایک وقت تمام معروف دین، انسانی دین تھے، البتہ وقت، حالات اور قومی تجربات کے مطابق شریعتیں الگ الگ ہو گئیں۔ آخر کار وحدتِ انسانی کا اصل اصول ہر قوم نے بھلا دیا اور رسوم، شریعت اور تمہیدی قوانین کو اپنا قومی دین بنا لیا۔ اس طرح انسانی دین ختم ہو گئے اور قومی دین بن گئے۔ یہاں تک کہ اب ہر فرد یہ دعوے کر رہا ہے کہ صرف میں حق پر ہوں اور باقی سب لوگ کافر اور گمراہ ہیں۔ خواہشات کی تابعداری یہی ہے اور اسی مقام پر انسان نفاق میں مبتلا ہو کر امدادِ الٰہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔

(۱۶۳) صحیح تلاوت کا نتیجہ ایمان

۱۲۱- اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ
وہ لوگ کہ دی ہم نے ان کو کتاب وہ پڑھتے ہیں اس کو حق

تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ
پڑھنے کا یہی لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہر ایک شخص جو اہلِ کتاب کی مردم شماری میں شامل ہو، اہلِ ایمان نہیں ہو سکتا۔ اہلِ ایمان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خدا کی کتاب کو ایسا پڑھے، جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ سچے دل سے پڑھے۔ سبق حاصل کرنے کے لئے پڑھے۔ عمل کرنے کی نیت سے پڑھا جائے اور معنی اور مطلب پر غور کرے۔ آیت کہتی ہے کہ ایسی ہی تلاوت سے ایمان پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر پیغمبرؐ اسلام کے زمانہ میں یہود ونصاریٰ کی یہ حالت نہیں تھی۔ وہ اپنی آسمانی کتابوں کا صحیح مطالعہ تو کرتے نہیں تھے، البتہ تورات اور انجیل کے نام کو اپنے قومی فخر کے لئے ضرور استعمال کر لیتے تھے مثلاً جب کسی مجلس میں بیٹھتے تو اس پہ فخر کرتے کہ ہم اہل کتاب ہیں۔ ہم پر تورات نازل ہوئی ہے، ہم پر انجیل اتری ہے اور ہم سے زیادہ کوئی سچائی کا حامل نہیں۔ یہ تو تھا ان کا زبانی دعویٰ اور عمل کی حالت یہ تھی کہ ان کے پیشوا کھلے بندوں تورات اور انجیل کے حکموں اور آیتوں کے مضمون تک میں ردوبدل کر دیتے تھے، مگر ان مدعیانِ کتاب کو اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ کہ خدا کی کتاب اُلٹ پلٹ کی جا رہی ہے۔ اس بے خبری کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ تورات اور انجیل کے صرف نام سے واقف تھے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کتابوں میں لکھا کیا ہے؟ اگر وہ کبھی توریت و انجیل کی تلاوت کرتے بھی تھے تو طوطے کی طرح صرف لفظوں کی رٹ

لگاتے تھے، نہ معنی سمجھتے تھے اور نہ مطلب۔ پھر جب معنی ہی معلوم نہ ہوں تو عمل کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جو شخص نہ کتاب کے معنی سمجھے اور نہ عمل کرے، اُس پہ ایمان کی راہ کیسے کھُل سکتی ہے؟ اسی واسطے ارشاد ہوُا، اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ، اور وہ کتاب کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح کہ پڑھنے کا حق ہے، اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ، انہی کے متعلق یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جو شخص اللہ کی کتاب کی تلاوت کا صحیح حق ادا نہیں کرتا، وہ ایسا ہے کہ گویا وہ اس پر ایمان ہی نہیں لایا۔

عزیزانِ اسلام! آپ اس آیت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس میں صاف طور پر یہ کہہ دیا گیا ہے کہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ صرف اُسی شخص کو زیبا ہے جو اس کتاب کی تلاوت کا حق ادا کرے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ طوطے کی طرح سمجھے بغیر پڑھے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اگر تلاوت کا حق ادا کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس کتاب پہ ایمان لایا ــــ برادرانِ اسلام! غور کیجئے، ہماری آج کی تلاوت کیسی ہے؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں تو معنیٰ معلوم نہیں۔ معنی معلوم ہے تو عمل معلوم نہیں اور عقیدہ یہ ہے کہ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، دس بدیاں دُور ہوتی ہیں اور دس درجے بلند ہوتے ہیں۔ حالاں کہ یہ عمل کرنے والوں کی باتیں ہیں۔ اس طرح طوطے کی طرح تو ایک مشرک اور کافر بھی قرآن پڑھ سکتا ہے۔ بھائیو! اصل چیز عمل ہے۔ عمل کی طرف توجہ کریں۔ باعمل قومیں ہی اس دنیا میں کامیاب ہو رہی ہیں اور باعمل قومیں ہی وہاں کامیاب ہونگی۔ وہ عقیدہ اور علم اور ایمان جس کے ساتھ عمل نہیں ہے کبھی قبول نہیں کیا جائیگا۔ عمل کیجئے، عمل میں بڑی برکت ہے۔

Marfat.com

۱۶۴۔ انکارِ تلاوت اصل خسارہ

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

اور جو کفر کریں اس کا پس وہ ہیں نقصان اٹھانے والے

عزیزانِ اسلام! اس آیت کے پہلے حصے میں کہا گیا ہے کہ اہلِ کتاب میں جو لوگ کتابِ الٰہی کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، در اصل وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ آج کہا گیا ہے، "مگر جو انکار کرتے ہیں وہ نقصان اٹھائیں گے۔" آپ جانتے ہیں کہ کفر اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ چوں کہ اس آیت میں "یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ" اُن لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے جو "حَقَّ تِلَاوَتِهٖ" کے مصداق ہیں۔ اس واسطے "یَکْفُرْ بِهٖ" کے مصداق بھی لازمی طور پر وہی لوگ ہوں گے جو حَقَّ تِلَاوَتِهٖ کے اُلٹ چلتے ہیں۔ اگر آیت کے الفاظ میں اُلٹ پھیر نہ کیا جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہو گئے، اہلِ کتاب میں جو لوگ کلام اللہ کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہ ایماندار ہیں، لیکن وہ لوگ جنہوں نے تلاوت کا فرض اور حق ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے وہ کافر ہیں۔ ایسے لوگوں کو ایمان کا زبانی دعویٰ کچھ مفید نہ ہو گا۔ اور ان کا شمار ضروری طور پر نقصان اٹھانے والی جماعت میں ہے۔ اس آیت سے میں نتیجہ نکالتا ہوں کہ جو قوم کسی کتاب پر ایمان لائے، اُس پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ کتاب کی ٹھیک ٹھیک تلاوت بھی کرے لیکن اگر وہ یہ فرض ادا نہیں کرتی تو صرف زبانی ایمان کا دعویٰ اس کو دنیا یا آخرت کے نقصانات سے کبھی نہیں بچا سکے گا۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی غلطی اور گمراہی کا پردہ کھول دیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ "ہم قرآن پر ایمان لائے" میں پوچھتا ہوں کہ آپ کے اس دعوے کی کچھ حقیقت بھی ہے یا آپ کا یہ دعویٰ

Marfat.com

بندے لفظ ہی لفظ ہیں ؟ اگر "ایمان لائے" کی آواز طوطے اور مینا کی طرح صرف الفاظ کی ایک رٹ ہے تو یاد رکھئے کہ چند زبانی الفاظ کے بول دینے سے آپ کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اگر "قرآن پہ ایمان لائے" کے الفاظ کی کچھ حقیقت ہے تو ضروری ہے کہ آپ اس حقیقت کو ظاہر کریں اور اس کا ثبوت بھی بہم پہنچائیں۔

عزیزانِ اسلام! "قرآن پہ ایمان لانے" کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو قرآن کے ہر حکم اور ہر آیت کا علم ہو اور آپ جب بھی کوئی کام کریں، اُس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ حکم قرآن کی تعمیل کر رہے ہیں پس "قرآن پہ ایمان لانے" کی سب سے پہلی نشانی یہی ہے کہ آپ قرآن کریم کی با معنی تلاوت کر کے اس کے تمام احکام سے واقف ہو جائیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارا یہ حال نہیں ہے۔ ہم روزانہ قرآن پڑھتے ہیں مگر اس کا ایک حرف بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم جیسے تلاوتِ قرآن سے پہلے ہوتے ہیں، ویسے ہی تلاوتِ قرآن کے بعد رہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ہم قرآن پڑھ کر بیماروں کو دم کر دیتے ہیں۔ آیتوں کا تعویذ بنا کر گلے سے لٹکا لیتے ہیں۔ قرآن پڑھ پڑھ کر مُردوں کو بخشتے ہیں، قرآن کو قسموں اور شہادتوں میں استعمال کرتے ہیں۔ حالاں کہ قرآن میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کو تعویذوں قسموں یا جھاڑ پھونک کے لئے اتارا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کو عمل و اطاعت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ قرآن انسانی زندگی کا قانون ہے۔ کسی قوم یا شخص کو زندگی سے موت تک جتنی بھی ضرورتیں پیش آ سکتی ہیں؛ قرآن میں اُن سب کے متعلق سچی اور مکمّل ہدایتیں درج ہیں۔ قرآن پہ ایمان لانے والوں کا پہلا فرض ہے کہ وہ ایک دفعہ اطمینان کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کریں اور قرآنی حکموں سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ دوسرا فرض یہ ہے کہ اس چند روزہ

Marfat.com

زندگی کی ہر ہر بات اور ہر ہر کام میں قرآنی حکموں کی تعمیل کریں۔ جو لوگ ان دونوں باتوں میں پورے اُتریں گے، انہی کے متعلق خدائی فیصلہ ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لانے والے ہیں اور وہی لوگ دنیا اور آخرت کے نقصانات سے بچے رہیں گے۔

بنی اسرائیل سے آخری خطاب

۱۶۵ خلافت کے حق دار بنو!

۱۲۲۔ یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ
اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو بخشی ہیں نے تم کو

وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۝
اور یہ کہ بڑائی بخشی تم کو تمام جہانوں پر

عزیزانِ اسلام! ۴۴ ویں آیت سے بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوا تھا اور اب ۱۲۲ ویں اور ۱۲۳ ویں آیت پر یہ ذکر ختم ہوتا ہے جب قرآن پاک نے بنی اسرائیل کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی تو فرمایا، اے بنی اسرائیل! میری نعمتیں یاد کرو جو میں نے تمہیں انعام کیں اور تم کو دنیا کی قوموں پر بزرگی دی، اب تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر اُس دن کی پکڑ سے بچ جاؤ، جب کہ نہ تو کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے کام آئے گا، نہ کسی کی دوڑ بھاگ اور سفارش سنی جائے گی، نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی دوسری امداد کام دے سکے گی۔ بنی اسرائیل کا ذکر انہی دو آیتوں سے شروع ہوا اور اب انہی دو آیتوں پر ختم کیا گیا۔ قرآن پاک کی اگلی سورتوں میں بھی جہاں بنی اسرائیل کا ذکر ہے، اسی آیت کو بار بار دُہرایا گیا ہے۔ اس لئے دُہرایا گیا ہے؟ کیوں کہ یہ دونوں آیتیں بنی اسرائیل کی دنیوی سرداری اور اُخروی بھلائی پر حاوی ہیں۔ ۱۲۲ ویں یعنی آج کی آیت

Marfat.com

میں یہ کہا گیا ہے، اے بنی اسرائیل! تم میری دنیوی نعمتوں کو یاد کرو اور خاص طور پر اس نعمت کو یاد کرو کہ میں نے تمہیں دنیا کی تمام قوموں پہ بزرگی دی۔ اور اپنی اس شاندار تاریخ کو یاد کر کے پھر ایمانی تعلیم پہ قائم ہو جاؤ اور پہلے کی طرح اپنی قومی بزرگی کے وارث بن جاؤ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں کسی قوم یا جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اُسے دوسرے لوگوں پہ بزرگی اور برتری حاصل ہو۔ بنی اسرائیل کی اس جماعتی برتری اور بزرگی کے بار بار دُہرانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی مُردہ دل قوم کو جگانے اور اٹھانے کا خدائی قانون یہی ہے کہ اس کے سامنے اس کے سیاسی غلبہ اور قومی برتری کی تاریخ بار بار دُہرائی جائے۔

عزیزانِ اسلام! بنی اسرائیل کو قبولیت کے زمانہ میں جو آخری درجہ ملا، وہ "حکومت علی العالمین" نہیں بلکہ "فضیلت علی العالمین" ہے یعنی "جہان والوں پر حکومت" نہیں بلکہ "جہانوں پر فضیلت"۔ جہان والوں پر حکومت کے یہ معنی ہیں کہ ایک جماعت حاکم ہو اور باقی جہان والے اس کے غلام ہوں مگر "جہانوں پر فضیلت" کے یہ معنی ہیں کہ ایک جماعت بزرگ بن کر زمین، پانی، آگ، بجلی چاند، سورج، حیوانات، نباتات، اور نوعِ انسان کے اصل مقصدِ حیات کو سمجھے اور ان سب کو خدائی قانون کے مطابق کام میں لگائے۔ اور یہی درجہ خلافت ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ مسلمان حاکم ہوں اور دوسرے انسان اُن کے غلام ہوں۔ بلکہ اسلام کے نزدیک حکومت صرف خدا کا حق ہے اور خدا کی باقی ساری مخلوق پہ خدا کی غلامی کا حق یکساں طور پہ عائد ہوتا ہے۔ اس میں مُسلم و غیر مسلم یا انسان و حیوان کے اندر کچھ بھی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ ہر مخلوق کو حکمِ خدا کے

Marfat.com

مطابق زندگی بسر کرنا چاہئے اور درجہ خلافت سے مراد یہ ہے کہ انسان خدائی اخلاق سے آراستہ ہو کر حکم خدا کے مطابق مخلوق کا نظم و نسق کرے۔ یہی درجہ اس دنیوی زندگی میں انسانی کمال کی انتہا ہے۔ یہ فضیلت علی العالمین ہے اور یہی وہ قرآنی نعمت ہے جسے مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہئے۔ یہ اس وقت ہو گا جب مسلمان تفرقہ چھوڑ دیں، ایک جسم بن جائیں، ایک امیر کے ماتحت بیک وقت حرکت کریں، بیک وقت قربانی دیں۔ جب تک کسی جماعت کا اجتماعی نظام درست نہ ہو، وہ کبھی برتری حاصل نہیں کر سکتی اور یہ جو مسلمانوں کی برتری کے وعظ کہے جاتے ہیں، یہ نرے الفاظ ہیں۔ عملی حالت خود وعظ کرنے والوں سے چھپی ہوئی نہیں۔

۱۶۶۔ آخرت کے لئے عمل لاؤ

۱۲۳۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ

اور بچو اُس دن سے کہ کام نہیں آئیگا کوئی کسی کے کچھ اور نہ قبول ہوگا

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

اسکی طرف سے کوئی بدلہ اور نہ نفع دیگی اسکو کوئی شفاعت اور نہ وہ مدد دیئے جائینگے

عزیزان اسلام! پہلی آیت میں یہودیوں کی عظمت اور بڑائی کا ذکر کیا گیا، تاکہ اُن کے دلوں میں پھر امید پیدا ہو، وہ نا امیدی اور ذلت کے ماتم سے نکلیں اور پھر اپنی قدیم عزت اور شرافت کا خیال کر کے مردوں کی طرح میدان میں نکل آئیں۔ آج کی آیت میں یہودیوں کے ان عقیدوں کو رد کیا گیا ہے جنہوں نے ان کو بزدل، لپست ہمت اور بیکار بنا رکھا تھا۔ یہودیوں کے دلوں میں یہ غلط خیال بیٹھ چکا تھا کہ اگر ہم دنیا میں ذلیل اور غلام ہو گئے ہیں تو کچھ غم نہیں۔ یہ چند روزہ زندگی تو کسی نہ کسی طرح جوں توں کر کے گذر ہی جائے گی، لیکن اس کے بعد جب آخرت آئے گی تو بہشت کے مزے صرف ہمیں لوگ

Marfat.com

ٹوٹتے رہیں گے۔ یہود کی یہ غلطی زندگی کے نظام کو نہ سمجھنے کا نتیجہ تھی۔ آپ دیکھیں، اگر اس دنیا کا نظام ایسا ہوتا کہ ایک شخص گیہوں بوتا اور گھاس اُگ آتی۔ دوسرا شخص ساگ بوتا اور سیب لگ پڑتے تو انسانی زندگی کس قدر ابتر ہو جاتی کسی بھی انسان کو اپنی محنت اور کمائی پر بھروسہ باقی نہ رہتا۔ سب انسان حیران و پریشان ہو کر رہ جاتے۔ اس دنیا میں نہ کوئی عدل ہوتا نہ نظام ہوتا اور کسی شخص کو بھی اپنے کاموں کا کوئی فکر باقی نہ رہتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ایسا نہیں۔ یہاں کے تمام کام ایک قانون فطرت کے مطابق چل رہے ہیں۔ اب فرمائیے کہ جب دُنیوی نظام کا یہ حال ہے تو آخرت کا نظام کس قدر اعلیٰ اور زبردست ہو گا؟ وہاں یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص تو صرف زبان ہلا کر یا چند الفاظ پڑھ کر باغ و بہشت کا مالک بن جائے اور دوسرا شخص ہزارہا محنت اور نیکی کے باوجود بھی کچھ حاصل نہ کر سکے۔ دنیا ہو یا آخرت، خدا تعالیٰ کا قانون یہ ہے، فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ جو شخص ذرّہ بھر نیکی کرے گا، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

عزیزانِ اسلام! یہودی یا عیسائی یہ کہتے تھے، ہم رسول اللہ پر کیوں ایمان لائیں؟ ہمیں اپنے گناہوں کا کیا غم ہے، حضرت عیسیٰؑ یا حضرت موسیٰؑ یا ہمارے پیر اور ولی ہمیں خود بخشوا لیں گے۔ فرمایا، لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ۔ اے یہود! تم غلطی کرتے ہو۔ وہاں کوئی شخص کسی شخص کا بدلہ نہیں دے سکے گا۔ ہر شخص کا اپنا عمل ہو گا اور اپنا بدلہ۔ پھر عیسائی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ خدا کا اکلوتا بیٹا، ہمارے گناہوں کے بدلے سُولی چڑھ گیا ہے اور وہ اپنی جان کا فدیہ دے کر گنہ گاروں کو عذاب سے چھڑا لے گا۔ اس کا جواب یہ دیا ہے، لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ، اے

Marfat.com

نصاریٰ! تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ وہاں کوئی فدیہ یا ندرانہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اپنا عمل لاؤ گے تو نجات ہوگی۔ پھر یہودی اور عیسائی یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے نبی خدا کے دربار میں لے جائیں گے اور سفارش کرکے دوزخ کی بجائے جنت میں بھجوا دیں گے فرمایا، وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ، وہاں کوئی سفارش اور شفاعت کام نہیں دے گی۔ اور آخر میں فرمایا، وَلَاهُمْ يُنصَرُونَ، وہاں کسی اور قسم کی امداد بھی نہیں ملے گی۔ اہل کتاب کو سفارش، شفاعت، فدیہ اور صلیب وغیرہ کے عقیدوں نے عمل و ایمان کی راہ سے بالکل محروم کر رکھا تھا، اس لئے اس آیت میں اُن کے تمام غلط عقیدوں کو بالکل ردّ کر دیا گیا ہے۔ قرآن کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے قدموں پر کھڑے ہوں اور اپنی کوشش اور محنت ہی سے اپنی دنیا اور آخرت کا محل بنائیں۔ صرف لفظی دعووں سے کوئی شخص کسی نبی کی شفاعت کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

مسلمانو! تم بھی ایسے غلط خیالات میں اُلجھ کر عمل سے محروم نہ رہو۔

ابراہیمی امامت کا قیام

۱۶۷، حضرت ابراہیمؑ اور وعدۂ امامت

۱۲۴- وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ؕ

اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو اُسکے ربّ نے کچھ باتوں میں تو اس نے پورا کر دیا انکو

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ؕ

فرمایا بیشک میں تجھکو بنانے والا ہوں لوگوں کے لئے ایک امام۔

عزیزانِ اسلام! یہود اور نصاریٰ خانہ ساز گمراہیوں، فسادوں، فرقہ بندیوں اور بے دینیوں میں گھر چکے ہیں۔ خدا کے احکام کی اشاعت سے بے پروا ہیں۔ اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ احکام خدا کی اطاعت کرکے خدا کے رنگ میں رنگے جائیں اور منشائے الٰہی کے مطابق دنیا کا انتظام کریں۔ اس لئے

ضروری ہُوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ایک نئی جماعت ظہور میں آئے، وہ حکمِ خدا کی پابند ہو اور اخلاقِ الٰہی کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو، وہ دنیا میں قانونِ الٰہی کی پابندی کا نمونہ ہو تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کے اثر سے اطاعت کی راہ پر چل پڑیں ــــ عزیزانِ اسلام! ظاہری طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اب ایک نئی جماعت کو خلافتِ الٰہی کا تاج پہنایا جائے گا۔ مگر دراصل کوئی نئی جماعت پیدا ہونے والی نہیں تھی۔ خدا تعالیٰ کے ازلی اور ابدی دین کے ذریعہ سے کوئی ایسی نئی جماعت ظاہر نہیں ہو سکتی، جس کا پہلی سچائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ خدا کا دین دراصل وہی ایک دین ہے جس کا وعدہ حضرت آدم علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسانی زندگی کو شروع کیا تو اسی وقت یہ فرمایا تھا، میری طرف سے وقت وقت پر ہدایت نامے آتے رہیں گے، جو لوگ ان پر عمل کریں گے، ان کے لئے کوئی غم اور خوف باقی نہیں رہے گا۔ اس وعدۂ اوّلین کے مطابق ہر قوم میں نبی بھیجے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھے۔ آپؑ کی مختصر زندگی یہ ہے، آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے آپ شام میں پیدا ہوئے۔ باپ کا نام آذر تھا جو بُت بنا کر روٹی کھاتا تھا۔ وقت کا بادشاہ نمرود تھا۔ اس نے سلطنت کے بڑے بڑے مندروں میں بُت رکھوا دیئے تھے اور عام رعایا ان بتوں کی پوجا کرتی تھی حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی توحید کے متعلق اپنے باپ، قوم اور بادشاہ کے ساتھ کئی مقابلے کیئے اور فتح پائی۔ آج کی آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے انہی آزمائشوں میں کامیاب رہنے کا ذکر ہے۔

عزیزانِ اسلام! وہ خلافت جو یہود اور نصاریٰ کی بجائے، قرآن والوں کو دی جا رہی ہے، اس کے بانی حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ آیت بتاتی ہے کہ اس ابراہیمیؑ خلافت

Marfat.com

وامامت کی اصل بنیاد کیا تھی؟ یہ تھی کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو چند باتوں میں آزمایا آپ پورے اترے۔ اس پر آپ بحکم خداوندی انسانوں کے امام بنا دیئے گئے۔ قرآنی امامت کے قیام کے وقت ہی یہ بنیادی بات اس لئے بتائی گئی تاکہ یہ معاملہ صاف ہوجائے۔ کہ ابراہیمی خلافت پھولوں کا بستر نہیں ہے۔ بلکہ وہ خدا کے امتحانوں میں پختہ اترنے کا قدرتی پھل ہے پہلے امتحان ہے اور اس کے بعد خلافت ہے۔ خلافت کے امیدواران کو امتحان کے لئے تیار ہو کر آگے بڑھنا ہے۔

عزیزان اسلام! امام اس کو کہتے ہیں۔ جو کسی جماعت سے آگے ہو اور دوسرے لوگ اس کے نماز کی پیروی کریں۔ حضرت ابراہیمؑ انہی معنوں میں ایمان رکھنے والے امام ہیں۔ یہود و نصاریٰ بھی جب تک ان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ وہ بھی لوگوں کے امام تھے لیکن جب آج کل کے مسلمانوں کی طرح وہ حضرت ابراہیمؑ والے میدانوں میں کھرے ہونے کے قابل نہ رہے۔ تو ان کی امامت ختم ہوگئی۔ اور اہل دنیا مسلمانوں کی پیروی کرنے لگے۔ لیکن آج مسلمان پھر غیروں کی پیروی کر رہے ہیں۔ اسی سے اہل یورپ امام اور ہم غلام ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ اب پھر اس امت میں ابراہیمی اصولوں کو زندہ کیا جائے۔

۱۴۸۔ وعدہ امامت اور اولاد ابراہیمؑ

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ

کہا اور میری اولاد سے کہا نہیں پہنچتا عہد میرا ظالموں تک کو

عزیزان اسلام! جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ کی آزمائشوں میں پورے اترے تو آپ لوگوں کے امام بنا دیئے گئے۔ اس وقت آپ نے دعا مانگی کیا یہ امامت میری اولاد کو بھی حاصل ہوگی

کے ساتھ لَا یَنَالُ عَھۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ اے ابراہیم! تیری امامت ایسی نہیں ہے جیسے ایک قوم دوسری قوم کو قتل کر کے اس پر غالب آجاتی ہے بلکہ تیری خلافت اللہ کا وعدہ ہے۔ لہٰذا ظلم کرنے والوں کے سوا یہ تیرے بعد بھی جاری رہے گی۔

عزیزانِ اسلام! آج کی آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کی امامت اور خلافت ایک خدائی وعدہ ہے۔ اور قانونِ الٰہی پر چلنے کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔ یہ امامت کوئی نسلی چیز نہیں ہے۔ اسی لئے صاف کہہ دیا گیا۔ جو لوگ ظلم و گناہ کی راہ اختیار کریں گے۔ ان کا میرے اس وعدہ میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

عزیزانِ اسلام! جب اسلام ظاہر ہوا، عرب میں یہود، نصاریٰ اور مشرکین تین گروہ موجود تھے۔ اور سب کے سب حضرت ابراہیم کے نام لیوا تھے۔ اور سب محروم رہے اور اس لئے محروم رہے کہ حضرت ابراہیم کی خلافت کوئی نسلی چیز نہیں تھی کہ ان کی اولاد یا ان کے چھوٹے اور بے عمل نام لیواؤں کو بھی حاصل رہتی۔ حضرت ابراہیم کی امامت کا ابتدائی واقعہ پیش کر کے قرآن یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب حضرت ابراہیم کا طریقہ چھوڑ چکے ہیں۔ اس لئے وہ ابراہیمی وراثت سے محروم کر دیئے گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ابراہیمی خلافت کا تاج مسلمانوں کی پیشانی پر رکھ دیا۔ سوال یہ ہے۔ کیا آج بھی وہ تاج آپ کی پیشانی پر ہے؟ آپ کہیں گے کہ نہیں ہے۔ لیکن یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے آپ کو سوچنا یہ چاہئے کہ کیوں ابراہیمی وراثت سے محروم کر دیئے گئے؟ اس کا سبب وہی ہو سکتا ہے جو یہود اور نصاریٰ کی محرومی کا سبب تھا۔ جب انہوں نے ابراہیمی طریقے کو چھوڑ دیا تو خدا نے ان کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ وہ زبان سے حضرت ابراہیم کا نام

Marfat.com

پکارتے رہے مگر خدا نے زبان کو نہ دیکھا۔ اس نے یہ دیکھا کہ ان کا عمل بھی حضرت ابراہیم کے مطابق ہے یا نہیں؟ چونکہ عمل مطابق نہ تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم کے نام لیوا ہونے کے باوجود انہیں حضرت ابراہیم کی مسند سے اٹھا دیا گیا۔ یہی تاریخ اب مسلمانوں پر دہرائی جا چکی ہے۔ یہ کافی نہیں ہے کہ آپ صرف زبان سے حضرت ابراہیم کا نام لیتے رہیں۔ درود پڑھتے رہیں۔ عید گاہ میں کھڑے ہو کر کہانیاں سنتے رہیں۔ اور ان کی یاد میں بھیڑ بکریوں کی قربانیاں کرتے رہیں۔ حضرت ابراہیم کی یہ ظاہری یادگار میں صرف اسی صورت میں کوئی مضبوط نتیجہ پیدا کر سکتی ہیں۔ جب کہ آپ کے اندر حضرت ابراہیم کی توحید، ایمان، قربانی، ہجرت، ترک وطن الوف، اور کا جذبہ بھی موجود ہو آپ شرک سے بچیں، فرقہ بندی سے بچیں۔ خدا کی ذات پر قانع ہو جائیں۔ خدا کے لئے اپنے جان و مال کو قربان کر سکیں۔ اور خدا کی مصیبتوں کو راحت سمجھیں اور کسی وقت بھی حکم خدا سے غافل نہ ہوں۔ آپ اس کے بعد ہی وعدہ الٰہی کے حصہ دار بن سکتے ہیں۔

۱۶۹۔ ملت ابراہیمؑ اور اس کا مرکز

۱۲۵۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا

اور جب بنایا ہم نے خانہ کعبہ کو جمع ہونے کا مقام لوگوں کیلئے اور امن

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔

اور مقام کر لو ابراہیمی مقام کو نماز کی جگہ

عزیزانِ اسلام: جب حضرت ابراہیم خدا کے امتحان پورے اترے تو انہیں امت مل گئی۔ پھر ابراہیمی امامت کے متعلق یہ قانون بھی طے ہو گیا کہ اس کا وارث ظالموں کو نہیں بنے گا۔ اس قرارداد کے بعد اب ضروری ہو گیا کہ یہ بات عملی شکل میں جاری

کی جائے۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اس خلافت کا ایک صدر مقام بنایا جائے
ابراہیمی معاملات کی یہی ایک عجیب بات ہے کہ خلافت کی یہ پہلی ضرورت بھی اس طرح
پوری کرائی گئی کہ گویا یہ بھی حضرت ابراہیم کے امتحانات کا ایک ضروری جزو تھی حضرت
ابراہیم حضرت ہاجرہ کے ساتھ خوشی کا وقت گزار رہے تھے۔ کہ اس وقت حکم ہوا انہیں ایک
ویران جنگل میں لے جاؤ اور چھوڑ آؤ۔ حضرت ابراہیم اس حکم کے ساتھ ہی شام سے نکلے اور حجاز
میں داخل ہوئے اور جب اس مقام پر پہنچے جہاں اب مکہ آباد ہے تو آپ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت
اسمٰعیل کو اتار دیا۔ اور خود واپس چلے آئے حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل نے اس میدان میں ڈیرہ
ڈالا۔ یہاں کوئی انسانی آبادی نہیں تھی اکوئی پانی کا چشمہ نہیں تھا۔ کوئی پھل اور ترکاری
نہیں تھی۔ لیکن حکم خدا کے سامنے ان تمام مشکلات کی نہ تو حضرت ابراہیم نے کچھ پرواہ کی
اور نہ حضرت ہاجرہ نے تھوڑے عرصے کے بعد حضرت ہاجرہ کو پیاس نے ستایا تو وہ پانی کی
تلاش کے لئے ادھر ادھر دوڑیں۔ لیکن جب سب طرف سے ناکام ہو کر حضرت اسمٰعیل کے
پاس جو اس وقت طفل شیر خوار تھے۔ واپس لوٹیں تو دیکھا کہ حضرت اسمٰعیل کے قدموں میں
پانی کا چشمہ بہ رہا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے پیاس بجھائی اور خدا کا شکر ادا کیا تھوڑے عرصہ کے
بعد وہاں ایک قافلہ آگیا اور آہستہ آہستہ ایک بستی آباد ہو گئی۔ یہ بستی وہ بستی تھی جس کے
متعلق قدرت خداوندی کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ ابراہیمی دعوت کا صدر مقام ہے۔ لہٰذا طے
کر دیا گیا کہ یہ تمام لوگوں کے جمع ہونے کا مرکز ہوگا۔ [illegible] کا مرکز ہوگا اور عبادت الٰہی کا
[illegible] یہاں جمع ہو [illegible] امن قائم کریں گے اور عبادت
[illegible] اور [illegible] کا علم بلند
[illegible] ایک معصوم شیر خوار اور [illegible] عورت
[illegible] تھے۔ تنظیم

امن اور عبادت۔ چنانچہ آج کی آیت میں انہی تین بنیادوں کا ذکر موجود ہے۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ خدا نے اس مرکز کو لوگوں کے جمع ہونے کا گھر بنایا۔ وَاَمْنًا اور امن کا گھر بنایا۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى اور یہ بھی حکم دیا کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مرکز بنایا جائے۔ اس سے ثابت ہے کہ تین چیزیں خانہ کعبہ کی تقدیر میں تنظیم، امن اور عبادت؛ خانہ کعبہ نہیں بلکہ خود اسلام اور انسانیت کی تقدیر کے ستون بھی یہی تین ہیں۔ اسی کے لئے یہ قرار دیا گیا کہ خانہ کعبہ اسلامی جماعت کی تنظیم کا محل ہو، امن کا مرکز ہو اور عبادت کا صدر مقام ہو۔ جب تک مسلمانوں نے خانہ کعبہ کی اس تقدیر کو قائم رکھا۔ ابراہیم، محمد کی خلافت اور امامت سے چمن شاداب تھے۔ لیکن جب خانہ کعبہ کی تعمیر یہ تقدیر سو گئی تو اسلامی خلافت کی کھیتیاں بھی ساتھ اجڑ گئیں۔ آؤ اپنی زندگی کے گھر پہلے سرے سے درست کریں۔ جب خدا کا گھر آباد ہو گیا تو چالیس کروڑ مسلمانوں کے گھر خود بخود آباد ہو جائیں گے۔

١٧۔ خداپرستی پر تنظیم کی بنیاد

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا
اور وعدہ لیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے کہ پاک رکھنا
بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝
میرا گھر واسطے طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کے۔

عزیزان اسلام! ابراہیمی خلافت کو جاری کرنے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ پہلے حضرت ابراہیم کی آزمائش کی گئی کیوں کہ خلافت الٰہی کی پہلی ضرورت یہی تھی کہ ایک آزمودہ کار لیڈر ہو جو اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے وقف کرے۔ پھر حضرت ابراہیم کی امامت کا اعلان کیا گیا۔ پھر یہ طے کیا گیا کہ یہ خلافت ظالموں میں جاری نہیں ہو گی۔

Marfat.com

ان تین بنیادوں کے بعد حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کے ذریعے سے خلافت کا صدر مقام تعمیر کر دیا گیا۔ تاکہ اس جماعت کو ایک مرکز مل جائے اور کام جاری ہو جائے۔ پھر اسی مرکز کو قائم کرنے کے لئے جماعت بندی، امن اور عبادت، تین اصول طے پائے۔ اب پانچویں درجے میں جماعت بندی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کو حکم دیا کہ وہ اس گھر کو خدا کا گھر سمجھیں اور اسے طواف کرنے والوں، عبادت کے لئے ٹھہرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھیں۔ تاکہ عام لوگ یہاں آئیں اور خدا کی عبادت کریں۔ اور اپنے دلوں کو پاک و صاف کر کے راہ خدا کی قربانیوں کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر نوع انسان میں خدا کے قانون کو جاری کر دیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمی خلافت کی اصل بنیاد اور جڑ خدا پرستی پر قائم کی گئی تھی۔ اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے پروگرام کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ عبادت کرنے والوں کا راستہ صاف کریں تاکہ خدا پرست لوگ آسانی سے جمع ہو جائیں اور ایک پاک آب و ہوا میں طواف کرتے ہوئے، کمر جھکاتے ہوئے اور زمین پر سر رکھتے ہوئے توحید الٰہی اور وحدت انسانی کے رنگ میں رنگے جائیں اور پھر خدا کے صادق اور خالص رضاکار بن کر دنیا میں خدا کے قانون کی حکومت قائم کریں۔

عزیزان اسلام! خدا تعالے نے حضرت ابراہیم اسمٰعیل کو جو اہل عبادت کے لئے خانہ کعبہ کو پاک و صاف رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اسے اس لئے دہرایا گیا تاکہ رسول خدا کے صحابہ میں خانہ کعبہ کی اس اصلی حیثیت کو پھر نئے سرے سے بحال کرنے کا ولولہ پیدا ہو جائے۔ اس وقت خانہ کعبہ کفر کا مندر بنا ہوا تھا۔ اس میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے اور جاہل مرد اور عورتیں بالکل مادر زاد ننگے ہو کر خانہ کعبہ کے اندر بڑی عقیدت سے چیختے چلاتے ہوئے طواف کیا کرتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کو یہ یاد دلایا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کو اس بت پرستی کی

Marfat.com

غلاظت سے پاک کرنا چاہئے۔ اس کے بعد ہی ابراہیمی خلافت کی تقدیر زندہ ہوگی۔

عزیزانِ اسلام! خانہ کعبہ کے متعلق جو فرض حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ پر عائد کیا گیا ہے۔ وہی فرض خدا کی مسجدوں کے متعلق ہم سب پر عائد ہوتا ہے۔ اگر آپ ابراہیمی خلافت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو ابراہیمی طریقوں کی پیروی کرنا ہوگی اور جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کو تنظیم، امن اور عبادت کا مرکز بنایا، اسی طرح اب آپ کا فرض یہ ہوگا۔ کہ آپ اپنی اپنی محلہ دار مسجدوں کو مسلمانوں کی جماعت بندی کا امن و اصلاح کا اور عبادت و اطاعت الٰہی کا مرکز بنا دیں۔ پھر انہی مسجدوں سے اسلام کی قوت کا چشمہ پھوٹے گا۔ اور مسلمانوں کی غلامیاں ختم ہو جائیں گی۔

۱۷۱۔ ابراہیمی جماعت کی ضرورتیں

۱۲۶۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا

اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے رب بنا یہ شہر امن والا

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ

اور روزی دے اس کے باشندوں کو پھلوں سے جو ان کو ایمان لائے ان میں سے ساتھ اللہ کے

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور یوم آخرت کے لئے ہے

عزیزانِ اسلام! ابراہیمی خلافت قائم ہو رہی ہے۔ عملی کام شروع ہے اس لئے حضرت ابراہیمؑ کے مقاصد اور ابراہیمی جماعت کی ضرورتیں ایک ایک کر کے سامنے لائی جا رہی ہیں۔ پہلے یہ کہا گیا، حضرت ابراہیمؑ خدا کے امتحان میں پورے اترے تو انہیں امام بنایا گیا۔ پھر اسی خلافت کے مستقبل کی حفاظت کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس وعدہ الٰہی میں ظالموں کو کچھ حصہ نہیں دیا جائے گا۔ پھر ابراہیمی مبلغوں کے لئے وہ آبادی بسا لی گئی اور مرکز قائم کیا گیا۔ جہاں سے ابراہیمی امامت کا پیغام دنیا میں گونجنے والا تھا۔ یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد خدا تعالیٰ سے

Marfat.com

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کو حکم دیا کہ آپ پہلا کام یہ کریں کہ میرے اس گھر کو عبادت کرنے والوں کے لئے ہمیشہ پاک وصاف رکھیں تاکہ دنیا کے ہر گوشے سے نیک لوگ یہاں آئیں۔ اور وہ عبادت الٰہی کے ذریعے اپنے دلوں کو پاک وصاف کر کے ایک خدائی جماعت بنتے چلے جائیں۔ اب آج کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم حکم خداوندی کے مطابق خانہ کعبہ کی آبادی اور صفائی کی کوشش کر رہے تھے۔ تو ساتھ ہی ساتھ خدا تعالیٰ سے یہ دعائیں بھی مانگتے جاتے تھے۔ اے پروردگار! ایسا کر کہ یہ شہر امن و امان کی آبادی بن جائے اور اس کے علاوہ چونکہ یہ تمام دنیا کی آبادیوں سے دور اور سرسبزی سے محروم ہے اس واسطے یہاں کے باشندوں میں جو لوگ تجھ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ ان کو پھلوں کی روزی عطا فرما۔

عزیزانِ اسلام: قرآن شریف قدم قدم پر آپ کو بتایا ہے کہ اسلام کی نعمت اور رحمت میں ظالموں اور سرکشوں کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ پہلے خدا تعالیٰ نے تفویضِ نعمت کے وقت فرمایا تھا۔ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ظلم کرنے والوں کو میرے وعدے میں کچھ حصہ نہیں ملے گا۔ اس کا جواب حضرت ابراہیم نے دیا بہت اچھا۔ اے پروردگارِ عالم! پھر اس شہر کے جو آباد کار تجھ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ انہیں کو پھلوں کی روزی عطا فرمانا اور برکت دینا۔ حضرت ابراہیم کی یہ دعا اُمتِ مسلمہ کی اقتصادی ضروریات کے لئے تھی کہ ان کا تمدن بلند ہو، اور آسودہ حال ہوں اور پھلوں کی روزی کھائیں۔

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مکہ ظالموں کے قبضہ میں تھا۔ جو دعائے ابراہیم کے خلاف خدا کی نعمتیں کھا رہے تھے۔ اور کفر کی آگ بھڑکا رہے تھے۔ قرآن نے دعائے ابراہیم کا ذکر اس لئے کیا تاکہ جماعت رسول کو یہ معلوم ہو جائے کہ مکہ معظمہ کی نعمتیں درحقیقت ایمان داروں کا ورثہ ہیں۔ جس پر انہیں جلد سے جلد قابض

ہو جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ دعائے ابراہیم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم اسلام کی سب سے پہلی نوآبادی بسا رہے تھے تو ان کا احساس یہ تھا کہ اسلام کے پیروؤں کے لئے دو چیزوں کا انتظام ہونا چاہیئے۔ ایک بالکل پر امن اور آزاد فضا کا اور دوسرے باعزت اور فراغت روزی کا۔ تاکہ اسلام کی تحریک تمام کائنات میں پھیل سکے۔ عزیزانِ اسلام! آپ بھی حضرت ابراہیم کی زبان سے اسلام کی ضرورتوں کو سمجھیں، آپ تبلیغ اسلام کا مرکز قائم کریں۔ عبادتِ الٰہی پر اس کی بنیاد قائم رکھیں۔ اس کے لئے پر امن اور آزاد فضا بہم پہنچائیں۔ وہاں کے ایمان دار باشندوں کے لئے باعزت روزی کی صورت پیدا کریں۔ اسلام کا بیج۔ امتحان، قربانی، اتحاد، تنظیم، امن و عبادت، آزادی اور باعزت روزی کے میدانوں میں سرسبز ہو سکتا ہے۔

۱۷۲۔ مخالفین کے لئے قانون

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ

فرمایا اور جو کوئی انکار کریگا سو فائدہ دونگا اسکو تھوڑا پھر

أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ

ناچار کرونگا اسکو طرف عذاب دوزخ کی اور برا ہے وہ ٹھکانا۔

عزیزانِ اسلام! حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی، اے اللہ! مکہ کو امن کا گھر بنا دے اور اس کے ایمان دار باشندوں کو پھلوں کی روزی عطا فرما۔ حضرت ابراہیم کی اس دعا کا جواب، یہ ملا۔ اے ابراہیم! تمہاری دعا قبول ہے مگر اس میں ایک استثنار ضرور ہوگی۔ اور وہ یہ کہ یہاں کے باشندوں میں سے جو لوگ کفر کا طریقہ اختیار کریں گے انہیں بھی یہاں کے سامان رزق سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے گا۔ لیکن تھوڑے وقت کے لئے اس کے بعد وہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔

Marfat.com

عزیزانِ اسلام! اس آیت سے قرآن کریم کی سچائی کا حال سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی دعا صرف یہ تھی کہ اہلِ ایمان کو پھلوں کی روزی عطا ہو۔ لیکن جواب یہ ملا۔ یہاں کفار کو بھی تھوڑے دن فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا رہے گا اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ دنیوی رزق کا تعلق دنیوی اسباب کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ کفر اور ایمان کے ساتھ ہو سکتا ہے کہ ایک کافر کو اسباب حاصل ہوں، اور وہ دنیا میں آرام و راحت کا بادشاہ بن جائے۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مومن کو اسباب حاصل نہ ہوں۔ اور نہ وہ دنیا میں ایک دن بھی سیر نہ ہو۔ پس پہلی بات یہ کہی گئی کہ ایمانداروں کے لئے جب دنیوی آسائش اور فراغت کی دعا کی گئی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کفار پر اس کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔ دوم یہ کہ مومن اور کافر میں اصل فرق کثیر اور قلیل کا ہوگا۔ کفار کو دنیوی کوشش اور اسباب کی مدد سے جو کچھ مل سکتا ہے۔ وہ ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اس طرح ایمان والے اگر تکلیف بھی اٹھائیں گے تو ان کی یہ ساری تکلیف ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ کیوں کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حیثیت ایسی ہے جیسی سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ۔ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيلاً کے معنی یہ ہیں کہ کفار کو دنیوی آرام تو حاصل ہوگا۔ لیکن یہ آرام ایسا ہے جو آخرت کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہے یہ لوگ اگر اس بیس یا ساٹھ ستر سال تک آرام پائیں گے۔ تو اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نقصان میں دیئے جائیں گے۔ اسی طرح اہلِ ایمان کے دنیوی نقصانات کا حال ہے اگر انہیں اس دنیا میں چند دیگر روز تکلیف بھی پہنچے گی۔ تو موت کے بعد ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرام کا دروازہ بھی کھل جائے گا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو لوگ آج تکلیف مصیبت، فاقہ کشی و ذلت اور غلامی میں مبتلا ہیں، وہ ضرور مومن ہیں یا جو لوگ آرام و راحت اور شان و شوکت

کے عوض لوٹ رہے ہیں۔ وہ مزدور کافر ہیں، جیسا کہ عام مسلمان یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اس دنیا میں مسلمانوں کے لئے غریبی ہے اور کافروں کے لئے امیری۔ اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آخرت میں ہم مسلمانوں کو امیری حاصل ہو گی۔ اور کافروں کو غریبی، حالانکہ آخرت کی امیری موجودہ زمانے کی غریبی کا بدلہ نہیں ہو گی بلکہ وہ تو صرف ایمان اور عمل صالح کا بدلہ ہو گی۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ دنیوی دولت ان لوگوں کو ملے گی جو قانون خداوندی کے مطابق علم و حکمت فلسفہ سائنس، اسباب و ذرائع اور محنت و کوشش سے فائدہ اٹھائیں، لیکن اگر ان کی یہ جدوجہد خدائی حدود کے مطابق ہو تو پھر انہیں آخرت بھی مل جائے گی۔ لیکن اگر خدا کی حدود کے مطابق نہ ہو تو ان کی دنیوی نعمتیں ایک وقت کے لئے تو برقرار رہیں گی۔ لیکن آخرت کی نعمتیں میسر نہ ہوں گی۔ اسلام کی راہ یہ ہے۔ کہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی سعادت حاصل کی جائے۔

معمارانِ کعبہ کا نصب العین

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ

اور جب اٹھاتا تھا ابراہیمؑ بنیادیں کعبہ کی اور

اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اسمٰعیل (کہتے تھے)، اے رب ہمارے قبول کر ہم سے بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل خانۂ کعبہ کی عمارت بنا رہے تھے تو ان کے دل کا حال کیا تھا۔ آیت بتاتی ہے کہ دونوں کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور یہ دعا زبان پہ بے اختیار جاری تھی رَبَّنَا اے رب ہمارے تَقَبَّلْ مِنَّا ہمارا عمل قبول کر۔ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ تو دعاؤں کا سننے والا اور مقصدوں کو جاننے والا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ معمارانِ کعبہ کا تعمیر کعبہ

Marfat.com

سے دلی مقصد یہ تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قبولیت اور رضا حاصل ہو مگر افسوس آج ہم مسلمان رضائے حق والی بات بھولتے جاتے ہیں۔ آج ہمارا کوئی بھی کام دکھاوے سے خالی نہیں ہے۔ ہمارے عمل تھوڑے ہیں مگر زبانی دعوے بہت ہیں۔ ہمیں یہ سبق یاد ہی نہیں رہا کہ ہماری تمام خدمت گذاریاں اللہ کے لئے ہونی چاہئیں۔ ہمارا دماغ کسی وقت بھی خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ہم کام کرنے سے پہلے صرف یہ سوچتے ہیں۔ اس سے ہم کو کیا حاصل ہوگا۔ کیا اس سے ہماری دنیوی عزت بڑھے گی۔ کیا اخباروں میں ہمارا نام چھپے گا۔ کیا ہماری عزت اور شہرت کو نقصان تو نہیں پہنچے گا۔ اگر کسی کام سے اسلام اور مسلمانوں کو ہزار فائدہ پہنچے لیکن ہماری عزت اور شہرت میں اضافہ نہ ہو تو ہم کبھی اس کام کو نہیں کرتے نے ہر ایک معاملے میں اپنے نفس کو سامنے رکھا ہوا ہے۔

عزیزان اسلام! آپ اپنے قومی جلسوں میں تشریف لے جایئے آپ دیکھیں گے کہ وہاں جو بھی لیڈر کھڑا ہو وہ یہی کہے گا کہ میں سب سے بڑا ہوں میری خدمتیں سب سے بڑی ہیں اور وہ قربانیاں جو میں نے دی ہیں۔ آج تک کسی نے نہیں دیں۔ آپ اسلامی اخبارات کو اٹھایئے آپ وہاں دیکھیں گے کہ ہر اسلامی پارٹی اپنی تعریف اور دوسرے کی برائی میں معروف ہوگی۔ یہی حال مولویوں کا ہے۔ اور یہی پیشہ اسلامی کمیٹیوں کا ہے۔ آج ہر ایک مسلمان کے دل و دماغ میں یہ سمایا ہوا ہے۔ کہ میرا کام سب سے بڑا ہے میری عقل سب سے بڑی ہے۔ اس لئے ساری قوم کو میرے پیچھے لگنا چاہئے۔ اس کھینچ تان نے ہماری ساری قوم کو حیران کر رکھا ہے۔ ایک لیڈر ہمیں مشرق کی طرف چلا رہا ہے۔ اور دوسرا مغرب کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور مسلمان چاروں طرف بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ میری رائے میں اس کا واحد سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیڈر۔ عالم اور اخبار نویس رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کا سبق بھول گئے ہیں۔ اگر ہم میں سے ہر ایک آدمی خدا کے لئے کام کرے تو ہماری قوم میں کبھی کوئی جھگڑا پیدا ہو نہیں

سکتا۔ آؤ، حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے کام کرنے کا سبق سیکھیں اور
کی منزل کو سامنے رکھ کر اپنا قومی کعبہ تعمیر کریں۔ اے عزیزانِ اسلام! آپ اللہ
کے لئے کام کرنا سیکھیں۔ اور اللہ ہی سے اپنے کام کا بدلہ چاہیں، پھر آپ کی نیکیوں
کو کبھی نقصان نہیں پہنچے گا۔

۱۷۔ معمارِ کعبہ کی مستقل حیثیت

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
اے رب ہمارے اور بنا ہم کو غلام اپنا

عزیزانِ اسلام! یہ آیتیں آپ کو بتاتی
ہیں کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی ذہنیت کس طرح کام
کر رہی تھی۔ انہوں نے پہلی بات یہ کہی۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے اللہ۔ ہمارے عمل
کو قبول فرما، اور اب دوسری بات یہ کہی، رَبَّنَا اے رب ہمارے وَاجْعَلْنَا بنا ہم کو
مُسْلِمَيْنِ لَكَ اپنا غلام اور حکم بردار۔ حضرت ابراہیم نے اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ
بننا چاہا، اس کو آپ نے مسلم کے لفظ سے ظاہر کر دیا ہے۔ اسلام کے معنی ہیں گردن کا رکھ
دینا۔ اور مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو حکم کے سامنے گردن رکھ دے۔ لیکن ابراہیمی زبان میں
مسلم ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی گردن، ہر وقت اللہ کے سامنے جھکی ہوئی ہو اور جو اس کے
قانون پر چلتا ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے چاند اور سورج بھی مسلم ہیں۔ کیوں کہ وہ خدا کے
قانون پر چلتے ہیں۔ آگ اور پانی بھی مسلم ہیں کیوں کہ وہ حکم خدا سے کبھی سر نہیں پھیرتے
چرند اور پرند بھی مسلم ہیں۔ کیوں کہ وہ سب اسی قانون پر چل رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری
کائنات جو اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چل رہی ہے، مسلم ہے۔ لیکن اس کا یہ اسلام اختیاری
نہیں بلکہ فطری ہے۔ یعنی جس قانون فطرت پر جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے۔ وہ اس پر
قائم ہے۔ پانی کے لئے خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہتا ہے۔ سورج کے لئے

Marfat.com

خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ ہر روز انسانوں کے لئے گرمی اور روشنی بہم پہنچائے۔ چونکہ چاند ستارے، ہوا، پانی، یہ سب اپنے فطری اسلام پر قائم ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سب سچے اور پکے مسلمان ہیں۔

عزیزانِ اسلام! جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے یہ دیکھا کہ یہ ساری کائنات مسلمان ہے تو ان کی زبان سے بے اختیار یہ نکلا رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ۔ اے اللہ! تو ہم کو بھی مسلمان بنادے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان اور چاند سورج کے اسلام میں ایک فرق ہے۔ چاند اور سورج کا اسلام فطری ہے کیونکہ وہ بے اختیار ہیں مگر انسان کا اسلام اختیاری ہے۔ کیونکہ انہیں کسی حد تک اختیار دیا گیا ہے۔ انسانی اسلام کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو انسان کو عقل اور اختیار دیا ہے اور دوسری طرف اس کے سامنے اپنا ہدایت نامہ رکھ دیا ہے کہ وہ اس پر چلے۔ اب جو انسان اس ہدایت نامہ الٰہی پر چلتا ہے تو وہ مسلم ہے اور اگر نہیں چلتا تو کافر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا پیغام یہ تھا کہ ہر انسان کو اس ہدایت نامہ پر چلنا چاہئے۔

عزیزانِ اسلام! اسلام کے متعلق موجودہ مسلمانوں کو ایک بہت بڑا دھوکا لگ رہا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص مسلمانوں کے گھر پیدا ہوتا ہے، وہ مسلمان ہے لیکن قرآن یہ نہیں کہتا۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ مسلمان وہ ہے جو اللہ کے قانون پر چلے، اسلام کا کسی کے گھر میں پیدا ہونے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ اسلام کسی ذات پات کا نام نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایمان اور عمل کا نام ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص سید کے گھر پیدا ہوا ہو وہ ضرور سید ہے لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو شخص کسی بی اے یا ایم اے کے گھر پیدا ہو وہ بھی ضرور بی۔ اے یا ایم۔ اے ہوگا، اگر کوئی شخص کافر کے گھر پیدا ہوا اور اللہ کی کتاب پر عمل کرے تو وہ مسلمان ہوگا لیکن اگر کوئی شخص مسلمان کے گھر پیدا ہوا اور اللہ

کی کتاب پر عمل نہ کرے تو وہ کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اے عزیزانِ اسلام! آپ قرآن کی کسوٹی پر اپنے عمل اور ایمان کو پرکھیں اور اس کی مطابقت کر کے صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں

۱۷۔ حضرت ابراہیمؑ اور تعمیر جماعت

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ؕ

اور اولاد میں سے ہماری جماعت فرماں بردار تمہے (ع)

عزیزانِ اسلام! ترجمہ آیت سے پہلے دو اصول بیان کرنا ضروری ہیں۔ آپ اوّلاً یہ سمجھیں کہ اسلام کا سب سے پہلا نمونہ حضرت ابراہیمؑ کا وجود ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کی حقیقت کو سمجھنا چاہے تو اس کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کو سمجھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف اجمال اور تفصیل کا فرق تھا۔ جب کوئی عمارت بنانا ہو تو پہلا کام یہ ہوتا ہے۔ کہ نقشہ تجویز کر لیا جائے۔ اور اس کے مطابق دالان، ڈیوڑھی، بیٹھک، صحن اور غسل خانہ وغیرہ بنا کر عمارت کو مکمل کر دیا جائے۔ حضرت ابراہیم اسلام کا نقشہ اور اسلام کی بنیادیں ہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیمی بنیادوں پر اسلام کی کامل ترین عمارت ہیں۔ اگر اسلام کا نقشہ اور بنیادیں سمجھنی ہوں تو آپ حضرت ابراہیم کا مطالعہ کریں گے۔ لیکن اگر اسلامی عمارت کی سیر کرنا ہو۔ تو آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

عزیزانِ اسلام! اب آپ دوسری اصولی بات سمجھئے! حضرت ابراہیم کو سمجھنے کے لئے تین چیزوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ ایک ابراہیمی ذہنیت اور دوسرے ابراہیمی اخلاق اور تیسرے ابراہیمی تن دہی و ایثار۔ اب آپ پہلے اس پر غور کیجئے کہ ابراہیمی ذہنیت کس حقیقت کا نام ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے آپ کو ان دعاؤں کا مطالعہ کرنا چاہئے، جو

Marfat.com

وقتاً فوقتاً حضرت ابراہیم کی زبان پر جاری ہوئیں۔ ان دعاؤں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا دماغی باطن کیا تھا۔ اور وہاں امید و آرزو کی کیسی کیسی بستیاں آباد تھیں۔ کیونکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایک شخص صرف انہی چیزوں کی دعا کرتا ہے جو کہ اس کے دماغ میں بہت ہی زیادہ نمایاں ہوں۔ آپ اس قانون کو سامنے رکھ کر یہ دیکھئے کہ ابراہیمی ذہنیت کس حقیقت کا نام ہے۔

عزیزانِ اسلام! جب حضرت ابراہیم امام بنائے گئے۔ تو آپ نے پہلی بات یہ فرمائی وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ کیا میری اولاد کو بھی یہ امامت ملے گی۔ پھر تعمیر کعبہ کے وقت فرمایا رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ اے اللہ ہم کو مسلمان بنا دے، اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرما دیا وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ اے اللہ! ہماری اولاد میں سے اُمت مسلمہ پیدا ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مستقبل کا سچا خیال، اور نسل اولاد کے لئے بہتری اور بھلائی کا طلبگار رہنا ابراہیمی ذہنیت کا ایک خاص وصف اور امتیاز ہے۔ یہ اس لئے کہ اس دنیا کی کوئی زندگی اور ترقی اس کے بغیر قائم اور باقی نہیں رہ سکتی۔ ہم مسلمانوں پر افسوس ہے کہ آج ہم لوگ زندگی کے اس جوہر عظیم سے بھی بالکل غافل ہو گئے ہیں۔

عزیزانِ اسلام! کل کے سبق میں حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل نے دعا کی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ اے اللہ! ہم کو اپنے قانون کا خدمت گار، اور غلام بنا لے۔ یہ دعا ذاتی اور شخصی اصلاح کے لئے تھی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر مسلمان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی اصلاح کا فکر کرے۔ اور اپنے آپ کو پورا مسلمان بنائے۔ اس کے بعد فرمایا وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ اے اللہ! ہماری نسل و اولاد سے بھی امت مسلمہ پیدا کیجیو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ابراہیمی دین کی ذاتی اصلاح اس لئے ہوتی ہے تاکہ اس سے ایک اصلاح یافتہ امت پیدا کی جائے۔ حضرت ابراہیم کی یہ دونوں دعائیں ہر مسلمان کے لئے

Marfat.com

زندگی اور سعادت کا نمونہ ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے
اپنے نام لیواؤں کے لئے مُسلمان کا لقب تجویز کیا ہے۔ لہٰذا ہم کو ہر حال میں اسی ایک
لقب پر قناعت کرنی چاہئے اور حنفی، وہابی اور شیعہ سُنّی کے جھگڑوں سے ابراہیمی
دعوت کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے۔

ملّتِ ابراہیمؑ کے لئے قانُونِ حیات

وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ
اور دکھا ہم کو پروگرام زندگی ہمارا اور معاف کر ہم پر بے شک تو
اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝
تو ہی معاف کرنیوالا مہربان ہے

عزیزانِ اسلام! میں عام طور پر جب اس آیت کو پڑھتا تھا۔ تو ذہن میں الجھن پیدا ہوتی تھی نہ تو یہ سمجھ
میں نہیں آتا تھا کہ پچھلی دعاؤں کے ساتھ اس آیت کا جوڑ کس طرح ٹھیک بیٹھ سکتا
ہے؟ پہلی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب خانہ کعبہ بنا چکے تو
پہلے آپ نے یہ فرمایا۔ اے اللہ! ہماری اس خدمت کو قبول فرما، پھر فرمایا اے اللہ! ہم کو
مسلمان بنا دے، پھر فرمایا اے اللہ! ہماری اولاد میں سے اُمّتِ مسلمہ پیدا کر، پھر
فرمایا اے اللہ! ہم کو حج کے قاعدے سکھا اور ہماری توبہ قبول کر اس لئے کہ تو مہربان
بھی ہے اور توبہ قبول کرنے والا بھی ہے۔ یہ آیت پڑھ کر خیال پیدا ہوتا تھا کہ یہاں توبہ
کا ذکر کیوں آیا؟ اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر میں جو تواب الرحیم کا لفظ
آیا تو اس کی حکمت صاف معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے ایک بھول
ہوگئی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ خدائے تواب الرحیم کا دامن پکڑتے۔ حضرت
ابراہیمؑ کے ذکر میں کوئی بات ایسی نہیں آئی۔ جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت ابراہیمؑ کو
بھی توبہ کرنی چاہئے۔ پھر ایسی حالت میں حضرت ابراہیمؑ نے یہ کیوں فرمایا وَتُبْ

Marfat.com

عَلَیْنَا۔ اے اللہ! ہم کو معاف کر دے۔ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ کیونکہ تو توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔ پہلی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے قربانیاں دیں اور ان میں پورے اترے۔ پھر امام بنائے گئے۔ پھر آپؑ نے خانہ کعبہ بنایا پھر آپؑ نے خدا کی فرماں برادری کا اعلان کیا۔ ان ساری باتوں میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے توبہ کرنا ضروری تھا۔ سوال یہ ہے کہ پھر آپؑ نے توبہ کی دعا کیوں کی۔ عزیزانِ اسلام! یہ آیت بھی قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ اس آیت کے تمام الفاظ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ گویا یہ بھی انسانی جسم کے مختلف اعضاء ہیں۔ آیت کی ترتیب دیکھیے۔ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ اس وقت آپؑ نے صرف یہ آرزو کی، اے اللہ ہماری محنت قبول فرما۔ دوسری آرزو یہ کی کہ ہمیں مسلمان بنا کر اپنی غلامی کے مقام پر کھڑا کرے۔ تیسری بات یہ کہی کہ اپنی ذاتی اصلاح سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہمارے ذریعے ایک اصلاح یافتہ جماعت پیدا ہو اور وہ بھی کائنات عالم میں اللہ تعالیٰ کی غلامی کے مقام پر کھڑی ہو۔ یہاں آپ ابراہیمی کمالِ رفتار کے مختلف قدموں کو گنتے ہیں۔ پہلے اصلاح کی تعمیر پھر سچا غلام بننے کے لئے اصلاح ذات۔ پھر خدا کی اطاعت گذار جماعت کو قائم کرنا۔ جماعت بنانے کے بعد ضرورت یہ تھی کہ خدا کی طرف سے قانون ملے اور خدا کے غلاموں کی جماعت اس پر چلے۔ اس لئے قیام جماعت کی دعا کے بعد یہ فرمایا۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا۔ اے اللہ! ہم کو عبادت کے طریقے اور زندگی کا پروگرام عطا فرما۔ پروگرام ملنے کے بعد یہ ظاہر ہے کہ جماعت ابراہیمیؑ اس پر چلے گی۔ اور اس میں غلطیاں بھی ہوں گی۔ اس لئے فرمایا وَتُبْ عَلَیْنَا۔ اے اللہ! تیرے قانون کی ادائیگی میں ہم سے جو غلطیاں ہوں۔ انہیں معاف کرتے رہنا۔ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ کیونکہ تو معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

Marfat.com

ملتِ ابراہیم کی تکمیل

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ

اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی سے وہ پڑھے ان پر

اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

تیری آیتیں اور وہ سکھائے ان کو کتاب اور حکمت اور پاک کرے ان کو

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

بے شک تو تو ہی غالب حکمت والا ہے

عزیزانِ اسلام! آپ پچھلی آیات میں دیکھ چکے کہ حضرت ابراہیمؑ کا دائرۂ عبادت کس طرح قدم بقدم منزلِ مقصود کی طرف جا رہا ہے، سب سے پہلے مکہ معظمہ کی طرف بنیاد ڈالی گئی اور اس کے لئے فکر ابراہیمؑ نے یہ طے کیا کہ یہ شہر امن کا گھر ہو اور یہاں اہلِ ایمان کو پھلوں کو روزی ملتی ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے سب سے پہلے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کیا اور رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ کا نعرہ لگایا پھر حضرت ابراہیمؑ نے اس پر کمر ہمت باندھی کہ اپنی اولاد میں سے بھی خدا کی رضا کا دل کی ایک جماعت بنائی جائے۔ آخر میں آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے زندگی کا قانون مانگا۔ اور اپنے نام لیواؤں کے ساتھ اس پر چلنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ توبہ و استغفار کو بھی جاری رکھا، تاکہ غلطیاں معاف ہوتی جائیں۔ اب اس کے بعد ابراہیمی جماعت کے لئے صرف تکمیل کی منزل باقی تھی۔ جس کے لئے آپؑ نے یوں دعا فرمائی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔ اے اللہ! میری جماعت والوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیج يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ جو انہیں تیری آیتیں سنائے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے وَيُزَكِّيْهِمْ اور انہیں

پاک کر دے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ بے شک تُو ہی حکمت والا اور غالب ہے
حضرت ابراہیمؑ کا اس دُعا سے مقصد یہ تھا۔ کہ ملتِ ابراہیمؑ کی تکمیل کا آخری
سامان بھی پیدا ہو۔ چونکہ ملتِ ابراہیمؑ کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ
پاک سے وابستہ تھی۔ اس لئے اس دُعا کی اصل مصداق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذاتِ پاک ہے۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں پُوری تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ملتِ ابراہیمؑ کی تکمیل کس طرح ہونے والی تھی۔
آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عقل و فکر کا پیغام یہ تھا کہ چار
باتیں ظاہر ہوں۔ اوّل یہ کہ پیدا ہونے والا رسول خود اپنی قوم میں سے ہو۔ (آپ
اس چیز کو سرسری نہ سمجھیں۔ اگر مقصود قوم کی تکمیل ہو تو اس کی صحیح راہ یہی ہے۔ کہ قوم کا
رہنما خود اسی قوم کا فرد ہو۔ دُوسری قوم کا لیڈر اصلاح کر سکتا ہے۔ لیکن تکمیل کے
صحیح مقصد کو پُورا نہیں کر سکتا) دوم یہ کہ وُہ رسول قوم کو خدا کا قانون سُنائے یعنی
قوم میں قانونِ خدا کی تبلیغ کرے۔ سوم یہ کہ جو لوگ رسول کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان
ہو جائیں۔ انہیں وُہ کتاب الٰہی کی تعلیم دے۔ اور عمل کر کے دکھا دے۔ تاکہ وُہ عملی
نمونہ دیکھ کر اور خود عمل کر کے اس کے فوائد، حقیقت اور مصلحت کو اچھی طرح سمجھ
لیں۔ (ایک شخص کو کسی طبی کتاب میں کوئی نسخہ پڑھایا جاتا ہے) یہ کتابی تعلیم ہے
اس کے بعد ہی نسخے کو بنایا جاتا ہے۔ اور استعمال میں لا کر اس کے عمل و فوائد
مشاہدہ کرائے جاتے ہیں۔ یہ تعلیمِ حکمت ہے) چہارم یہ کہ وُہ جماعت کو اس
طرح پاک کر دے۔ کہ اس میں کوئی نقص، کھوٹ اور پستی باقی نہ رہ جائے۔

يُزَكِّيهِمْ سے مراد درجۂ تکمیل ہے

Marfat.com

۱۲۸ - ملّت ابراہیمی سے غدّاری

وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ

اور کون پھرے گا ملّتِ ابراہیم سے خوداگرچہ، جو جاہل ہوا!

نَفْسَهٗ ؕ وَ لَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ

نفس اپنے (سے)، اور یقیناً چُن لیا ہم نے اسکو دنیا میں اور بیشک وہ

فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

آخرت میں (ہوگا) ضرور نیکوں میں

عزیزانِ اسلام! دینِ ابراہیم ؑ کے پیغام، پروگرام اور اصل و حقیقت بیان کرنے کے بعد آج کی آیت میں یہود، نصاریٰ اور مشرکینِ عرب سے کہا گیا ہے۔ اے حضرت ابراہیم ؑ کا نام لینے والو! اب تم خود ہی فیصلہ کرو، کیا جاہل و نادان کے سوا، کوئی اور بھی دینِ ابراہیمی سے روگردان ہوسکتا ہے؟ پھر جب تم سب جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ؑ کو دنیا میں بھی اپنی قبولیتوں کے لئے چُن لیا ہے۔ اور وہ آخرت میں بھی خدا کے نیک بندوں کی صف میں شامل ہوں گے۔ تو پھر تم ابراہیمی طریقے سے علیحدہ ہو کر الگ الگ فرقے کیوں بنا رہے ہو؟ تم کو تو صرف یہ سوچنا چاہئے تھا۔ کہ حضرت ابراہیم ؑ نے اہلِ دنیا کے لئے جو راہ بنائی وہ کیا تھی؟ کیا وہ یہودیت یا عیسائیت کی راہ تھی یا مشرکینِ عرب کی راہ تھی۔ کیا جب حضرت ابراہیم نے اپنا پیغام سنایا، اس وقت یہ الگ الگ فرقہ بندیاں موجود تھیں؟ ظاہر ہے کہ اس وقت تک نہ حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تھے اور نہ حضرت عیسےٰ۔ پھر اس کے علاوہ حضرت ابراہیم ؑ نے خود صاف الفاظ میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ میرا دین صرف اسلام ہے۔ جو اس ساری کائنات کا دین ہے اور میں اپنی نسل و اولاد کیلئے بھی یہی چاہتا ہوں۔ پھر ایسی حالت میں حضرت ابراہیم ؑ کے نام لیواؤں کا کیا حق ہے کہ وہ الگ الگ گروہ

بندیوں پر قائم رہیں؟

عزیزانِ اسلام! آپ اچھی سمجھ لیں کہ اصل دین صرف ایک ہی دین ہے جو خدا کا دین ہے، قُلْ اِنَّ ھُدَى اللّٰهِ ھُوَ الْهُدٰى۔ پیغمبروں کے علیحدہ علیحدہ وجود سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اب دین بھی علیحدہ علیحدہ ہو گئے ہیں۔ اہلِ مذہب کی سب سے بڑی اور سب سے مہلک غلطی ہے۔ اس دُنیا میں ایک کے بعد دوسرا نبی اس لئے آتا ہے کہ وہ اصل دین کو قائم کرے، اس لئے نہیں آتا کہ وہ خدا کے ایک دین میں نئی تفریق ڈال کر اپنے پیروؤں کو ایک علیحدہ گروہ بندی کا سبق سکھائے۔ اصل خدائی دین حکم خدا کے مُطابق ایمان اور عمل صالح کی زندگی بسر کرنا ہے۔ کسی شخص کو کسی گروہ بندی میں محض شامل ہو جانے سے نجات نہیں مل سکتی۔

عزیزانِ اسلام! اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی ملت اور مسلک کا ذکر کرکے تمام مذہبی لوگوں کی فرقہ بندی کی اُلجھن سے نکالنا چاہتا ہے۔ ہمیں اول یہ سوچنا چاہیے کہ حضرت ابراہیمؑ کو امامت کس طرح ملی؟ قرآن کہتا ہے کہ خدا کے امتحان میں پورا اُترنے سے، نہ کہ کسی گروہ بندی کے شامل ہونے سے۔ دوم یہ سوچنا چاہیے کہ اس امامت کے کیوں کر مستحق ہو سکتے ہیں؟ قرآن کہتا ہے کہ ہم ظلم نہ کریں (واضح رہے کہ ظلم کی اصل بنیاد مذہبی تفریق اور فرقہ بندی ہے)۔ سوم یہ سوچنا چاہیے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو شہر آباد کیا اور خانہ کعبہ بنایا، وہ خدا پرستوں کے لئے تھا یا کسی خاص قوم، نسل اور فرقے کے لئے؟ قرآن کہتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ تمام خدا پرستوں کے لئے اس گھر کی خدمت کریں اور اُن کی دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اللہ اور آخرت پر ایمان لانے والوں کو اپنی جماعت سمجھتے تھے۔ پھر آخری اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو اپنی اصل حیثیت کا اعلان فرمایا وہ

Marfat.com

کیا تھا؟ آپ نے فرمایا۔ اے اللہ! مجھے مسلمان بنا دے اور میری نسل سے اُمتِ مسلمہ پیدا کر اور پھر اسی اُمتِ مسلمہ میں سے ایک رسول بھیج۔ جو میری جماعت کو نوعِ انسانی کے لئے ایک نمونے کی جماعت بنا دے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا مذہبی گروہ بندیوں سے کچھ تعلق نہ تھا۔ آپ صرف یہ چاہتے تھے کہ ہر طرح کی نسبتوں اور گروہ بندیوں سے الگ ہو کر نوعِ انسان کو قانونِ الٰہی کی اطاعت کا سبق سکھائیں اور یہی چیز "اسلام" ہے۔

۱۰۹۔ ابراہیمیؑ اسلام

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ

جب کہا واسطے اسکے رب نے فرماں بردار بن کہا میں فرماں بردار بن گیا

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝

واسطے پروردگار عالم کے

عزیزانِ اسلام! اس آیت سے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صحیح حیثیت کا بیان شروع ہوتا ہے۔ آیت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابراہیمؑ! مسلمان بن جا۔ آپ نے جواب دیا۔ میں پروردگارِ عالم کے لئے مسلمان بن گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمیؑ زندگی کی صحیح حیثیت ایک ہی طرف ایک تھی۔ یعنی یہ کہ آپ صرف اللہ کے غلام تھے اور اس کے بعد اور کچھ نہ تھے۔ آپ نے زندگی کی تمام نسبتوں کو ختم کر دیا تھا۔ آپ عربی نہ تھے کہ عرب کا حق ادا کریں۔ آپ عیسائی اور یہودی نہ تھے کہ کسی فرقہ بندی کا حق ادا کریں۔ آپ کسی نسلی یا خاندانی انجمن کے پابند نہ تھے کہ اپنے اہلِ نسل یا اہلِ خاندان کی حمایت کے پابند ہوں۔ آپ نے دُنیا کے سامنے ایک ایسی زندگی کا نمونہ پیش فرمایا جو حکمِ خدا کے سوا کسی اور نسبت کی قائل نہ تھی۔ کسی اور قانون کی تابع نہ تھی۔ کسی شخصی، قومی اور نسلی گروہ بندی کے ساتھ اپنا جوڑ نہ رکھتی تھی۔ آپ کا تعلق صرف خدا سے تھا اور آپ نے انسان کو صرف یہ سکھایا کہ اُسے قانونِ الٰہی کی پابندی میں غلامی یا فکر اور [illegible]

Marfat.com

قبول نہیں کرنا چاہیئے۔

عزیزانِ اسلام! اِس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان کی سب سے پہلی نشانی ہے۔ سننا اور تسلیم کرنا۔ یہ اصول اسلام کا اصل جوہر ہے۔ یہ اصول مسلمانوں کی تمام تاریخی ترقیوں کی جڑ ہے۔ جب پہلے دن مسلمان کا وجود قائم ہوا تو اسی خیال پر اس کی بنیاد رکھی گئی کہ وہ خدا کا حکم سنے اور اسی وقت تعمیل کرے۔ آج ہم مسلمانوں کی محرومی اور بدقسمتی کا سبب یہی ہے کہ ہم مسلمان نہیں رہے۔ آپ کی زندگی کی بنیاد تسلیم حکم پر رکھی گئی تھی لیکن یہی خاصہ حیات اب آپکی زندگی سے دُور ہو گیا ہے۔ آپ کو ایک خدا کے حکموں کا پابند ہونا چاہیے تھا مگر اوّل تو آپ خدا کا حکم سُنتے ہی نہیں اور اگر سنتے بھی ہیں تو اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور حجتیں نکالتے ہیں لیکن اگر تسلی بھی ہو جائے تو زبان سے کہتے ہیں کہ مان لیا لیکن عمل پھر بھی نہیں مانتے۔ پھر اس سے بڑی خرابی یہ ہے کہ خدا کے سوا دوسرے راستوں سے جتنے بھی حکم آپ کو ملتے ہیں۔ آپ اُن کی پابندی میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ آپ اپنی موجودہ حالت کو دیکھ لیجئے۔ آپ مولویوں اور پیروں کا حکم مان رہے ہیں، آپ ساہوکاروں کی اطاعت کر رہے ہیں۔ انگریز اگر جان دینے کے لئے کہیں تو آپ پھر بھی دریغ نہیں کرتے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے جائز اور جائز سچے حکموں کی غلامی کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی اور کمزوری کی اصل وجہ یہی ہے۔ جو حق خدا کا تھا۔ وہ ہم نے غیر کو دے دیا۔ اس لئے اب ہماری زندگی خدا کی برکتوں سے خالی ہے۔ عزیزانِ اسلام! زمانہ اقبال میں مسلمانوں کی سب سے بڑی شان یہی تھی کہ وہ مسلمان تھے، یعنی ایک خدا کے غلام۔ آپ یہ سمجھئے کہ ایک مردہ لاش کی طرح اُن کی تمام زندگی رضائے الٰہی کے قبضے میں بندھی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں، ان کی آنکھیں اور زبان ان کا دل و دماغ اور اُن کے جسم کا ایک ایک ذرہ اور ان کے لہو کی ایک ایک بوند حکم الٰہی کی پابند تھی۔ پھر یہ حال کسی ایک مسلمان کا نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی ساری قوم راہِ اطاعت میں

Marfat.com

کھڑی تھی۔ نماز کا حکم ملتا تھا تو سب جھک جاتے تھے۔ جہاد کا حکم ملتا تھا تو سب اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ خیرات کا حکم ملتا تھا تو سب زر و مال لٹانے لگتے تھے۔ ترک خواہشات کا حکم ملتا تھا۔ تو سب کے سب شراب، زنا، چوری، جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو جاتے تھے۔ اگر موجودہ زمانے کے مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں۔ یعنی ایک خدا کے غلام اور ایک حکم کے بندے، تو دوسرے ہی دن تمام دنیا کے تخت و تاج ان کے قبضے میں ہوں گے۔

۱۸۰۔ ابراہیمی وصیت

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ

اور وصیت کی اس کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اے میرے بیٹو!

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ

بیشک اللہ نے چنا ہے واسطے تمہارے دین بس نہ تم مرنا مگر اور

اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

تم ہو مسلمان۔

عزیزانِ اسلام! حضرت ابراہیمؑ نے صرف اپنے متعلق ہی ایمان نہیں کیا کہ میں پروردگارِ عالم کا فرماں بردار بن گیا بلکہ آپ نے اپنے بیٹوں اور حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو بھی یہ وصیت کی۔ اے میرے بیٹو! خدا نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کر لیا ہے۔ پس تم موت تک اسی دین کی پیروی کرنا اور ایسی حالت میں جان دینا کہ تم مسلمان ہو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی پہلی شان یہ ہے کہ وہ زندگی بھر تک حکمِ خدا کی پابندی کرے۔ اور آخری شان یہ ہے کہ وہ مقامِ اطاعت پر کھڑا ہو کر جان دے۔ مسلم ہندی کو سوچنا چاہئے۔ کیا آج ہم مسلمانوں کو بھی ایسی زندگی اور موت میسر ہے؟

عزیزانِ اسلام! آپ اپنی موجودہ زندگی کو دیکھئے۔ راہِ زندگی کا خلاصہ تو یہ تھا کہ تم خدا کے احکام کا علم حاصل کرتے اور پیدائش سے موت تک اس پر کاربند ہو جاتے۔ مگر ہم

Marfat.com

نے یہ راہ اختیار نہیں کی، آج ہم خدا کے قانون سے اپنی مشکلات کا حل نہیں پوچھتے۔ بلکہ ہر وقت غیروں کے پیچھے بھٹک رہے ہیں۔ کبھی ہم کانگرس کی طرف دوڑتے ہیں کبھی کبھی گاندھی جی کی طرف، کبھی ہم سوشلسٹ بنتے ہیں، کبھی انگریزوں کے سامنے جھکتے ہیں۔ اور حقوق کی خیرات مانگتے ہیں۔ ہماری اس حیرانی کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم نہ خدا تعالیٰ کی ذات کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں۔ نہ قانونِ خدا کو نہ اپنے آپ کو۔ کسی قوم کے پیچھے بھٹکنے جبر اور گداگری کرنے سے طاقت نہیں مل سکتی۔ طاقت صرف اللہ کے قانون پر چلنے سے مل سکتی ہے۔ زمین، پانی، ہوا، سورج، چاند، سمندر، ستارے، پہاڑ اور جنگل، خدائی برکتوں اور رحمتوں کے خزانوں سے لبریز ہیں۔ پانی سے بجلی، پہاڑ سے سونا اور سمندر سے زندگی حاصل ہوسکتی ہے مگر اس کے لئے قانونِ قدرت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ صرف لفظِ اسلام پر فخر کرلینا کافی نہیں مسلمان بننے کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ کے ان تمام قوانین کا علم ہونا چاہئے جن پر اس کائنات کی زندگی موقوف ہے، اور ان قوانین سے فائدہ بھی اٹھانا چاہئے۔ ہماری یہ سخت درجہ نادانی ہے کہ ہم نے اسلام کو صرف پانچ وقتوں کی رسمی نمازوں اور روزوں میں قید کردیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو شخص پانچ وقت مسجد میں جاکر رسمی نماز ادا کرے اور سال کے بعد تیس روزے پورے کرلیا کرے، اس نے اسلام کا حق ادا کردیا۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ نہیں ہے۔ صحیح معنوں میں مسلمان صرف وہ ہے جو حکم خدا کے مطابق خدا تعالیٰ کے عملہ شرعی اور فطری اور قدرتی قوانین سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اسباب و ذرائع سے کام لے کر خلافت الٰہی کا حق دار بن جائے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے وسیع معنوں کو سمجھیں اور ہر پہلو سے اپنی اسلامی زندگی کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو بھی یہی وصیت کی تھی، اس لئے وہ اپنے نفس ہی کے نہیں اپنی اولاد کے بھی ذمہ دار تھے۔ کیا آج ہم مسلمان بھی اپنی اولاد کے متعلق فرض ادا کر رہے

Marfat.com

ہیں آج ہماری آیندہ نسلوں کا کیا حال ہے؟ یہ صرف اسی لئے کہ ہم ان کو صحیح اسلامی تربیت دینے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہر مسلمان کو آیندہ نسلوں کی اہمیت کا احساس کرنا چاہئے۔

۱۸۱۔ تمام انبیاء کی ایک ملت

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ لا اِذْ قَالَ
کیا تھے تم موجود جب آئی یعقوبؑ کی موت جب اس نے کہا
لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِىْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ
اپنے بیٹوں سے تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے تیرے خدا کی
وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ج وَّنَحْنُ
اور تیرے بعد ابراہیمؑ واسمٰعیل اور اسحٰق کے خدا کی ایک خدا کی، اور ہم
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝
اسکے فرماں بردار ہیں

عزیزانِ اسلام! اس آیت میں حضرت یعقوبؑ کی موت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب سے پوچھتا ہے "کیا تم اس وقت موجود تھے۔ جب حضرت یعقوبؑ نے انتقال فرمایا اور جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا" تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ بیٹوں نے جواب دیا "اے باپ! اسی خدا کی جو تیرا خدا ہے اور حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰق کا خدا ہے"۔ اولادِ یعقوبؑ کے الفاظ سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید وہ اپنے آبائی خدا کے پجاری ہیں۔ اس لئے انہوں نے ساتھ ہی "اِلٰهًا وَّاحِدًا" کا لفظ بھی استعمال کر دیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ان بزرگوں کے خدا الگ الگ نہ تھے بلکہ سب کا خدا ایک تھا اور آخر میں انہوں نے یہ کہا "وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ" اے یعقوب! ہم سب اسی خدا کے مسلمان اور فرمانبردار ہیں۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ تمام نبیوں کا دین ایک تھا اور یہ کہ خدا کے قانون

Marfat.com

کی پابندی کی جائے۔

عزیزانِ اسلام! اولادِ یعقوبؑ نے فرمایا تھا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ "اے باپ! تیرے خدا کی عبادت کریں گے"، مسلمانوں کو عبادت کے لفظ سے بڑا دھوکا ہوا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک دھاگے میں سو ڈیڑھ سو منکے پرو لئے جائیں اور پھر ایک ایک منکے پر اللہ کا لفظ ادا کیا جائے تو عبادت کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ عبادت کی حد صرف اسی قدر نہیں ہے۔ آپ نے عبد کا لفظ سنا ہوگا۔ عبد بندے کو کہتے ہیں اور عبادت اس حق کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے بندے پر واجب ہو، یعنی عبادت کے معنی ہیں، بندہ ہونے کا حق۔ عبادت کی اس تعریف سے ظاہر ہے کہ عبدِ خدا ہونے کا حق صرف یہی نہیں ہے کہ آپ خدا کا نام یاد کرلیں بلکہ اصل حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے لئے زندگی کے جتنے بھی رشتے پیدا کئے ہیں حکمِ خدا کے مطابق آپ ان سب رشتوں کی حفاظت اور رعایت رکھیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے والدین کے ساتھ آپ کا تعلق پیدا کیا ہے۔ آپ والدین کا حق ادا کریں یہ عبادت ہے۔ اسی طرح خود خدا تعالیٰ نے پانی کے ساتھ آپ کا رشتہ اور تعلق باندھا ہے، آپ پانی سے کام لیں، کھیتوں کو پانی دیں۔ پانی سے بجلی پیدا کریں۔ یہ سب کچھ عبادت ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے نبیوں اور کتابوں کے ساتھ آپ کا تعلق باندھ دیا ہے۔ آپ نبیوں سے محبت کریں۔ نبیوں کا احترام کریں۔ نبیوں کے طریقے پر چلیں۔ یہ سب کچھ بھی عبادت ہے۔ مختصر یہ کہ خدا تعالیٰ نے جہاں جہاں بھی آپ کی زندگی کا رشتہ جوڑ دیا ہے۔ مثلاً پانی کے ساتھ، ہوا کے ساتھ، ماں باپ کے ساتھ، ہمسائیوں کے ساتھ، دشمنوں کے ساتھ۔ ان سب رشتوں کی حکمِ خدا کے مطابق حفاظت اور رعایت رکھنا عبادت ہے۔ جس طرح خدا کو یاد رکھنا عبادت ہے۔ اسی طرح حکمِ خدا کے مطابق نکاح کرنا بھی عبادت ہے۔ اور دشمنانِ اسلام سے بچنے کے

Marfat.com

نے توپیں اور ہوائی جہاز بنانا بھی عبادت ہے۔ مسلمانو! آپ ہر رنگ میں حق عبادت ادا کریں اور مسلمان بنیں۔ پھر آپ پر اسلامی برکات کا دروازہ ضرور کھل جائے گا۔

۱۴۲۔ وحی الٰہی میں قانون فلاح

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ

وہ اُمت (تھی)، جو گذر گئی اس کیلئے جو کمایا اس نے اور تمہارے لیے

مَا كَسَبْتُمْ ج وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

جو کمایا تم نے اور تم سوال نہ کئے جاؤگے اس سے جو تھے وہ کرتے۔

عزیزانِ اسلام! یہ آیت پچھلی آیتوں کا سبق اور نتیجہ ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قوموں اور جماعتوں کے لیے خدا کا قانون ہے؟ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کی اُمت ایک اُمت تھی جو اب اس دنیا میں باقی نہیں، اس اُمت کے نیک کام تمہارے بُرے کاموں کا بدلہ نہیں بن سکتے اور نہ اس کی خطائیں تم پر بوجھ بن سکتی ہیں، ان کے لیے وہ تھا جو انہوں نے خود کمایا اور تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم خود کماؤ گے۔ اللہ تعالیٰ تم سے نہیں پوچھے گا کہ ان لوگوں کے عمل کیسے تھے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص یا ایک جماعت کی نیکی دوسرے کو نہیں بچا سکتی اور نہ ایک کی بدعملی دوسروں کے لیے جوابدہی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے فدیہ، کفارہ اور خانہ ساز شفاعت وسفارش کے تمام عقائد جو یہود و نصاریٰ کو ایمان و عمل سے بے خوف بنائے ہوئے تھے بالکل رد کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کے دین میں کوئی ایسی چیز شامل نہیں ہے۔

عزیزانِ اسلام! اصل ترقی یہ ہے کہ ہر شخص اپنا خود فکر کرے۔ اگر اولاد یہ سمجھ لے ماں باپ کی محنت ہم کو بے نیاز کر سکتی ہے، تو ایسی اولاد نالائق ہو جائیگی۔ اگر شاگرد یہ سمجھ لیں کہ ہمارا استاد ہمیں خود ہی امتحان میں پاس کرا دے گا۔ تو وہ علم سے محروم رہ جائیں گے۔ اگر

Marfat.com

مرید یہ سمجھیں کہ ہمارا پیر ہمیں دنیا اور آخرت کی مصیبتوں سے بچا لے گا تو وہ کبھی عمل صالح اور ایمان
کا فکر نہ کریں گے۔ اسی طرح اگر کسی نبی کی اُمت یہ سمجھ لے کہ ہمارا نبی ہماری غلطیوں کو
معاف کرا دے گا۔ ہمارے گناہوں کو بخشوا لے گا اور ہمیں دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کر دیگا
تو ایسی اُمت ضرور ایمان و عمل کی کسوٹی سے گر جائے گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانے میں عیسائی دنیا بت پرستی، شرک، زنا اور غفلت و عزور میں مبتلا تھی اور جب کبھی ان
لوگوں کو خدا پرستی اور نیک اعمال کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ ہمیں کہتے تھے کہ ہمیں عمل کی
کچھ ضرورت نہیں ہے، ہم بے شک گنہگار ہیں مگر خدا کا بیٹا جو معصوم تھا وہ ہمارے گناہوں
کے بدلے سولی پا چکا ہے، اب ہم سے ان گناہوں کا بدلہ نہیں لیا جائیگا۔ اسی بارے میں
یہودیوں کا حال بھی عیسائیوں سے اچھا نہ تھا۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم عمل کریں یا نہ کریں
ہماری بخشش یقینی ہے اور ہم جماعتی حیثیت سے جنتی قرار پا چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی
قوم صرف یہودی، عیسائی یا مسلمان کا نام رکھنے کی وجہ سے آخرت میں کامیاب ہو جائیگی تو پھر
اس نام کی وجہ سے وہ دنیا میں کیوں کامیاب نہیں ہوتی؟ یہودیوں نے کیوں شکست کھائی؟
عیسائی اقوام کو کیوں سینکڑوں شکستیں ہوئیں؟ اب آخر میں مسلمانوں کو کیوں ہر گوشہ دنیا میں
غلامی نصیب ہوئی؟ اس سے صاف ثابت ہے کہ اسلام، عیسائیت یا یہودیت کے الفاظ
پر نہ دنیوی کامیابی کا انحصار ہے اور نہ اُخروی کامیابی کا۔ اگر ایسا ہوتا تو پیغمبر اسلام کبھی یہ
نہ فرماتے، اے بنی کعب! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ! اے فاطمہؓ اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ
کیونکہ میں خدا کے دربار میں تمہارے لئے کوئی اقتدار و اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم سے
میرے بھی تعلقات ضرور ہیں۔ دوسری روایت ہے۔ اے فاطمہؓ دختر محمدؐ! میں تمہارے لئے اللہ کے
معاملے میں خدا کے سامنے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ میرے مال میں سے جو کچھ چاہو مانگ سکتی
ہو۔ اے عزیزانِ اسلام! ان حدیثوں سے سبق سیکھیں اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی پیروی
میں دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کریں۔

Marfat.com

دعوتِ اسلام کے اجزائے ترکیبی

۱۸۳۔ فرقہ بندی سے نکلو

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ

اور کہتے ہیں ہو جاؤ یہودی یا نصرانی ہدایت پا جاؤ گے کہہ دے

بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

بلکہ ملت ابراہیم جو یک طرفہ تھا اور نہ تھا مشرکین سے

عزیزانِ اسلام! یہود اور نصاریٰ اپنے آپ کو ہدایت اور نجات کا ٹھیکیدار سمجھتے تھے اور یہودی کہتے تھے کہ یہودی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ نصرانی یہ کہتے تھے کہ نصرانی ہو جا[ؤ] تو ہدایت پاؤ گے۔ اس سے ان کا یہ مطلب نہ تھا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیم پر عمل کرنا چاہیئے "یہودی ہو جاؤ" سے ان کا اصل مطلب یہ تھا کہ دوسرے تمام مذاہب [کی] نکتہ چینی کی جائے، انہیں جھٹلایا جائے اور ان کی تعلیمات کا تمسخر اڑایا جائے اور ان [سے] جنگ و جدل کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب یہ دیتا ہے۔ ایسے لو[گوں] [سے] کہہ دو، تمہاری اپنی گھڑی ہوئی فرقہ بندیوں میں نہ ہدایت ہے اور نہ نجات۔ ہدایت [و نجات] کی اصلی راہ وہ ہے جس پر حضرت ابراہیم قائم تھے۔ یعنی یہ کہ تمام انسانی طریقوں سے منہ مو[ڑ] کر صرف ایک خدا کے فطری قانون پر کاربند ہو جانا۔ یہ ایک ہی طریقہ ہے جس کی پیروی [سے] کوئی انسان کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

عزیزانِ اسلام! ایک عجیب بات یہ تھی کہ یہود اور نصاریٰ کھلے طور پر شرک اور بت پرستی میں گرفتار تھے اور اس کے باوجود یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ یہودی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ قرآن اس کا یہ جواب دیتا ہے کیا شرک ہدایت کی راہ ہے؟ کیا حضرت ابراہیم شرک سے بَری نہیں تھے؟ پھر یہود اور نصاریٰ مشرک ہو کر اپنے آپ کو ہدایت یافتہ کیسے

سکتے ہیں؟

عزیزانِ اسلام! حنیف کے معنی ہیں یک رنگ، مخلص، سیدھے راستے پر، دورنگی سے پاک، نفاق سے دور اور ایک ہی دروازے کا غلام، حضرت ابراہیمؑ کے اخلاقِ عالیہ میں ایک بڑا وصف یہ تھا کہ آپ دورنگی سے پاک تھے، راستباز تھے، وہ توحید کا راستہ جو آپ نے قبول کر لیا تھا، اُسی پر چلتے تھے۔ دنیوی غرض مندی، قومی مفاد یا وقتی مصلحت کے لئے اپنے اصول میں ذرہ برابر تبدیلی بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور اس لئے ان کے کاموں میں استقلال تھا، ان کے قدموں میں مضبوطی تھی اور ان کے ایمان میں عمل کی بے پناہ طاقت تھی۔ اگرچہ نمرود کی ساری بادشاہت ان کے خلاف تھی، باپ خلاف تھا، خاندان خلاف تھا۔ لیکن وہ سب مل کر بھی انہیں اپنی طرف مائل نہ کر سکے اور کسی ایک موقعہ پر بھی ان کی یک رنگی میں فرق نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس وقت کی تمام دنیا حضرت ابراہیمؑ کی پیروی پر مجبور ہو گئی۔ آپؑ کے دو بیٹے تھے۔ اسحٰقؑ اور اسمٰعیلؑ۔ حضرت اسحٰقؑ نے حضرت یعقوبؑ کو وصیت کی تھی کہ تم ملتِ ابراہیمی کا اتباع کرنا۔ یہ ملتِ ابراہیمی کیا ہے؟ ملتِ ابراہیمی اسلام ہی کا دوسرا نام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نوعِ انسان کے لئے صرف اللہ کا قانون مسلّم ہو اور باقی سب قانون ملیامیٹ کر دیئے جائیں۔ یہی معنی ہیں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے یعنی مسلمان اطاعتِ قانونِ الٰہی کی راہ میں کھڑے ہو جائیں اور باقی سب قانونوں کو ملیامیٹ کر دیں، تاکہ خدا کا دین تمام دینوں پر غالب آ جائے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی اسی بنیاد پر تھی اور اب مسلمان کا آخری فرض بھی یہی ہے کہ وہ تمام غیر الٰہی طاقتوں کو قتل کے گھاٹ اُتار دیں۔ مسلمان نہ انگریزوں کے غلام ہو سکتے ہیں اور نہ ہندوؤں کے اور نہ کسی اور انسان کے، وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ مسلمانوں کو ہر اُس طاقت کا دشمن ہونا چاہیے جو خدا اور انسان کے درمیان حائل ہے اور کسی بھی انسان کو اپنی غلامی کی دعوت دے۔ پھر

مسلمان کا فرض ہے کہ وہ توحید کی اس حقیقت کو سمجھے اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر ہر دنیوی طاقت کے خوف و طمع سے بے نیاز ہو جائے۔ اور اس کی زندگی بھی اللہ کے لئے ہو اور موت بھی اللہ کے لئے ہو۔

ہم سب نبیوں پر ایمان لاؤ

قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی

کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اتارا گیا طرف ہماری اور جو اتارا گیا طرف

اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا

ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور انکی اولاد کی اور جو

اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ۔

دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو دیا گیا نبیوں کو ان کے رب سے۔

عزیزان اسلام! یہودی کہتے تھے یہودی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ نصاریٰ کہتے تھے۔ نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ ان دونوں گروہوں کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا۔ آپ سچے اسلام کا طریقہ بیان کر دیجئے۔ اس پر آپ نے فرمایا ہم نہ یہودی گروہ بندی میں شامل ہیں۔ اور نہ نصرانی گروہ بندی میں۔ ہمارا طریقہ ابراہیمی طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے یکسو فرمانبردار تھے اور شرک سے پاک تھے۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قرآن پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا۔ ہم ان تعلیموں کو سچا مانتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ حضرت یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ کو دی گئی تھیں۔ ہم حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی آسمانی کتابوں کو بھی سچا مانتے ہیں۔ ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم ایک نبی کو مانیں۔ اور دوسرے نبیوں کو جھٹلائیں یا ایک آسمانی کتاب کو صحیح مانیں اور

دوسری آسمانی کتابوں کو غلط قرار دیں۔ ہم تمام پہلے نبیوں کو بھی سچا مانتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سچا مانتے ہیں۔ ہم تمام پہلی کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں، اور قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں لیکن جھٹلاتے کسی کو نہیں ہیں۔ اس لئے کہ سب نبیوں کا دین در اصل ایک ہی دین تھا۔ اگر کسی ایک نبی کو جھٹلایا جائے تو اس کے صاف معنی ہیں کہ خدا کا دین جھٹلایا گیا۔

عزیزان اسلام! اسلام کی ترقی اور کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے جھگڑے کی پالیسی اختیار نہیں کی اور ہر معاملے میں ایسے عالم گیر اصول پیش کئے جس پر تمام دنیا کی قومیں جمع ہو جائیں۔ اسلام نے خدا کی تعریف یہ کی کہ وہ رب العلمین ہے یعنی تمام دنیا کی قوموں کو پالنے والا۔ اسلام نے رسولؐ کی تعریف یہ کی کہ وہ رحمۃ للعلمین ہیں۔ یعنی تمام دنیا کی قوموں کے لئے رحمت اسلام نے دین کی تعریف یہ کی کہ وہ اللہ کا دین ہے یعنی سب انسانوں کا مشترکہ ورثہ۔ اسلام نے قرآن کی تعریف یہ کی کہ وہ ذکریٰ للعلمین ہے۔ یعنی تمام دنیا کی قوموں کے لئے نصیحت۔ اسلام نے کسی خاص قطعہ کو اپنا وطن نہیں بنایا بلکہ خدا کی ساری زمین کو تمام انسانوں کا وطن قرار دیا۔ اسلام کی وسعت و فراخی کا نتیجہ یہ تھا کہ تمام کی تمام قومیں خود بخود اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ اور ایک برادری بن گئیں۔ اگر مسلمان اسلام کی وسعت و فراخی پر کاربند رہتے تو اسلامی سلطنت کو کبھی زوال نہ آتا مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اسلام کے دائرے کو تنگ کر دیا۔ قرآن نے ساری کائنات کو مسلمان قرار دیا تھا لیکن ہم نے خود مسلمانوں کو بھی کافر بنا دیا۔ اسلام کا پیغام یہ ہے کہ میں ایک عالم گیر صداقت ہوں جسے دنیا بھر کے نبیوں نے جمع ہو کر تمام انسانوں کے لئے عام کیا تھا۔ لیکن ہم نے اسی اسلام کو حنفی، وہابی، فقیہ درسی کے دائرے میں قید کر دیا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ دنیا بھر کے نبیوں کو سچا مانو اور ان کی امتوں کو خدا کی اصل تعلیم پر جمع کرو۔ لیکن ہمارے علماء اور رہنما مسلمانوں کو بھی ایک قوم پہ جمع نہیں کر سکتے۔ ہم تمام نوع انسان کو ملانے کے لئے آئے ہیں لیکن ہم خود ہوئے

Marfat.com

فرقوں میں تقسیم ہیں اور زندگی کے ہر میدان میں بکھرے ہوئے ہیں سیاسیات میں ہمارا اتفاق نہیں ہے مذہب میں اتفاق نہیں ہماری مسجدیں جھگڑوں کا گھر ہیں، ہمارے اخبارات نا اتفاقی کا بیج بو رہے ہیں۔ ہمارے علما، اور لیڈر آپس میں دست و گریبان ہیں۔ آج کافروں اور مشرکوں کا جتھا تو ایک ہے مگر مسلمانوں کا جتھا ایک نہیں ہے۔ حالاں کہ ہمارے دین کی بنیاد ہی اتفاق و اتحاد پر رکھی گئی تھی۔

اے عزیزانِ اسلام! آؤ ایک دفعہ پھر دینِ خداوندی کی طرف لوٹیں اور جس طرح ہمارا خدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے، کتاب اور قبلہ ایک ہے۔ اسی طرح خود بھی ایک ہو جائیں۔ آج فرقہ بندی کے جھگڑوں نے مسلمانوں تباہ کر دیا۔ آؤ اس تباہی سے نکلیں۔ اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر صحابہ کرام کی طرح پھر ایک قوم اور ایک جماعت بن جائیں۔

۱۸۵۔ کسی نبی کو نہ جھٹلاؤ

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔

ہم فرق نہیں کرینگے درمیان کسی کے ان میں سے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

عزیزانِ اسلام! اس آیت کے پہلے حصے میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ ہم اللہ پر تمام پچھلے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائے ہیں۔ اور آج کی آیت میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ ہم ان نبیوں میں کسی ایک کو بھی دوسرے سے جدا نہیں کرتے کہ ہم کسی ایک کو مانیں اور کسی دوسرے کو نہ مانیں، اس لئے کہ ہم خدا کے مسلمان اور فرماں بردار ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی فرماں برداری کا معنی ہی یہ ہے۔ کہ جہاں جہاں خدا کی طرف سے سچی تعلیمات نازل ہوئی ہوں انہیں بغیر کسی قومی تشخص، اور نسلی خیال کے تسلیم کر لیا جائے۔ مطالعہ قرآن سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمان کی آنکھیں ہر وقت خدا کی طرف لگی رہتی ہیں اور اس کا دل و دماغ وقت زمانہ رنگ، نسل، قوم، قبیلہ اور وطن کی قید سے بالکل آزاد ہے۔ اس کا تعلق

صرف ایک خدا سے ہے اور اس کے دل کی توجہ ہر وقت خدا کے قانون کی طرف لگی رہتی ہے اور جہاں بھی وہ کسی آسمانی صداقت کو دیکھتا ہے، اس کی اطاعت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ـــ عزیزانِ اسلام! قرآن پاک نے خدا کے نبیوں میں کوئی تفریق نہیں کی اور بقول مولانا ابوالکلام آزاد وہ کہتا ہے۔ خدا نے تمہیں ایک ہی جامۂ انسانیت دیا تھا لیکن تم نے طرح طرح کے بھیس اور نام اختیار کر لئے اور رشتۂ انسانیت کی وحدت سینکڑوں ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ تمہاری نسلیں الگ الگ ہیں۔ اس لئے تم نسل کے نام پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ تمہارے وطن بہت بن گئے ہیں۔ اس لئے اختلافِ وطن کے نام پر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو۔ تمہاری قومیتیں بے شمار ہیں۔ اس لئے ہر قوم دوسری قوم سے دست و گریبان ہو رہی ہے۔ تمہارے رنگ یکساں نہیں اور یہ بھی باہمی نفرت اور دشمنی کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا ہے، تمہاری بولیاں مختلف ہیں اور یہ بھی ایک دوسرے سے جدا رہنے کی بہت بڑی حجت بن گئی ہے، پھر اس کے علاوہ امیر و فقیر، نوکر و آقا، ادنیٰ و اعلیٰ، کمزور اور زبردست کے بے شمار اختلافات پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان سب کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ۔ ایسی حالت میں بتاؤ کہ وہ کونسا رشتہ ہے جو اتنے اختلافات رکھنے پر بھی انسانوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے۔ قرآن کہتا ہے کہ صرف ایک ہی رشتہ باقی ہے اور وہ خدا پرستی کا مقدس رشتہ ہے۔ تم کتنے ہی الگ الگ ہو گئے ہو لیکن تمہارے لئے خدا الگ الگ نہیں ہو سکتے۔ تم سب ایک ہی پروردگار کے بندے ہو اور بے شمار اختلافات رکھنے پر ایک رشتۂ عبودیت پر جکڑے ہوئے ہو تمہاری کوئی نسل ہو، تمہارا کوئی وطن ہو، تمہاری کوئی قومیت ہو، تم کسی درجہ اور کسی حلقے کے انسان ہو لیکن جب ایک ہی پروردگار کے آگے سرِ نیاز جھکا دو گے تو یہ آسمانی رشتہ تمہارے یہ تمام زمینی اختلافات مٹا دے گا۔ تم سب کے بکھرے ہوئے دل

Marfat.com

ایک دوسرے سے جڑ جائیں گے، تم محسوس کروگے کہ تمام دنیا تمہارا وطن ہے، تمام نسل انسانی تمہارا گھرانہ ہے۔ اور تم سب ایک ہی رب العلمین کے عیال ہو۔ اسی بنا پر قرآن تمام مذاہب عالم کی باہمہ گیر تصدیق کو بھی بطور ایک دلیل کے پیش کرتا ہے یعنی دیکھتا ہے کہ ان میں سے ہر تعلیم دوسری کی تصدیق کرتی ہے۔ جھٹلاتی نہیں اور جب ہر تعلیم دوسری تعلیم کی تصدیق کرتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان تمام تعلیمات کے اندر کوئی ایک ہی قائم اور ثابت حقیقت ضرور کام کر رہی ہے، اسی حقیقت کا نام اسلام ہے اور مسلمان وہ ہے جو اس حقیقت کو تسلیم کرے اور یہ اعلان کر دے کہ ہم خدا کے نبیوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے، ہم ان سب کو سچا مانتے ہیں۔ اگر اسلام یہ اعلان نہ کرتا تو وہ نصف صدی کے اندر اندر آدھی دنیا کو فتح نہ کرسکتا۔ اسلام نے دنیا کو تلوار سے فتح نہیں کیا، بلکہ اپنے اصولوں سے فتح کیا ہے۔

۱۸۴۔ خدمت حق اور خدا پر بھروسہ

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا
پھر اگر وہ ایمان لائیں مانند تمہارے ایمان لانے کے اس پر تو وہ ہدایت پاگئے
وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَ
اور اگر وہ پھر جائیں تو وہ ہیں ہٹ دھرمی میں کافی ہوگا تجھے
هُمُ اللّٰهُ ج وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ | عزیزان اسلام! پہلی
ان کے (مقابل) اللہ، اور وہ ہے سننے والا جاننے والا | آیت میں اسلام کا

طریقہ بیان کیا گیا۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں کو بتلایا گیا کہ قرآن کو مان لینے سے تمہاری اصل یہودیت یا عیسائیت پر کوئی حرف نہیں آتا پیغمبر اسلام نے انہیں سمجھایا کہ اگر تم یہودی ہو، تورات پر ایمان رکھتے ہو تو ہمیں بھی اس معاملے میں تمہارے ساتھ ہو، اگر

تم عیسائی ہو اور انجیل کو مانتے ہو تو میں بھی اس کا منکر نہیں ہوں۔ اگر تم کسی دوسرے رسول کے پیرو ہو تو میں تمہیں اس سے ہٹانا نہیں چاہتا بلکہ میرا مطلب تو یہ ہے کہ تم توریت یا انجیل کے سچے پیرو بن جاؤ۔ میں تمہیں تمہارے نبیوں کی اصل تعلیم پر قائم کرنے آیا ہوں۔ تمہیں بدول یار و گمراہ کرنے نہیں آیا۔ پیغمبر اسلام کے اس پیغام سے یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ حق نہیں تھا کہ وہ انکار کرتے یا اسلام کی مخالفت کے لئے تیار ہوتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ اب اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کے صاف صاف اعلان کے بعد آپ ہی کی طرح مسلمان بن جائیں تو سب جھگڑے ختم ہو جائیں گے اور یہ لوگ کامیابی کے حق دار ہوں گے لیکن اب بھی مخالفت کرتے رہیں۔ تو سمجھ لیجئے کہ ان کے متفق ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔ یہ صرف عناد اور ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ انہیں اڑا رہنے دیجئے اور اپنے کام میں سرگرم ہو جائیے اللہ تعالیٰ کی امداد آپ کے لئے کافی ہوگی۔ آپ کے ساتھ جو کچھ ماجرا گزر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سن رہا ہے۔ اور آئندہ زمانے میں منکرین اسلام کی جو حالت ہوگی۔ اور امت مسلمہ کو جو ترقیاں ملنے والی ہیں۔ وہ انہیں بھی جانتا ہے۔

عزیزان اسلام! غور فرمائیے! اسلام کی راہ کیسی سیدھی ہے۔ اور مسلمان کا دل جھگڑے اور فساد سے کس قدر دور واقع ہوا ہے۔ پہلے یہ کہا گیا ہے کہ اسلام یہودیوں اور عیسائیوں کو ان کی اصل کتاب پر اور ان کے نبیوں کی اصل تعلیم پر قائم کرنے کے سوا اور کچھ مطلب نہیں رکھتا۔ اس کے بعد یہ کہا گیا کہ اگر وہ اب بھی نہ مانیں تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور خود مسلمانوں کو اسلام کی اطاعت و اشاعت میں سرگرم ہو جانا چاہیئے۔ چونکہ اس راہ میں بھی یہود اور نصاریٰ کی طرف سے مخالفتیں اور عداوتیں پیش آنے والی تھیں۔ اس لئے یہ بھی کہا گیا فسیکفیکھم اللہ اے نبی

تمہارے لئے اللہ کی مدد کافی ہوگی اس پر بھروسہ کرو کیوں کہ وہ سب کچھ سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔۔ عزیزانِ اسلام! اس آیت سے دو سبق ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو سیدھے راستے پر چلنا چاہئے۔ اور ٹیڑھے شخص کو دیکھ کر بھی خود ٹیڑھا نہیں ہونا چاہئے۔ دوم یہ کہ خدا کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ خدا کے بھروسے سے یہ مطلب نہیں کہ اسباب و ذرائع سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسباب و ذرائع سے فائدہ تو اٹھانا چاہئے مگر ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ اور ان پہ مغرور سا نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ یہ ہوسکتا ہے۔ کہ ایک ادنیٰ سی غلطی میں تمام اسباب و ذرائع بالکل معطل اور بے کار ہو جائیں۔ افسوس کہ اب مسلمانوں نے یہ دونوں سبق بھلا دیئے ہیں۔

١٨٧۔ خدائی معیار سے مطابقت

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ

اللہ کا رنگ ہے اور کون اچھا ہے اللہ سے رنگنے میں اور ہم اسی کے

عٰبِدُوْنَ ۝

عابد ہیں

عزیزانِ اسلام! پچھلی آیت میں تھا کہ اگر اہلِ کتاب اسلام نہ لائیں تو مسلمانو[ں] کو چاہئے وہ خدا پر بھروسہ کریں اور اعلان کردیں صِبْغَةَ اللّٰهِ ہم دین کی اسی حالت میں رہیں گے جس میں اللہ نے ہم کو رنگ دیا ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور اللہ سے بہتر رنگنے والا اور کون ہے۔ وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ اور اسی لئے ہم اسی کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی زبان سے یہ اعلان کرایا ہے اور اس میں عیسائیوں کے رسمی اصطباغ یعنی رنگ دینے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو رسمی طور پر رنگ دینے سے ہدایت نہیں ہو سکتی۔ راہ ہدایت یہ ہے کہ ہم دین کے اصولوں پر عمل کریں اور خدا کی غلامی پر قائم ہو جائیں۔

عزیزانِ اسلام! صبغت سے مراد فطرت ہے۔ فطرت سے مراد وہ بنیادی قاعد

ہیں، جن پر خدا تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مشیت اور رضا کیا ہے؟ مثلاً پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ نشیب کی طرف بہنا پانی کی فطرت ہے جب پانی نشیب کی طرف بہتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی منشا یہی تھی۔ والدین اور بچوں میں ایک لگاؤ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی منشا تھی کہ والدین بچوں پر شفقت کریں اور بچے والدین سے ادب و عزت کا برتاؤ رکھیں۔ اگر ہم زمین، آسمان، چاند، سورج، پانی، حیوان، انسان، ہمسایہ، والدین، مرد، عورت، مظلوم اور ظالم وغیرہ کی حالتوں اور کیفیتوں پر غور کریں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر معاملے میں اللہ نے کیا چاہا؟ اور کیا چاہتا ہے؟ بس اسی علم کا نام علم دین ہے، یعنی خدا کی رضا کا علم۔ چوں کہ دنیوی حالات کی پیچیدگی کے باعث انسان کی عقل اور مزاج ہر وقت دگرگوں رہتی ہے اس واسطے ہر وقت امکان تھا کہ انسان قدرت الٰہی کے منشا کے سمجھنے میں غلطی کرے گا۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ سے اپنی رضا اور منشا کا پورا علم انسان کے سامنے کھول دیا ہے۔ اسی علم کا نام عالمگیر صداقت ہے۔ اسی کو "الدین" اور "السلام" کہتے ہیں۔ یہی وہ امانت الٰہی ہے جو نوع انسان تک ہزارہا پیغمبروں کے ذریعے پہنچائی گئی اور یہی اللہ کا رنگ ہے۔

عزیزانِ اسلام! دین کا مقصود کیا ہے؟ صرف یہ ہے کہ انسان، خدا کے رنگ میں رنگا جائے اور پھر اپنی محدود طاقتوں کے ساتھ زمین میں اسی طرح خدا کی نیابت کرے جس طرح کہ خود خداوند تعالیٰ اپنی لامحدود طاقتوں کے ساتھ دائرہ وجود میں کام کرتا ہے۔ آپ دائرہ وجود کے اندر خدا تعالیٰ کی کارفرمائیوں کا نظارہ کریں۔ آپ اس کے چاند، سورج اور ستاروں کو دیکھیں، اس کے پھلوں، پھولوں اور شگوفوں پر غور فرمائیں، اس کے بادلوں، سمندروں دریاؤں پر نظر ڈالیں اور پھر اپنی طاقت کے مطابق زمین میں ان سب کی اس طرح نقل کریں، جس سے یہ بالکل ظاہر ہو جائے کہ آپ زمین پر واقعی خدا کے نائب ہیں۔ خدا تعالیٰ

Marfat.com

نے لامحدود مظاہر پیدا کئے ہیں، آپ کو محدود مظاہر پیدا کرنے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ نے لامحدود ہوائیں، بادل، شگوفے اور درخت پیدا فرمائے ہیں۔ آپ کو بھی خدا کی پیدا کردہ طبعی طاقتوں سے کام لیکر بارش، بجلی اور برگ و بار کا انتظام کرنا ہوگا۔ خدا رحیم ہے۔ آپ بھی رحیم بنئے، خدا قادر ہے، آپ بھی اپنے دائرے میں اپنی قدرت کا ثبوت دیجئے۔ خدا قہار ہے۔ آپ بھی مجرموں اور ظالموں کے قہار بن کر دکھائیے۔ مختصر یہ کہ آپ اللہ کے رنگ میں رنگے جائیے اور اس قانون کی نقالی اختیار کر کے زمین پر خدا کی خلافت کا علم بلند کیجئے۔ انسانی پیدائش کا اصل مقصد یہی ہے۔ اللہ کا رنگ اختیار کرنا بھی یہی ہے۔

١٨٨۔ فرض شناسی اور اخلاص

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ

کہدے کیا تم جھگڑتے ہو ہم سے اللہ کے متعلق اور وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُخْلِصُوْنَ۔

اور ہم پر ہیں اعمال ہمارے اور تم پر ہیں اعمال تمہارے اور ہم اسی کے مخلص ہیں۔

عزیزان اسلام! پچھلی آیت میں آپ نے پڑھا کہ دین اسلام کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو خدا تعالیٰ کے اعمال، اخلاق، ایجاد وغیرہ کا نمونہ بنا دیا جائے۔ مثلاً خدا تعالیٰ کے ٩٩ نام ہیں اور ہر نام کی شان مختلف ہے۔ انسان کو ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے وجود سے اللہ تعالیٰ کے ہر نام کی جھلک ظاہر ہو اور یہ خاکی انسان حسن و خوبی کے لحاظ سے ایک خدائی انسان بن جائے۔ ظاہر ہے کہ مقصد دین کی اس وضاحت کے بعد اہل کتاب کے تمام جھگڑے ختم ہو جانے چاہئیں تھے، لیکن ایسا نہ تھا، وہ کہنے لگے کہ اب تک تمام انبیا ہماری قوم سے ہوتے ہیں، اگر آپ بھی نبی ہوتے تو آپ بھی ہماری قوم سے ہوتے۔ ظاہر ہے کہ یہ جھگڑا نبی سے نہیں بلکہ خدا سے ہے۔ اس واسطے یہ آیت نازل ہوئی اور حکم آیا، اے پیغا

انہیں کہہ دو کہ میں اپنی طرف سے نبی نہیں بن گیا، یہ کام تو خدا کا کام ہے۔ کیا اب تم خدا سے جھگڑتے ہو کہ اس نے مجھے نبی کیوں بنا دیا؟ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ صرف تمہارا ہی خدا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا بھی خدا ہے؟ اگر وہ تمہاری قوم میں نبی پیدا کر سکتا ہے تو وہ ہماری قوم میں بھی نبی پیدا کر سکتا ہے، لیکن اب اس بحث سے کیا حاصل؟ فیصلہ کن چیز تو درحقیقت اعمال ہیں، تمہارا فیصلہ تمہارے اعمال کریں گے اور ہمارا فیصلہ ہمارے اعمال کریں گے اور یہ واضح رہے کہ ہمارے عملوں میں ہمارا دین خلوص صرف اللہ کے لئے ہے۔

عزیزانِ اسلام! پہلی آیت میں کہا گیا تھا، وَ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ، ہم خدا ہی کے فرض شناس غلام ہیں۔ اب کہا گیا، وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ۔ ہم دین کی راہ میں جو کچھ کر رہے ہیں، وہ صرف اللہ کے لئے ہے۔ عبادت کہتے ہیں، اُن فرائض کو خدا کی راہ/طرف سے بندوں پر عائد کئے گئے ہیں۔ اور اخلاص کہتے ہیں۔ اُس نیّت کو جس کے تحت کوئی فرض ادا کیا جاتا ہے۔ اللہ کے رنگ میں رنگین ہو کر اپنے فرائض حیات کو بجا لانا عبادت ہے اور فرائض حیات کی بجا آوری میں خدا کی خوشنودی اور رضا کا لحاظ رکھنا اخلاص ہے۔ کوئی فرض شناسی ایسی نہیں ہے جو اخلاص کے بغیر زندہ اور مقبول ہو سکے۔

عزیزانِ اسلام! حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن کئی جماعتیں بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گی۔ ایک جماعت کہے گی، اے اللہ! ہم مجاہد ہیں اور ہم نے تیرے راستے میں جہاد کیا تھا۔ حکم ہوگا، یہ جہاد میرے لئے نہ تھا، بلکہ اپنی ناموری کے لئے تھا۔ اسی طرح کئی حافظوں، قاریوں، موذنوں اور نمازیوں وغیرہ کے اعمال رد کر دیئے جائیں گے۔ آپ نے بخاری کی مشہور حدیث سُنی ہوگی، اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل اور نیّت دونوں چیزیں اسلامی زندگی کا ستون ہیں۔ آپ ہزار عمل کریں لیکن اگر آپ کی نیّت میں خودغرضی ہو تو یہ تمام عمل بے فائدہ ہوں گے۔

Marfat.com

موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی سب سے بڑی مصیبتیں دو ہیں۔ اول کہ یہ کہ ہماری ساری قوم نے عمل کی بجائے بے کاری پر کمریں باندھ رکھی ہیں۔ امر دوم یہ کہ اگر شاذ لوگ عمل کرتے بھی ہیں تو ان کے پیش نظر شہرت، نمائش، ریا اور خود غرضی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ پس ہمارے عمل نہ کرنے کا نتیجہ ذلت اور زوال ہے اور عمل کرنے کا نتیجہ نفاق و فساد اور بغض و حسد ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فرض شناسی کے ساتھ اخلاص کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

۱۸۹۔ فخر آباء سے گریز

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَ
یا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور
يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارٰى قُلْ ءَأَنْتُمْ
یعقوب اور اولادِ یعقوب تھے یہودی یا نصرانی کہہ دو کیا تم
أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ط
جانتے ہو یا اللہ

عزیزانِ اسلام! پہلی دو آیتوں میں کہا گیا کہ جب دین اسلام کا مقصود ہی یہ ہے کہ ہر ایک انسان کو اللہ کے رنگ میں رنگین کرکے خدا تعالیٰ کی نیابت کے لائق بنا دیا جائے تو پھر اہل کتاب اس مبارک مقصد میں فرقہ بندی کا جھگڑا کیوں کھڑا کر رہے ہیں؟ آج کی آیت میں انہی فرقہ بندوں سے پوچھا گیا ہے۔ کیا تم لوگ کہہ سکتے ہو کہ حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ جو دین اسلام کے لانے والے اور انہیں مقاصد کے زندہ کرنے والے ہیں یہودی یا عیسائی تھے؟ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ انبیاء نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی تھے۔ کیوں کہ یہودیت اور عیسائیت جن نبیوں کے نام سے منسوب ہے۔ وہ دونوں ان انبیائے کرام سے پیچھے گزرے ہیں۔ اگر اس تاریخی حقیقت کے باوجود بھی یہود اور نصاریٰ یہی کہتے رہیں کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ و یعقوبؑ یہودی یا عیسائی تھے تو اس کے صاف معنے

ہیں کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے بھی زیادہ سمجھ رہے ہیں؟ اور اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا سمجھیں۔

عزیزانِ اسلام! واقعہ یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ یہودیت کی بنا پڑنے سے بہت پہلے گذر چکے تھے۔ لیکن اس واقعہ کے باوجود یہودی لوگ یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی ہیں۔ اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ آپ عیسائی ہیں مقصود ان کا یہ تھا۔ کہ وہ باپ دادا کے نام پر فخر کریں۔ اوپر کی آیت میں خدا تعالیٰ نے ان گروہ بندیوں کو بھی رد فرمایا ہے اور اُن کے آبائی شرافت کے فخر کو بھی رد کر دیا ہے۔

عزیزانِ اسلام! انسان کی اصل شرافت اس کے ذاتی عمل پر موقوف ہے لیکن وہ قومیں جن کے پاس اپنے ذاتی اعمال کا فخر موجود نہ ہو وہ کبھی یہ کہتی ہیں کہ ہماری ذات بہت اونچی ہے کبھی یہ کہتی ہیں کہ ہمارے دادا فلاں بادشاہ کے وزیر تھے اور انہوں نے فلاں مسجد بنوائی تھی۔ آپ ان سے پوچھئے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے باپ دادا بڑے بزرگ، بڑے امیر، بڑے عالم اور بڑے صاحب اقتدار تھے لیکن سوال یہ ہے کیا آپ بھی ایسے ہیں؟ اگر آپ خود جاہل ہوں تو آپ کے دادا جی کا عالم ہونا موجودہ زمانے میں آپ کی کیا امداد کر سکتا ہے؟

مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اپنے آباء اجداد کے نام پکڑنا اور اُن کی بزرگیوں پر ہر وقت جھومتے رہنا پرلے درجے کی جہالت اور نادانی ہے۔ اور اسلامی تعلیم سے اس کا کچھ تعلق بھی نہیں ہے۔

عزیزانِ اسلام! مردہ اور زندہ قوموں کی ذہنیت میں ایک مستقل فرق ہوتا ہے زندہ قوموں کا فخر یہ ہوتا ہے کہ اگر ہمارے آباء اجداد زمین پر تھے تو ہم آسمان پر پہنچ گئے ہیں مگر مردہ قوموں کا فخر یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم ذلیل اور غلام ہیں تو کچھ ہرج نہیں۔ ہمارے

Marfat.com

باپ دادا کی بڑائی میں کون کلام کر سکتا ہے ؟ زندہ قومیں اپنی موجودہ عزتوں سے اپنے باپ دادا کا نام روشن کرتی ہیں۔ لیکن مردہ قومیں اپنی ذلت و خواری سے اپنے بزرگوں کی عظمتوں کو بھی ذلیل کر ڈالتی ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ باپ دادا کی بڑائی پر فخر کرنے کی بجائے خود اپنی ذات میں عزت اور بزرگی کی شان پیدا کریں۔ جیسا کہ اسلام کے ذریعے سے عرب کے بدوؤں نے اپنے اندر عزت کی شان پیدا کی اور یہ اسی وقت ہوگا کہ جب مسلمان اپنے اعمال کو درست کرلیں۔

۱۹۔ شہادت الٰہی

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ

اور کون بڑا ظالم اس سے جس نے چھپائی گواہی جو اس کے پاس ہے

مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

اللہ سے اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو۔

عزیزانِ اسلام! حضرت ابراہیمؑ کے ذکر سے جو آیتیں شروع ہوئی ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مذہبی جھگڑے مٹا دیئے جائیں اور مذہبی فرقہ بندیوں پر دین کی صحیح حقیقت واضح کر کے انہیں ایک کر دیا جائے۔ ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ نبیوں کے بھیجنے سے خدا کا منشا کیا ہے؟ کتابیں کیوں آتی ہیں؟ نبیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے اسلام کی بنیاد کیوں ڈالی؟ پھر اسلام کو پروان چڑھانے کے لئے کیا کیا قدم اٹھائے؟ پھر مذہبی جھگڑے کیوں پیدا ہوگئے؟ اب ان جھگڑوں کے فیصلہ کا کیا طریق ہے؟ ان سب مباحثوں کی غرض یہ ہے کہ مذہب کے نام پر لڑائیاں ختم ہو جائیں۔ مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے گلے مل جائیں اور انسان، انسان کے ساتھ نفرت کرنا چھوڑ دے۔

Marfat.com

عزیزانِ اسلام! اس دنیا میں بے شمار چیزیں ہیں جو انسانوں میں گروہ بندی کا
ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً زبانوں کا اختلاف ہے۔ جس نے انسانی جماعت کے اندر ہزاروں
تفریقیں پیدا کر رکھی ہیں۔ پھر نسلوں کا اختلاف ہے۔ جس سے ایک نسل دوسری نسل کی
دشمن بنی ہوئی ہے۔ پھر رنگ اور وطن کا اختلاف ہے جس سے انسانی برادری کے افراد
بے شمار ٹکڑوں میں تقسیم ہیں۔ اور ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ مذہب اور دین
کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان تمام اختلافات کے درمیان صلح کرا دے لیکن اگر مذہب اور دین
بھی خود تفریق کا ذریعہ بن جائیں تو پھر انسانوں کے اتحاد و اتفاق سے ناامید ہو جانا چاہیے
کیونکہ یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ زبانوں کا اختلاف نہیں مٹ سکتا۔ انگریز انگریزی
بولیں گے اور چین کے رہنے والے چینی۔ اسی طرح رنگوں کا اختلاف بھی دور نہیں ہو سکتا۔
حبشیوں کا رنگ ہمیشہ سیاہ رہے گا اور جرمنوں کا سرخ و سفید۔ اسی طرح نسلوں کا اختلاف
بھی دور نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ یہودی حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد بن جائیں اور
عربی حضرت اسحٰقؑ کی۔ وطنوں اور ملکوں کے اختلاف کی بھی یہی صورت ہے۔ اب سوال
پیدا ہوگا۔ پھر کیا انسانی اتفاق و اتحاد سے مایوس ہو جانا چاہیے؟ اگر نہیں تو پھر اس کی
عملی صورت کیا ہے؟ دین اور مذہب اسی سوال کا جواب ہیں اور خود اسلام و قرآن بھی
ایک مشکل کا حل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انسان، رنگ، وطن، نسل اور زبان کے نام پر ایک
نہیں ہو سکتے تو کچھ پرواہ نہیں، وہ خدا کے نام پر ایک ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ
چونکہ تمام انسانوں کی فطرت ایک ہے، اس لیے وہ فطری صداقتوں کے نام پر بھی ایک
ہو سکتے ہیں۔ مثلاً سچ بولنے میں اُن کی راہ ایک ہو سکتی ہے۔ خدا کے ایک ماننے میں
ان کی راہ ایک ہو سکتی ہے۔ غریبوں پر رحم کرنے کے لئے وہ جمع ہو سکتے ہیں۔ وہ
خدمتِ علم کے سوال پر متحد ہو سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ دین ان اصولوں کا نام ہے جن پر تمام

Marfat.com

انسانوں کی فطرت جمع ہو کر کام کر سکتی ہے۔ آیت کہتی ہے کہ یہی دین اللہ کی گواہی ہے۔ اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کوئی نہیں جو اللہ کی گواہی (دین) کو چھپائے۔ اگر یہودی اور نصرانی اصل تورات اور انجیل کی گواہی (دین) کو نہ چھپاتے۔ تو وہ اسی طرح قرآن کو ماننے پر مجبور ہوتے، جس طرح کہ ہم مسلمان تورات اور انجیل کو ماننے پر مجبور ہیں۔ اس لئے کہ تمام آسمانی کتابوں کا اصل سرچشمہ ایک ہے۔ یعنی خدا کی ذات۔ پھر حیرت ہے کہ اہل مذاہب ایک کیوں نہیں ہوتے؟ اسلام کی دعوت یہی ہے کہ وہ ایک ہو جائیں۔

۱۹۰۔ خدمتِ جماعت

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ

وہ ایک امت تھی جو گذر گئی اسکے لئے جو اس نے کمایا اور تمہارے واسطے

مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

جو تم نے کمایا اور نہیں پوچھے جاؤ گے تم اس سے جو تھے وہ عمل کرتے۔

عزیزانِ اسلام! یہ پہلے سیپارے کی آخری آیت ہے۔ اس آیت کا آخری ہونا قرآن پاک کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ آپ حسنِ خاتمہ کی اس سے بہتر مثال پیش نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے حصہ اول کو ایک ایسی آیت پر ختم کیا ہے۔ کہ اگر انسان اسی پر کاربند ہو جاتے۔ تو یہ اس کی کامیابی کے لئے کافی ہوگی۔ یہود، عیسائی، مشرکین اور کفار کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ یہ قومیں تھیں جو گذر چکی ہیں۔ جو کچھ انہوں نے اپنے عمل سے کمایا، وہ ان کے لئے ہوگا۔ اور جو کچھ تم اپنے عمل سے کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اشخاص کی طرح قومیں اور جماعتیں بھی اپنے اعمال کی خود جوابدہ ہیں۔ اشخاص کی جوابدہی کی مثالیں آپ ہر روز دیکھ رہے ہیں۔ ایک شخص چوری کرتا ہے تو اسے چوری کی سزا

مل جاتی ہے۔ دُوسرا شخص قتل کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو پھانسی پاجاتا ہے۔ اسی طرح قومیں جماعتیں اور حکومتیں بھی اپنے عمل اور فیصلے کی وجہ سے ثواب یا عذاب میں مبتلا کی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک انجمن خیانت اور بدنظمی میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس کی ساکھ ضرور ختم ہو جائے گی اور آئندہ کے لئے اُسے کوئی چندہ نہیں دے گا۔ ایک حکومت ظلم اور نا انصافی کا ارتکاب کرتی ہے۔ اس کی رعایا ایک دن ضرور اس کے مقابلہ میں کھڑی ہوگی اور اس کے ملک میں بغاوت پھیلے گی۔ مختصر یہ کہ جس طرح شخصی گناہ کی سزا شخص کو ملتی ہے۔ اسی طرح جماعتی گناہ کی سزا خود پوری کی پوری جماعتیں بھگتتی ہیں۔ پس اشخاص یا افراد کا یہی فرض نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی اعمال کو درست رکھیں۔ بلکہ ان کا اس سے بھی بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے جماعتی مزاج کو بھی درست رکھیں۔ اور اپنی شخصی رُوح کی طرح جماعتی رُوح کو مُفسد اور خراب نہ ہونے دیں۔ کیوں کہ جس قوم کی جماعتی ذہنیت ظالم یا بُزدل یا متعصب ہو جاتی ہے۔ اس کا خمیازہ اس جماعت کے ہر فرد کو بھی بھگتنا پڑتا ہے اور اس کے علاوہ بین الاقوامی تعلقات خراب ہو کر تمام نوع انسان پر مصیبت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس کی مثال خود ہندوستان میں موجود ہے۔ آج ہندوستان کی جماعتی رُوح تعصب، بُزدلی اور نا اتفاقی کے اثرات سے مغلوب ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ہر ہندوستانی، وہ بہادر ہو یا بزدل، اتحاد پرور ہو یا فرقہ پرست، ذلت غلامی میں گرفتار ہے اور اس کے علاوہ دُنیا بھر کی قومیں ہماری اس غلامی کا خمیازہ بھگت رہی ہیں۔ ہم خود ہی مصیبت کا شکار نہیں ہیں۔ بلکہ ہماری وجہ سے تمام دُنیائے اسلام بھی مصیبت کا شکار ہے اور اس کے علاوہ تمام قومیں بھی مبتلائے مصیبت ہیں۔ جن کے تعلقات انگریزوں سے خوشگوار نہیں۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ہمیں ذاتی اصلاح کے علاوہ جماعتی اصلاح کی بھی کوشش کرنی چاہئے۔ کیوں کہ اگر ہماری جماعتی زندگی درست نہ ہو۔ تو ذاتی اصلاح کچھ مفید نہ ہوگی۔

Marfat.com

قاضی عبدالمجید قریشی مرحوم کی جملہ تالیفات و تصنیفات
حق قاضی عبدالحمید قریشی مالک سیرت بکڈپو لاہور محفوظ ہیں

درسِ قرآن

37

پارہ اوّل الٓمّٓ

از قلم
قاضی عبدالمجید قریشی مرحوم

بانی تحریک یوم النبی، سیرت کمیٹی، اخبار "ایمان" بٹی
مؤلف و مصنف کتب مشہورہ اسلام زندہ باد، اسوۂ ابراہیم
خطبات جمعہ، پیغامِ قرآن، انسانیت موت کے دروازے پر،
وغیرہ وغیرہ

مطبوعہ بہ اہتمام
قاضی عبدالحمید قریشی برادر حقیقی قاضی صاحب مرحوم
منیجر و مالک سیرت بک ڈپو ۹ میکلوڈ روڈ لاہور

قیمت تین روپے چھ آنے

Marfat.com